اَلصَّرفُ اُمُّ العُلُومِ وَالنَّحوُ اَبُوهَا

درسِ کافیہ

علم نحو کی مشہور درسی کتاب "کافیہ" کی آسان اور مفصل اردو شرح





تالیف
مولانا سید عبدالرشید بن مقصود ھاشمی

تقریظ
مولانا ولی خان المظفر صاحب

ناشر
إدارۃ الرشید کراچی
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

اَلصَّرْفُ اُمُّ الْعُلُوْمِ وَالنَّحْوُ اَبُوْهَا

درسِ کافیہ

علم نحو کی مشہور درسی کتاب کافیہ کی آسان اور مفصل اردو شرح

جلد دوم

تالیف
مولانا سید عبدالرشید بن مقصود ہاشمی

تقریظ
مولانا ولی خان المظفر صاحب

ناشر
اِدارۃ الرشید کراچی
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

نام ▪ درسِ کافیہ

تالیف ▪ مولانا سید عبدالرشید بن مقصود ہاشمی

باہتمام ▪ فیصل رشید

تعداد ▪ ۱۱۰۰

ادارۃ الرشید کراچی

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

Tel: 021-34928643 Cell: 0321-2045610
E-mail: Idaraturrasheed@gmail.com
Idaraturrasheed@yahoo.com

فہرست عنوانات

☆......☆

پیش لفظ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وأصحابه وبارک وسلم تسليما كثيرا:

أما بعد: اللہ تعالیٰ کا بے حد وبیکراں شکر ہے کہ اس نے اِس کمزور اور سیاہ کار انسان کو علم النحو جیسے دقیق فن کے ایک عظیم اور مقبول ترین کتاب کافیہ پر درس کافیہ کے نام سے کچھ لکھنے کی توفیق مرحمت فرمائی، لکھتے وقت یہ وہم اور گمان میں بھی نہیں تھا کہ قارئین اس تحریر کو بھی کتابوں کی فہرست میں شمار فرمائیں گے، لیکن جیسے ہی وہ چھپ کر منظر عام پر آئی تو نہ صرف یہ کہ قارئین نے اس کو شوق اور ذوق سے پڑھا بلکہ بعض طلباء اور علماء کرام براہ راست نے بندہ سے اور بہت ساروں نے ناشر وطابع کے ذریعہ بڑی شدت سے یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ اس کا باقی حصہ بھی مکمل کر دیا جائے، فلله الحمد والمنة، چنانچہ ان کا یہ اصرار مسلسل رہا، لیکن افسوس کے بندہ اپنے بعض عوارض اور پریشانیوں کے وجہ سے قارئین کی اس تمنا کو پورا کرنے پر فوری طور پر لبیک نہ کہہ سکا، جس طرح پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حدیبیہ کے مقام پر عمرہ سے روک دیا گیا تھا، انسان سوچ نہیں سکتا کہ ایسے موقع پر عاشقانِ حرمِ مکی کی پریشانی کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی اور ان کی آنسوؤں کی لڑیوں کو بمصداق كنظام بال قطع سلكه فتتابع کس چیز نے لگام

دی ہوگی، کچھ ایسا ہی معاملہ بندہ کے ساتھ بھی ہوا، فنشکوا إلیک یا رب الضعفاء والمساکین، چنانچہ بڑی مدت تک لکھنے پڑھنے سے انقطاع رہا اور قلب ودماغ پریشانیوں میں جکڑ کر رہ گئے، پھر اس طویل عرصہ کے بعد جا کر کہیں قدرت نے دستگیری فرمائی اور دوبارہ اللہ تعالی نے ہاتھوں میں قلم پکڑا دیا چنانچہ بسم اللہ پڑھ کر درس کافیہ جلد دوم مشتمل بر مباحث مبنی پر لکھنا شروع کیا، اور پھر اللہ تعالی نے ایسی مدد فرمائی کہ چند مہینوں میں یہ کام پورا ہوگیا۔

یہ بات واضح رہے کہ بندہ نہ تو کوئی ماہر مدرس ہے اور نہ اردو ادب سے آشنا، لیکن اتنا ضرور ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک سے دلی محبت ہے، اس لئے اس کتاب میں چھوٹوں کا بڑوں کی نقالی کے نمونے جگہ جگہ آپ کو نظر آئیں گے۔

اپنے تمام تر سیاہ کاری کے باوجود اپنے اساتذہ کرام (بارک اللہ فی حیاتھم ونفعنا اللہ بعلومھم) اور علوم دینیہ کے طلبہ کرام اور خاص کر اپنے شاگردوں کی اللہ تعالی نے عشق کی حد تک بندہ کے دل میں محبت ڈالی ہے، تو اسی محبت نے دوران تحریر قلم کی لگام کو انداز تحریر سے انداز تدریس (اور وہ بھی ایسے جس میں طلبہ کے ساتھ دل لگی کی باتیں ہو رہی ہو) کی طرف پھیر دیا ہے، اس لئے قدم قدم پر قارئین کو بعض باتیں انداز تحریر سے یکسر مخالف نظر آئیں گی، لیکن امید ہے کہ قارئین اس کو پسند فرمائیں گے اس لئے تو جلد اول کے پڑھنے والوں نے جلد دوم کا مطالبہ کیا ہیں۔

کتاب کے مواد، خطط کے بارے میں قارئین پڑھنے کے بعد خود ہی فیصلہ فرمائیں گے اور جلد اول کے شروع میں بھی اس کا کچھ نمونہ آچکا ہے، مختصر یہ کہ ایک تو

کتاب کو دروس میں تقسیم کیا گیا ہے، اس کے بعد درس کا مناسب عنوان لگا کر متن لکھا گیا ہے، اس کے بعد متن کا ترجمہ مفتی اصغر حسین صاحب دامت برکاتہم کی کتاب تہذیب الکافیہ سے ان سے اجازت لے کر شامل کیا گیا ہے، اس کے بعد پورے درس کا تجزیہ کر کے پھر ایک ایک بات کی تفصیل لکھی گئی ہے، یہ بات صراحتاً عرض کی جاتی ہے کہ بندہ کو اپنی مہارت کا کوئی دعوی نہیں ہے لہذا جو کچھ لکھا گیا ہے وہ دیگر متداول شروح (تہذیب الکافیہ، تقریر کافیہ، خیر النحو، شرح جامی، مصباح المعانی، اور ایضاح المطالب وغیرہ) سے لیا گیا ہے، اللہ تعالی اس کو مذکورہ کتابوں سے بھی زیادہ قبولیت نصیب فرمائے، اور اس کو بندہ اور اس کے والدین، اساتذہ کرام، اور اس کے تیار کرنے میں جملہ معاونین کے لئے دنیا وآخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے، اور ہمارے لئے عافیت کے ساتھ دین کی خدمت کے لئے مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفا وکرامۃً کے قیام کا ذریعہ بنائے، آمین یارب العالمین۔

سید عبدالرشید بن مقصود ہاشمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درس (۱)

اسم کی دوسری قسم مبنی کا بیان

المبني: ما ناسبَ مبنيَّ الأصل أو وقع غير مركب، وألقابه: ضمٌّ وفتحٌ وكسرٌ ووقفٌ، وحكمه: أن لايختلف آخره لاختلاف العوامل:

ترجمہ: مبنی وہ اسم ہے جو مبنی الاصل کے مشابہ ہو، یا وہ غیر مرکب واقع ہو، اور اس کے القاب ضمہ فتح کسرہ اور وقف ہیں، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے بدلنے سے نہیں بدلتا۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) مبنی کی قسمیں اور ان کی تعریفیں۔

(۲) مشابہت کی قسمیں۔

(۳) حرکات مبنی کے القاب۔

(۴) مبنی کا حکم۔

پہلی بات: مبنی کی قسمیں اور ان کی تعریفیں

اسم کی دو قسمیں ہیں: معرب اور مبنی، معرب کو صاحب کافیہ نے خوب بسط

وتفصیل اور ضروری مسائل وقواعد کے ساتھ ابتداء کتاب سے یہاں تک بیان فرمایا، اب یہاں سے دوسری قسم (مبنی) کو بیان فرماتے ہیں، چنانچہ فرما رہے ہیں کہ مبنی کی دو قسمیں ہیں: (۱) مبنی اصل۔ (۲) مبنی غیر اصل۔

مبنی اصل وہ ہے جو اپنی بناء میں کسی غیر کا محتاج نہ ہو بلکہ اپنے اصل وضع کے اعتبار سے مبنی ہو اور اس کی حرکات کسی عامل کے تابع نہ ہوں جیسے ضَربَ اور اِضرِبْ، اور مبنی غیر اصل کی صاحب کافیہ نے دو قسمیں بنائی ہیں:

(۱) ما ناسب مبني الأصل: یعنی مبنی وہ اسم ہے جو مبنی اصل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو۔

(۲) أو وقع غیر مرکب: دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی اسم اگر چہ مبنی الاصل تو نہ ہو لیکن ترکیب میں واقع نہ ہونے کی وجہ سے مبنی ہو جیسے زید عمر بکر وغیرہ۔

یا اگر وقع غیر مرکبٍ کا یہ معنی کیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ مبنی وہ اسم ہے جو اپنے کسی عامل کے ساتھ مرکب ہو کر نہ آیا ہو، تو اس میں زید عمر بکر وغیرہ بھی داخل ہو جائیں گے، اور غلام زیدٍ میں غلام بھی داخل ہو جائے گا؛ کیونکہ وہ عامل سے خالی ہے۔

دوسری بات: مشابہت کی قسمیں

بھائی! مشابہت کہہ لو یا مناسبت کہہ لو اس کی سات قسمیں ہیں:

(۱) کوئی اسم مبنی اصل کے معنی کو متضمن ہو جیسے أینَ ہمزہ استفہام کے معنی میں ہے۔

(۲) کوئی اسم اپنا معنی دینے میں ضم ضمیمہ کا محتاج ہو جیسے اسمائے اشارات

وموصولات، جب تک ان کے ساتھ اشارہ حسیہ اور صلہ نہ ہو یہ اپنا معنی نہیں دے سکتے۔

(۳) کوئی اسم مبنی اصل کے موقع پر واقع ہو جیسے نزالِ اِنزِلْ کے معنی میں ہے۔

(۴) کوئی مبنی اصل کے مشابہ کے ہم وزن ہو جیسے فجار بروزن نزالِ۔

(۵) کوئی اسم مشابہ مبنی الاصل کی جگہ واقع ہو جیسے یا زیدُ میں زید ادعوکَ کے کاف اسمی کی جگہ واقع ہے، اور یہ کاف اسمی مشابہ ہے اس حروف جارہ والے کاف کے ساتھ جو مبنی الاصل ہے۔

(۶) کوئی اسم مبنی اصل کی طرف مضاف ہو جیسے یومئذٍ مضاف ہے إذا کان کذا کی طرف، اور إذا کان کذا جملہ ہے جو کہ صاحب مفصل کے ہاں مبنی الاصل ہے۔

(۷) کوئی اسم ایسا ہو جس کی بناء تین حرفوں سے کم ہو جیسے ذا اسم اشارہ اور مَن موصولہ ہے۔

تیسری بات: حرکات مبنی کے القاب

والقابه ضمٌّ وفتحٌ وكسرٌ: صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ حرکات مبنی کے القاب ضمہ فتحہ کسرہ ہے اور سکون کا لقب وقف ہے، یہ بصریین کا قول ہے، ان کے مقابلے میں کوفیین فرماتے ہیں کہ معرب اور مبنی دونوں کے لئے رفع نصب جر کے القاب بھی استعمال کر سکتے ہیں اور ضمہ فتحہ اور کسرہ کے بھی۔

چوتھی بات: مبنی کا حکم

وحكمه أن لا يختلف آخره لاختلاف العوامل: اس عبارت میں حکمہ کی ضمیر مبنی کی قسم اول کی طرف راجع ہے یعنی وہ اسم جو مبنی اصل کے مشابہ ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اگرچہ اس پر آنے والے عوامل بدلتے رہتے ہوں لیکن اس کی وجہ سے اس کا آخر بالکل نہیں بدلے گا جیسا کہ ایک فارسی شاعر نے خوب کہا ہے:

مبنی آن باشد کہ ماند برقرار

معرب آن باشد کہ گردد بار وبار

جیسے ھؤلاء پر مختلف عوامل داخل کئے جائے یہ پھر بھی ایسا ہی رہے گا، مثلاً جاء نی ھؤلاءِ ورأیتُ ھؤلاءِ ومررت بھؤلاءِ، یہ حکم قسم اول کے ساتھ اس لئے خاص قرار دیا گیا ہے کہ اگر دونوں قسموں کا یہ حکم قرار دیا جائے تو وہ اسم جو ترکیب میں واقع نہ ہونے کی وجہ سے مبنی ہے ترکیب کے بعد بھی مبنی رہے گا، حالانکہ وہ ترکیب کے بعد معرب ہوتا ہے۔

درس (٢)

مبنی غیر اصل کی پہلی قسم مضمرات کا بیان

وهي: المضمرات وأسماء الإشارةُ والموصولاتُ والمركبات والكنايات وأسماء الأفعال والأصواتُ وبعض الظروف.

المضمر: ماوضع لمتكلم أو مخاطبٍ أو غائب تقدّم ذكره لفظا أو

معني أو حكما، وهو: متصل أو منفصل فالمنفصل: المستقلُّ بنفسه، والمتصل: غير المستقل بنفسه. وهو: مرفوعٌ ومنصوبٌ ومجرورٌ، فالأولان متصلٌ ومنفصلٌ والثالث متصلٌ فقط، فذلك خمسة أنواع: الأول: ضربت وضربت إلى ضَربنَ وضُربنَ، والثاني: أنا إلى هنَّ، والثالث: ضربني إلى ضربهنَّ، وإنّني إلى إنهنَّ، والرابع: إيايَ إلى إيَّاهنَّ، والخامس: غلامي ولي إلى غلامهنَّ ولهنَّ.

ترجمہ: اور وہ (مبنی) یہ ہیں مضمرات، اسماء اشارات (اسمائے) موصولہ، مرکبات، کنایات اور اسماء افعال (اسماء) اصوات اور بعض ظروف، ضمیر وہ (اسم) ہے جسے وضع کیا گیا ہو متکلم یا مخاطب پر دلالت (کرنے) کے لئے، یا ایسے غائب پر دلالت (کرنے) کے لئے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو لفظا یا معنا یا حکما، اور وہ (ضمیر) منفصل ہوگی یا متصل، پس منفصل وہ ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے مستقل ہوتی ہے، اور متصل اپنی ذات کے اعتبار سے غیر مستقل ہوتی ہے، پس یہ پانچ قسمیں ہیں پہلی قسم (مرفوع متصل) ضربت ضربت سے لے کر ضربن ضربن تک، اور دوسری قسم (مرفوع منفصل) أنا سے هن تک، تیسری قسم (منصوب متصل) ضربني سے ضربهن اور انني سے إنَّهنَّ تک، چوتھی قسم (منصوب منفصل) إيايَ سے إيا هنَّ تک، پانچویں قسم (مجرور متصل) غلامي اور لي سے غلامهن اور لهن تک۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) مبنی غیر اصل کی قسمیں اور ایک اشکال کا جواب۔

(۲) الاصوات و بعض الظروف کی وضاحت۔

(۳) پہلی قسم اسم ضمیر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔

(۴) اسم ضمیر کی تقسیم۔

پہلی بات: مبنی غیر اصل کی قسمیں اور ایک اشکال کا جواب

وهي المضمرات وأسماء الإشارة والموصولات: اس عبارت میں صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ مبنی غیر اصل کی آٹھ قسمیں ہیں: (۱) مضمرات۔ (۲) اسماء اشارات۔ (۳) اسماء موصولہ۔ (۴) مرکبات۔ (۵) اسماء کنایات۔ (٦) اسماء افعال۔ (۷) اسماء اصوات۔ (۸) بعض ظروف۔

یہاں اشکال ہوسکتا ہے کہ صاحب کافیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ **وهي المضمرات.** حالانکہ هي ضمیر کا مرجع المبني ہے جو کہ مذکر ہے، تو راجع اور مرجع میں تذکیر اور تانیث کے اعتبار سے مطابقت نہیں پائی گئی؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جناب محترم! لگتا ہے آپ کو صاحب کافیہ سے کچھ ضد سی ہوگئی ہے؛ کیونکہ بالکل ابتداء میں صاحب کافیہ نے جب کلمہ کی تقسیم کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ **وهي اسمٌ وفعلٌ وحرفٌ**، تو آپ نے وہاں بھی یہی اشکال پیش کیا تھا کہ ہی ضمیر مؤنث کیوں لائے؟ اس کا مرجع الكلمة اگر چہ مؤنث ہے لیکن ایک قاعدہ ہے کہ **الضَّمير إذا دار بين المرجع والخبر فرعاية الخبر أولى من المرجع**، یعنی ضمیر جب مرجع اور خبر کے درمیان میں آجائے تو مرجع کے مقابلے میں خبر زیادہ اولی ہے کہ اس کی رعایت رکھی جائے تو اس کی خبر **اسمٌ وفعلٌ**

وحرفٌ چونکہ مذکر ہے اس لئے صاحب کافیہ کو وھو اسمٌ وفعلٌ وحرفٌ کہنا چاہئے تھا؟، تو جناب محترم! ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے اپنے پیش کردہ اشکال میں جو قاعدہ پیش کیا تھا وہ آپ یہاں بھی ذرا دہرا دیجئے تو مسئلہ اپنے آپ ہی حل ہو جائے گا؛ کیونکہ ھي ضمیر کا مرجع المبني اگر چہ مذکر ہے لیکن آگے جو اس کی خبر آرہی ہے المضمرات وأسماء الإشارات وغیرہ وہ مؤنث ہے تو اس کی رعایت کرتے ہوئے وھي ضمیر مؤنث لے کر آئے ہیں۔

دوسری بات: الأصوات وبعض الظروف کی وضاحت

وأسماء الأفعال والأصوات وبعض الظروف: اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وللأصوات کا عطف الأفعال پر ہوگا لیکن ناکت صاحب نے تنبیہا لکھا ہے کہ بالرفع عطفٌ علی الأسماء لا علی الأفعال، یعنی الأصوات کو مرفوع پڑھکر اس کا عطف الأسماء پر ہے نہ کہ الأفعال پر؛ کیونکہ وہ تو مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے لہذا اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وأسماء الأصواتِ، صاحب کافیہ نے آگے چل کر ہر قسم کی جو تفصیل بیان فرمائی ہیں تو وہاں بھی اس کو الأصوات ہی فرمایا ہیں نہ کہ أسماء الأصوات۔

دوسری بات یہ سمجھ لو کہ صاحب کتاب نے وبعض الظروف فرمایا ہیں؛ اس لئے کہ تمام ظروف مبنی نہیں ہیں بلکہ بعض ظروف معرب ہیں اور بعض مبنی۔

اسی طرح بعض موصولات بھی مبنی نہیں ہیں لیکن پھر بھی صاحب کافیہ نے وبعض الموصولات کہنے کے بجائے مطلقاً والموصولات اس لئے فرمایا کہ

اگر چہ ان میں سے بعض معرب بھی ہیں لیکن اکثر مبنی ہیں اور حکم اکثریت پر لگتا ہے، کما قیل وللأکثر حکم الکل۔

تیسری بات: پہلی قسم اسم ضمیر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

المضمر ما وُضع لمتکلم أو مخاطب: المضمر أضمر یُضمر إضمارًا باب افعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اس کا مصدری معنی ہے چھپا دینا، اور اس کے شروع میں جو الف لام ہے یہ بمعنی **الــــذي** کے ہے، تو عبارت اس طرح ہو جائے گی: **الاسم الذي یُضمر**، یعنی وہ چیز جو چھپائی جائے۔

اور اصطلاحی معنی خود صاحب کتاب بیان کرتے ہیں کہ **مــــا وُضــع لـمتکلم أو مخاطبٍ أو غائبٍ تقدَّم ذکرہ لفظًا أو معنیً أو حکمًا**، یعنی ضمیر وہ اسم ہے جس کو وضع کیا گیا ہو متکلم کے لئے یا مخاطب کے لئے یا ایسے غائب کے لئے جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہو لفظی طور پر یا معنوی طور پر یا حکمی طور پر۔

اس تعریف میں چند چیزیں قابل غور ہیں:

(۱) صاحب کافیہ نے تعریف کرتے ہوئے سب سے پہلے متکلم کا ذکر کر کے **مــا وضع لمتکلم** فرمایا؛ یہ اس لئے کہ یہ اعرف المعارف ہے، اس کے بعد پھر مخاطب کا ذکر فرمایا ہے؛ اس لئے کہ دوسرے نمبر پر اعرف المعارف مخاطب ہوتا ہے، اور اس کے بعد غائب، اس لئے غائب کا ذکر سب سے آخر میں کیا۔

(۲) غائب کی ضمیر کے ساتھ صاحب کتاب نے شرط لگائی کہ **تقدَّم ذکرہ لفظًا أو معنًا أو حکمًا**، یعنی تقدیم کی تین صورتوں میں سے کسی صورت میں اس

کا ذکر پہلے گذر چکا ہو۔

پہلی صورت تقدیم لفظی

تقدیم لفظی کا معنی یہ ہے کہ غائب کی ضمیر کا مرجع اس ضمیر سے پہلے لفظوں میں موجود ہو چاہے حقیقتاً ہو یا تقدیراً۔

حقیقتاً کی مثال ضربَ زیدٌ غلامَه، یہاں ہُ ضمیر کا مرجع ماقبل میں مذکور ہے یعنی زیدٌ۔

تقدیراً کی مثال ضربَ غلامَه زیدٌ، یہاں بھی ہُ ضمیر کے مرجع کا ذکر پہلے آچکا ہے وہ اگر چہ لفظوں میں مؤخر ہے لیکن رتبۃً اس کا ذکر پہلے ہے؛ کیونکہ فاعل میں اصل یہ ہے کہ وہ مفعول سے مقدم ہوگا، تو گویا کہ اصل عبارت یہ ہوگی ضربَ زیدٌ غلامَه۔

دوسری صورت تقدیم معنوی

أو معنًا: اس کا مطلب یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع ماقبل لفظوں میں مذکور نہ ہو لیکن معنوی طور پر اس کا ذکر پہلے آچکا ہو جیسے ﴿اعدلوا هو أقرب للتقوى﴾ اس میں هو ضمیر کا مرجع عدل ہے جو اعدلوا فعل سے سمجھ میں آرہا ہے؛ کیونکہ فعل تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے: (۱) معنی مصدری۔ (۲) نسبت الی الفاعل۔ (۳) زمانہ۔ تو معنی مصدری فعل میں موجود ہوتا ہے اس لئے ہم نے اس کا مصدر یعنی عدل نکالا جو اعدلوا فعل میں موجود ہے، اس طرح ﴿ولأبويه لكل واحد منهما السدس﴾ یہاں ﴿أبويه﴾ میں ہُ ضمیر کا مرجع اگر چہ ماقبل لفظوں میں کوئی نہیں

گذرا، لیکن بحث چونکہ میراث کا چل رہا ہے اور میراث ملتا ہے وارث کو، اس لئے یہاں بھی ہم وارث کو نکال کر ھو کا مرجع بنادیں گے۔

أو حکمًا: حکمًا کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ذکر ماقبل میں نہ تو لفظوں میں ہوا ہو اور نہ معنی میں، بلکہ بقصد تعظیم بغیر کسی مرجع کے ضمیر ذکر کی جائے تو سامع کا طلب اور شوق بڑھے گا اور ذہن میں سوال پیدا ہوگا کہ ہاں حضرت! کون؟ کس کی بات ہو رہی ہے؟ اس کے بعد جب اس کی تفسیر لائی جائی گی تو وہ ماقبل میں مرجع کے بنسبت زیادہ ابلغ اور اوقع فی الذہن ہوگی، اور جب یہ اس سے زیادہ ابلغ ہے تو اس لئے ہم نے کہا کہ یہ ایسا ہے گویا کہ اس کا ذکر حکمی طور پر پہلے گذر چکا ہے، اور یہ دو جگہوں میں ہوتا ہے یعنی ضمیر شان اور ضمیر قصہ میں، ضمیر شان مذکر کی ضمیر ہوتی ہے جیسے ﴿قل ھو اللہ أحد﴾، اور ضمیر قصہ مؤنث کی ضمیر ہوتی ہے جیسے إنھا امرأۃ صالحۃٌ۔

تیسری بات کے شروع میں یہ بات آپ پڑھ چکے ہو کہ مبنی الاصل صرف تین چیزیں ہیں: (۱) فعل ماضی۔ (۲) امر حاضر معروف۔ (۳) جملہ حروف، ان کے علاوہ باقی جتنی بھی چیزیں مبنی ہیں وہ ان تینوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کسی نہ کسی مشابہت کی وجہ سے مبنی ہوگی، مثلاً مضمرات مبنی ہیں اس لئے کہ ان میں مبنی اصل کے ساتھ مشابہت افتقاری پائی جاتی ہے، یعنی جس طرح حروف اسم یا فعل کے بغیر اپنا پورا معنی نہیں دے سکتے ایسے ہی مضمرات بھی بغیر مرجع کے اپنا پورا معنی نہیں دے سکتے، تو گویا کہ احتیاج إلی الغیر میں ان کی حروف کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔

چوتھی بات: اسم ضمیر کی تقسیم

وهو متصلٌ أو منفصلٌ: فرماتے ہیں کہ ضمیر کی دوقسمیں ہیں: ضمیر متصل اور ضمیر منفصل، ضمیر منفصل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ **فالمنفصل المستقلُّ بنفسه** یعنی ضمیر منفصل وہ ضمیر ہے جو تلفظ کے اعتبار سے مستقل بنفسہ ہو کسی غیر کا محتاج نہ ہو جیسے **أنا نحن أنتَ** وغیرہ، اور متصل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ **والمتصل غير المتسقل بنفسه** یعنی ضمیر متصل وہ ہے جو تلفظ کے اعتبار سے مستقل بنفسہ نہ ہو بلکہ اپنے عامل کا محتاج ہو جیسے **ضربتُ ضربتَ** وغیرہ۔

یہ بات یاد رہے کہ ہم نے تشریح میں (تلفظ کے اعتبار سے) کا قید بڑھایا ہے؛ کیونکہ معنی کے اعتبار سے تو منفصل اور متصل دونوں ہی مستقل ہوتے ہیں؛ اس لئے کہ دونوں اسم ہیں اور اسم مستقل ہی ہوتا ہے۔

آگے فرمارہے ہیں کہ **وهو مرفوعٌ ومنصوبٌ ومجرورٌ**، یعنی ضمیر کی تین قسمیں ہیں مرفوع منصوب اور مجرور، پھر فرمارہے ہیں کہ **فالأولان متصلٌ ومنفصلٌ**، یعنی پہلی دوقسموں (مرفوع اور منصوب) میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں، ضمیر مرفوع متصل اور ضمیر مرفوع منفصل، اسی طرح ضمیر منصوب متصل اور ضمیر منصوب منفصل۔

والثالث متصلٌ فقط: فرماتے ہیں کہ تیسری قسم یعنی مجرور کی صرف ایک ہی قسم ہے یعنی متصل، کیونکہ حروف جارہ اور مضاف کمزور قسم کے عوامل ہیں اگر ان کا معمول ان کے ساتھ متصل ہو تب تو یہ اس میں اپنا عمل کر سکتے ہیں لیکن منفصل

میں عمل نہیں کر سکتے اس لئے اس کی صرف ایک ہی قسم بنائی۔

فذلک خمسة أنواعٍ: فرماتے ہیں کہ مرفوع اور منصوب میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں اور مجرور کی ایک قسم، یہ سارے ملا کر کل پانچ قسمیں بن جاتی ہیں۔

الأول ضربتُ وضُربتُ إلى ضَربنَ وضُربنَ: ضمیر مرفوع متصل کی مثال دیتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ ضَربتُ ماضی معلوم اور ضُربتُ ماضی مجہول سے لے کر ضَربنَ و ضُربنَ تک یہ ساری مثالیں ضمیر مرفوع متصل کی ہیں۔

والثاني أنا إلى هنّ یعنی أنا سے لے کر هنّ تک یہ چودہ مثالیں ضمیر مرفوع منفصل کی ہیں۔

والثالث ضربني إلى ضربهنّ وإنني إلى إنّهنّ: یعنی ضربني سے لے کر ضربهنّ تک اور وإنني سے انهنّ تک چودہ چودہ مثالیں ضمیر منصوب متصل کی ہیں۔

والرابع إياي إلى إياهنّ: یعنی إيايَ سے لیکر إياهنّ تک چودہ مثالیں ضمیر منصوب منفصل کی ہیں۔

والخامس غلامي ولي إلى غلامهنّ ولهنّ: یعنی چودہ غلامي سے غلامهنّ تک اور چودہ لي سے لهنّ تک یہ ساری مثالیں ضمیر مجرور متصل کی ہیں۔

صاحب کافیہ مثالیں پیش کرتے ہوئے ساری قسموں میں سب سے پہلے متکلم کی ضمیر لائے کیونکہ یہ أعرف المعارف ہوتی ہے، اور سب سے آخر میں جمع مؤنث غائب کی ضمیر لائے کیونکہ معرفہ ہونے میں سب سے ادنی درجہ کی معرفہ یہی جمع مؤنث غائب ہوتا ہے، **فتدبر وتفكر، وقد حفظت كلها بحذافيرها قبل ذلك في نحو مير للسيد شريف الجرجاني، ولو تريدها هاهنا أيضًا**

فعليک بحاشية المحشي في أصل الكتاب۔ واللہ أعلم بالصواب۔

درس (۳)

مبنی غیر اصل کی پہلی قسم مضمرات کا بیان

فالمرفوع المتصل خاصة يستتر في الماضي للغائب والغائبة، والمضارع للمتكلم مطلقا والمخاطب والغائب والغائبة، وفي الصفة مطلقا، ولايسوغ المنفصل إلا لتعذُّر المتصل، وذلک بالتقديم على عامله أو بالفصل لغرض أو بالحذف أو بكون العامل معنوياً أو حرفا والضمير مرفوع أو بكونه مسندا إليه صفة جرت على غيرمن هي له مثل: إياک ضربت، وماضربک إلاأنا، وإياک والشر، وأنا زيدٌ، وماأنت قائمًا، وهند زيد ضاربته هي.

ترجمہ: پس مرفوع متصل خاص طور پر مستتر ہوتی ہے ماضی (مذکر) غائب میں اور (مؤنث) غائبہ میں اور مضارع متکلم میں مطلقا، اور مخاطب اور غائب اور غائبہ میں، اور صفت میں مطلقا، اور نہیں جائز مگر (ضمیر) متصل کے متعذر رہونے کی وجہ سے، اور یہ (متصل کا متعذر رہونا) اس وقت ہے جب (ضمیر) مقدم ہو اپنے عامل پر، یا فاصلہ واقع ہو کسی غرض کے لئے، یا حذف کی وجہ سے (یعنی اس کا عامل محذوف ہو)، یا عامل معنوی ہو، یا (عامل) حرف ہو، حال یہ کہ ضمیر مرفوع ہو، یا ضمیر کی طرف ایسی صفت مسند ہو جو ذات کے غیر پر جاری ہو جس کی یہ صفت ہو جیسے إيَّـــــــاک

ضربت، اور ماضربک إلاأنا اورإیاک والشر اورأنا زیدٌاورماأنت قائمًا اورهندٌ زیدٌ ضاربته هي.

تشریح: بھائی آج کے درس میں صرف دو باتیں ہیں:

(۱) ضمیر مرفوع متصل کے مستتر ہونے کے مقامات۔

(۲) ضمیر مرفوع متصل اور اس کے چھ مقامات۔

پہلی بات: ضمیر مرفوع متصل کے مستتر ہونے کے مقامات

ماقبل میں صاحب کافیہ نے ضمیر کی تعریف اور اس کی قسمیں بیان فرمائی تھی، اب یہاں فرمارہے ہیں کہ ضمیر کہاں کہاں مستتر ہوگی، چنانچہ اس کے لئے صاحب کافیہ نے کل آٹھ مقامات بتائے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱=۲) **فالمرفوع المتصل خاصّةً یستتر في الماضي للغائب والغائبة:** یعنی خاص کر ضمیر مرفوع متصل جو مستتر ہوتی ہے اس کے پہلے دو مقامات تو فعل ماضی میں ہیں یعنی واحد مذکر غائب (ضربَ) اور واحدہ مؤنثہ غائبہ (ضربتْ) ان دونوں میں ہمیشہ کے لئے ضمیر مستتر ہوگی بشرطیکہ اسم ظاہر کی طرف اس کی نسبت نہ ہوئی ہو جیسے زیدٌ ضربَ اور هندٌ ضربتْ، لیکن اگر کسی اسم ظاہر کی طرف اس کی نسبت ہوئی ہو تو اس وقت اس کا فاعل ضمیر کے بجائے وہی اسم ظاہر ہوگا جیسے ضربَ زیدٌ اور ضربت هندٌ۔

صاحب کافیہ نے خاصّةً کی قید لگا کر بتادیا کہ ضمیر کا مستتر ہونا خاص ہے ضمیر مرفوع متصل کے ساتھ، اس کے علاوہ باقی چار قسموں میں ضمیر ہمیشہ کے لئے

بارز ہوتی ہے۔

(۳ تا ۷) **والمضارع للمتكلم مطلقًا والمخاطب والغائب والغائبة:** اس عبارت کے ذریعہ صاحب کافیہ نے مضارع میں پانچ مقامات بیان فرمائے ہیں، جن کو ہم مضارع کے گروپ نمبر ایک سے تعبیر کر سکتے ہیں یعنی **يضربُ تضربُ تضربُ أضربُ نضربُ** ان صیغوں میں ضمیر مستتر ہوگی۔

متکلم کے ساتھ **مطلقًا** کی قید لگانے سے معلوم ہوا کہ یہ حکم واحد متکلم، تثنیہ متکلم اور جمع متکلم مذکر اور مؤنث سب کے لئے ہے، ان کے علاوہ **تضربين** صیغہ واحدہ مؤنثہ مخاطبہ میں اختلاف ہے بعض کے ہاں اس میں یاء ضمیر بارز ہے اور بعض کے ہاں یاء اس میں تانیث کی علامت ہے ضمیر اس میں أنتِ ہے جو واجب الاستتار ہے۔

(۸) **وفي الصفة مطلقًا:** اس عبارت میں صاحب کافیہ نے آٹھواں اور آخری مقام بیان فرمایا ہے جہاں ضمیر مرفوع متصل مستتر ہوتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ **وفي الصفة مطلقًا، أي: ويستتر الضمير المتصل في الصفة استتارًا مطلقًا** یعنی ضمیر مرفوع متصل ہر صیغہ صفت میں مستتر ہوگی، یہاں بھی مطلقًا کی قید لگائی اس کا مطلب یہ ہے کہ صیغہ صفت چاہے اسم فاعل ہو یا اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل میں سے کوئی بھی ہو اسی طرح چاہے وہ مفرد ہو تثنیہ ہو یا جمع ہو مذکر ہو یا مؤنث ہر صیغے میں مستتر ہوگی جیسے **زيدٌ ضاربٌ زيدان ضاربانِ زيدون ضاربون وهندٌ ضاربةٌ وهندان ضاربتان وهنداتٌ ضارباتٌ**۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اگر کسی طالبعلم کو اشکال ہو کہ ان صیغوں میں واؤ اور الف ضمیر فاعل تو موجود ہیں پھر اس کو مستتر کہنے کا کیا مطلب ہوا؟۔

اس کا جواب یہ ہے یہ دونوں ضمیر نہیں ہیں بلکہ حرف تثنیہ اور حرف جمع ہیں؛ کیونکہ ضمیر تو وہ ہوتی ہے جو عوامل کے بدلنے سے نہ بدلتی ہو کیونکہ وہ مبنی ہوتی ہے، جبکہ یہ دونوں تو عوامل کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں مثلاً مذکورہ مثالوں میں عامل رافع کی وجہ سے یہ الف اور واؤ ہیں لیکن جب ان پر عامل ناصب یا عامل جار داخل ہو جائے تو یہ دونوں یاء سے بدل جاتے ہیں جیسے رأیتُ الزیدَین ضاربَین وھندَین ضاربتَین ومررت بالزیدَین ضاربَین وھندَین ضاربتَین۔

دوسری بات: ضمیر مرفوع متصل اور اس کے چھ مقامات

ولا یسوغ المنفصل إلا لتعذر المتصل: یہاں سے یہ بیان فرما رہے ہیں کہ منفصل اور متصل دونوں میں سے اصل متصل ہے؛ کیونکہ ضمیر لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کلام میں اختصار پیدا کیا جائے اور اختصار بجائے منفصل کے متصل میں زیادہ ہوتا ہے، لہذا جب تک ضمیر متصل کلام میں لانا ممکن ہو اس وقت تک ضمیر منفصل نہیں لائی جاسکتی، جہاں متصل لانا ممکن ہی نہ ہو تو پھر منفصل لائی جائیگی، اس کو صاحب کافیہ بیان فرماتے ہیں کہ **ولا یسوغ المنفصل إلا لتعذر المتصل**، آگے متعذر رہونے کے چھ مقامات بیان فرما رہے ہیں:

(۱) **وذلک بالتقدیم علی عامله:** پہلا مقام یہ ہے کہ ضمیر میں حصر کا معنی

مطلوب ہو اور اس مقصد کے لئے اس کو اپنے عامل پر مقدم کی گئی ہو تو ایسی جگہ ضمیر متصل لانا متعذر ہے اس لئے ضمیر منفصل لائی جائیگی جیسے إیاک ضربتُ اور ﴿إیاک نعبد وإیاک نستعین﴾ یہاں منفصل کے بجائے اگر متصل لائی جاتی تو حصر کا معنی جو مطلوب تھا وہ فوت ہو جاتا، مثلاً دیکھئے پہلی صورت میں اس کا معنی تھا خاص تجھ ہی کو میں نے مارا، یعنی میرے مارنے کا انحصار آپ تک ہے آپ کے علاوہ کسی کو نہیں مارا، اسی طرح اے اللہ میں صرف تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں، جبکہ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا: میں نے آپ کو مارا، اور میں تیری عبادت کرتا ہوں اے اللہ اور میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں اے اللہ۔

(۲) أو بالفصل لغرض: دوسرا مقام یہ ہے کہ ضمیر اور اس کے عامل کے درمیان کسی خاص غرض کے لئے فصل اور جدائی لائی گئی ہو تو وہاں ضمیر متصل متعذر ہوگی جیسے ما ضربک إلا أنا، یہ اصل میں ضربتکَ تھا، لیکن جب متکلم کو اس میں حصر کا معنی پیدا کرنا مطلوب ہو تو ضربَ فعل اور تُ ضمیر متصل کے درمیان إلا کے ذریعے فصل لائے گا، لہٰذا (تُ) ضمیر جو متصل تھی اس کا لانا متعذر رہو گیا اس لئے اس کے بجائے ضمیر منفصل لائے گا اور کہے گا ما ضربک إلا أنا، یعنی نہیں مارا آپ کو مگر میں نے۔

(۳) أو بالحذف: تعذر متصل کا تیسرا مقام یہ ہے کہ ضمیر جس عامل کے ساتھ متصل ہو سرے سے اس عامل کو حذف کر دیا جائے تو متصل بہ نہ رہ جانے کی وجہ سے لازماً ضمیر منفصل لائی جائیگی جیسے إیاک والشر یہ اصل میں

اتق نفسک والشر تھا، (اس کی کچھ تفصیل جلد اول میں إیاک والأسد کے تحت گذر چکی ہے) لہذا اتق فعل عامل اور اس کے معمول نفسَ کو حذف کر دیا گیا تو کاف ضمیر متصل کے ساتھ متصلٌ بہ نہیں رہا اور اس حال پر اس کو باقی رکھنا متعذر ہوگیا، تو اس لئے اس کے بجائے ضمیر منفصل إیاکَ لائی گئی تو إیاک والشر بن گیا۔

(۴) أو یکون العامل معنویًا: چوتھی جگہ یہ ہے کہ کسی ضمیر میں عمل کرنے والا عامل معنوی ہو تو وہاں ضمیر کو متصل کے بجائے منفصل لایا جائے گا؛ کیونکہ متصل کہتے ہیں اپنے عامل کے ساتھ ملی ہوئی ضمیر کو، جبکہ یہاں عامل لفظوں میں ہے نہیں تو اس لئے ضمیر منفصل لائی جائیگی جیسے أنا زیدٌ، غور فرمائیں یہاں أنا مبتداء ہے جس کا عامل معنوی ہوا کرتا ہے اس لئے متصل کا لانا متعذر رہوگیا۔

(۵) أو حرفًا والضمیر مرفوعٌ: تعذر متصل کی پانچویں جگہ یہ ہے کہ عامل کوئی حرف اور معمول اس کا ضمیر مرفوع ہو تو ایسی جگہ متصل متعذر رہوگی؛ کیونکہ متصل کی وضع اس لئے ہوئی ہے کہ وہ کسی فعل کے بعد آئی گی، اور یہاں اس سے پہلے حرف ہوگا اور یہ ناممکن ہے کہ حرف کسی ضمیر مرفوع متصل کا عامل بن جائے اس لئے مجبورًا ہم ضمیر مرفوع منفصل لے کر آئیں گے جیسے ما أنت قائماً، یہاں أنتَ کے بجائے ہم ضمیر مرفوع متصل نہیں لاسکتے تو اس لئے أنت ضمیر مرفوع منفصل لائی گئی ہے۔

والضمیر مرفوعٌ کہنے سے یہ معلوم ہوا کہ صرف ضمیر مرفوع متصل پر حرف

عامل ہوکر داخل نہیں ہوسکتا اس کے علاوہ ضمیر منصوب اور مجرور پر داخل ہوسکتا ہے جیسے إنک إنکما اور لي لنا لک لکما۔

(٦) أو بكونه مسنداً إليه صفة جرت علي غير من هي له: یاوہ ایسی ضمیر ہو جس کی طرف ایسے صیغہ صفت کی نسبت کی گئی ہو جو اپنے موصوف کے علاوہ غیر پر جاری ہوا ہو جیسے هندٌ زيدٌ ضاربةٌ هي، یعنی ہندہ زید اس کو مارنے والی وہ ہندہ ہے، دیکھئے اس میں هي ایسی ضمیر منفصل ہے جس کی طرف ضاربة یعنی ایسے صیغہ صفت کی اضافت ہوگئی جو خود اس کے موصوف یعنی هندٌ پر نہیں بلکہ زیدٌ پر واقع ہے، اس جیسی مثالوں میں اگر ضمیر منفصل نہ لائی جائے تو پتہ نہیں چلے گا کہ صیغہ صفت کی ضمیر فاعل کا مرجع زیدٌ ہے یا ہندٌ۔

درس (۴)

ضمیر متصل اور منفصل کا بیان

وإذا اجتمع ضميران وليس أحدهما مرفوعا، فإن كان أحدهما أعرف وقدمته فلك الخيار في الثاني نحو: أعطيتكه وأعطيتك إياه وضربيك وضربن إياك وإلا فهومنفصلٌ، نحو: أعطيته إياه أو إياك، والمختار في خبرباب كان الانفصال، والأكثر لولا أنت إلى آخره وعسيت إلى آخرها، وجاء لولاك وعساك إلى آخرهما. ونون الوقاية مع الياء لازمة في الماضي وفي المضارع عريًّا

عن نون الإعراب، وأنت مع النون فيه، ولدن وإنَّ وأخواتها مخير، ويختار في ليت ومن وعن وقد وقط، وعكسها لعل.

ترجمہ: اور جب دو ضمیریں جمع ہوں اوران میں سے کوئی ایک مرفوع نہ ہو پس اگر ان میں سے ایک زیادہ معرفہ ہو اور تو نے اس کو مقدم کیا ہو پس تجھے اختیار ہے ضمیر ثانی لانے میں (متصل لانے میں یا منفصل لانے میں) جیسے أعطيتكه وأعطيتك إياه وضربيك وضربني إياك وگرنہ وہ ضمیر منفصل ہوگی جیسے أعطيته إياه یا (أعطيته) إياك اور باب کان کی خبر میں ضمیر منفصل لانا مختار ہے اور اکثر استعمال میں (لولا کے بعد ضمیر منفصل ہوتی ہے) لولا أنت اور آخر تک اور عسيت آخر تک اور آیا ہے بعض لغات میں لولاک اور عساک آخر تک نون وقایہ یائے متکلم کے ساتھ، ماضی اور مضارع میں لازمی ہے، جب کہ وہ نون اعرابی سے خالی ہو، اور تجھے اختیار ہے نون وقایہ کے اس مضارع میں لانے یا نہ لانے میں نون اعرابی کے ہوتے ہوئے، اور لدن اور ان اور اس کے ہم مثلوں میں اختیار ہے نون وقایہ لانے یا نہ لانے میں اور مختار ہے نون وقایہ کا لانا لیت اور من اور عن اور قد اور قط میں، اور اس لیت کا عکس ہے لعل۔

تشریح: بھائی آج کے درس میں بھی صرف دو باتیں ہیں:

(۱) متصل اور منفصل میں اختیار کی صورتیں۔

(۲) نون وقایہ کے مقامات کی تحقیق۔

پہلی بات: متصل اور منفصل میں اختیار کی صورتیں

صاحب کافیہ نے ایسے کل چھ مقامات ذکر فرمائے ہیں جہاں ضمیر متصل اور منفصل لانے میں متکلم کو اختیار ہوگا:

(۱) **وإذا اجتمع ضميران وليس أحدهما مرفوعاً، فإن كان أحدهما أعرف وقدمته فلك الخيار في الثاني:** صاحب کافیہ اس عبارت میں یہ مسئلہ بیان فرمارہے ہیں کہ اگر کہیں دو ضمیریں جمع ہو جائیں بشرطیکہ ان میں ضمیر مرفوع کوئی بھی نہ ہو اور ان دونوں میں سے جو اعرف ہو اس کو آپ نے مقدم رکھا ہو تو پھر آپ کو اختیار ہے دوسری ضمیر میں کہ اس کو متصل لائے یا منفصل جیسے أعطيتكهُ، اس کو اسی طرح متصل بھی پڑھا جاسکتا ہے اور اس کے بجائے ضمیر منفصل لانا بھی جائز ہے جیسے **أعطيتكَ إياه، وهكذا في** ضربيک اور ضربي إياکَ۔

وإلا فهو منفصلٌ ، نحو: أعطيته إياه: فرماتے ہیں کہ اگر دونوں ضمائر میں سے کوئی اعرف نہ ہو بلکہ دونوں برابر ہوں یا دونوں میں سے ایک اگرچہ اعرف ہو لیکن وہ مقدم نہ ہو تو ثانی کو منفصل ہی لایا جائے گا جیسے **أعطيتُه إياه**، اس مثال میں ضمیر مرفوع بھی کوئی نہیں ہے اور دونوں برابر بھی ہیں اس لئے ضمیر منفصل لائی گئی، اور **أعطيته إياکَ** اس میں إیاکَ اگرچہ اعرف ہے لیکن مقدم نہیں ہے اور کوئی ضمیر مرفوع بھی نہیں ہے اس لئے اس میں منفصل لے کر آگئے۔

(۲) **والمختار في خبر باب كان الانفصال:** افعال ناقصہ کی خبر اگر ضمیر کی صورت میں ہو تو اس کے متعلق فرما رہے ہیں کہ اس کا منفصل اور متصل لانا اگرچہ دونوں جائز ہیں؛ کیونکہ اس کی دو حیثیتیں ہیں:

ایک یہ کہ افعال ناقصہ کے ساتھ اس کا تعلق ہے یعنی اس کی خبر ہے، اور افعال ناقصہ کی خبر بمنزلہ مفعول کے ہوتی ہے اور مفعول کی ضمیر چونکہ متصل ہوتی ہے اس لئے اس کو بھی متصل لایا جاسکتا ہے جیسے **كان زيدٌ قائماً و كنته**۔

دوسری یہ کہ افاعل ناقصہ کے داخل ہونے سے پہلے یہ مبتدا کی خبر تھی اور مبتدا عامل معنوی ہوتا ہے اور یہ بات ماقبل میں گذر چکی ہے کہ **أو يكون العامل معنوياً**، یعنی اگر ضمیر کا عامل معنوی ہو تو ضمیر متصل متعذر ہوگی اس لئے منفصل لائی جائی گی چنانچہ یہاں بھی منفصل لائی جائی گی جیسے **كان زيدٌ قائمًا وكنت إياه**۔

خلاصہ یہ کہ جائز تو دونوں ہیں لیکن اولی اور مختار انفصال ہے کیونکہ مفعولیت کے ساتھ اس کی مشابہت کم ہے، اور مبتداء کے لئے خبر ہونے کے ساتھ اس کی مشابہت زیادہ ہے، اور وہ چونکہ منفصل ہوتی ہے اس لئے یہاں بھی منفصل لانے کو اولی کہا گیا۔

(۳) **والأكثر لو لا أنت إلى آخره:** فرماتے ہیں کہ لولا کے بعد اکثر طور پر ضمیر منفصل استعمال ہوتی ہے کیونکہ لولا کے بعد ضمیر مبتداء ہوتی ہے اور اس کی خبر محذوف ہوتی ہے، اور ضمیر جب مبتداء ہو تو مبتداء کا عامل معنوی ہوتا ہے، اور یہ بات گذر گئی کہ ایسی جگہ ضمیر متصل متعذر ہوتی ہے اس لئے ضمیر منفصل لائی

جائیگی جیسے لولا أنت لو لا أنتما إلی لو لا نحن، حاشیہ میں ساری مثالیں لکھی ہوئی ہیں اس میں دیکھی جائے۔

(۴) وعسیتَ إلی آخرها: عسی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ضمیر لانی ہو تو اس میں اولی اور بہتر صورت یہ ہے کہ ضمیر مرفوع متصل لائی جائیگی؛ کیونکہ عسی فعل ہے اور اس کے بعد جو ضمیر ہوگی وہ فاعل ہوگی اور ضمیر فاعل فعل کے ساتھ متصل ہوتی ہے، اس لئے اس کے بعد والی ضمیر بھی متصل لائی جائیگی جیسے عسیتَ عسیتُما عسیتُم...إلخ، پوری مثالیں حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔

(۵=۶) وجاء لولاک وعساک إلی آخرهما: فرماتے ہیں کہ لولا کے بعد بہتر صورت تو ضمیر مرفوع منفصل اور عسی کے بعد ضمیر مرفوع متصل کی ہے لیکن جواز کی حد تک ممکن یہ بھی ہے کہ لولا کے بعد ضمیر مجرور متصل اور عسی کے بعد ضمیر منصوب متصل لائی جائے جیسے لولاک، لولاکما، لولاکم ضمیر مجرور کیسی بنی؟ تو دیکھئے لولا زیدٌ موجودٌ لکان کذا یہ اصل میں لولا وجود زیدٍ لکان کذا تھا، وجود مضاف کو حذف کر کے لولا کو اس کا قائمقام بنایا تو لولا زیدٍ بنا، پھر اسی لولا مضاف کو اسم ظاہر کے بجائے اسم ضمیر کی طرف مضاف کریں گے تو لولاک، لولاکما، لولاکم بن جائے گا۔

اسی طرح عساک، عساکما، عساکم ..إلخ: ضمیر منصوب متصل کی مثالیں ہیں؛ کیونکہ اما سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ عسی بھی حروف مشبہ بالفعل

میں سے ہے جو کہ لعلَّ کے معنی میں ہے، اور حروف مشبہ بالفعل کا اسم منصوب ہوا کرتا ہے اور یہ ضمیر بھی اسی اسم کی جگہ واقع ہے تو اس لئے اس کو منصوب لانا بھی جائز ہے جیسے عساک، عساکما، عساکم... إلخ۔

دوسری بات: نون وقایہ کے مقامات کی تحقیق

مقامات وجوب نون وقایہ

ونون الوقاية مع الياء لازمةٌ في الماضي: فرماتے ہیں کہ ضمیر منصوب متصل میں سے یاء متکلم جب ماضی کے کسی صیغے کے ساتھ لگانی ہو تو ضروری ہے کہ اس سے قبل نون وقایہ لگائی جائے جیسے ضربني ضرباني ضربوني ضربتني ضربتماني.. إلخ۔

اس نون کو نون وقایہ اس لئے کہتے ہیں کہ وقایہ کا معنی ہے جلد، تو جس طرح جلد کتاب کی حفاظت کا ایک آلہ اور ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح نون وقایہ بھی فعل کو کسرے سے بچانے کا ایک ذریعہ ہوا کرتا ہے؛ کیونکہ جب آپ نے فعل کے ساتھ یاء متکلم لگادی، تو یاء متکلم اپنے ماقبل کسرہ چاہتی ہے اور فعل پر کبھی کسرہ آنہیں سکتا، تو ہمارے طالبعلم ساتھی پریشان سے ہوگئے کہ خدایا! اب کریں تو کیا کریں؟ ماضی تو مبنی بر فتح ہوتا ہے، اس پر کسرہ پڑھ نہیں سکتے اور یہاں یاء متکلم اپنے ماقبل کسرہ ہی چاہتی ہے تو اللہ تعالی نے ہماری یہ مشکل نون وقایہ کے ذریعے آسان فرمائی کہ یہ نون لے کر یاء متکلم سے پہلے لگادو اور کسرہ اسی پر لگادو، تو یائے متکلم بھی راضی ہو جائے گی اور فعل بھی کسرہ سے بچ جائے گا۔

وفي المضارع عريًا عن نون الإعراب: دیکھو میرے بھائی! کل دو مقامات ایسے ہیں جہاں نون وقایہ کا لانا واجب ہے:

(۱) ماضی کے تمام صیغوں میں جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

(۲) مضارع کے ان صیغوں میں جو نون اعرابی سے خالی ہوتے ہیں یعنی گروپ نمبرایک (**يضربُ تضربُ تضربُ أضربُ نضربُ**)، اور گروپ نمبر تین (**يضربنَ تضربنَ**) کے صیغوں میں، جیسے **يضربني تضربني تضربني أضربني نضربني**، اور **يضربَني تضربَني**۔

مقامات جواز نون وقایہ

وأنتَ مع النون فيه ولدن وإن وأخواتها مخير: صاحب کافیہؒ یہاں سے ایسے تین مقامات بیان فرمارہے ہیں جہاں نون وقایہ لانا جائز ہے، یعنی متکلم کے صوابدید پر چھوڑا گیا ہے وہ چاہے تو لگا بھی سکتا ہے اور نہ چاہے تو اس کے بغیر بھی استعمال کرسکتا ہے وہ تین مقامات یہ ہیں:

(۱) فعل مضارع کے وہ صیغے جن میں نون اعرابی ہوا کرتا ہے اور ایسے صیغے سات ہیں یعنی **يضربان تضربان تضربان تضربان يضربون تضربون تضربين**، ان صیغوں میں نون وقایہ لگانا بھی جائز ہے جیسے **يضربانني تضربانني تضربينني يضربونني تضربونني**، اور نون وقایہ کے بغیر بھی جائز ہے جیسے **يضرباني تضرباني تضرباني تضربيني يضربوني تضربوني**۔

(۲) کلمہ لدن میں اختیار ہے یعنی لانا چاہے تو بھی جائز؛ کیونکہ اس کے آخر میں جو سکون بنائی ہے، نون وقایہ کے ذریعے سے اس کی حفاظت ہو جائے جیسے لدنني، اور نہ لانا بھی جائز ہے تاکہ دو نونات کا ایک ساتھ جمع ہونا لازم نہ آئے جیسے لدني۔

(۳) وإن وأخواتها: یعنی حروف مشبہ بالفعل کے آخر میں یاء متکلم آجائے تو اس سے قبل بھی نون وقایہ لانے اور نہ لانے کا اختیار متکلم کو حاصل ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی دونوں طرح مستعمل ہے جیسے ﴿إني أنا ربک فاخلع نعليک﴾ اور ﴿إنني أنا الله لا إله إلا أنا فاعبدني﴾۔

مقامات اولویت نون وقایہ

ویختار في لیت ومِن وعن وقد وقطُّ: یہاں سے صاحب کافیہ ایسے پانچ مقامات ذکر فرمارہے ہیں جہاں نون وقایہ کا لانا اور نہ لانا جائز تو ہے لیکن اس کا لانا زیادہ اولی اور مختار بھی ہے اور مشہور بھی ہے، مثلاً حروف مشبہ بالفعل میں لیت جیسے لیتني، اور اس کے علاوہ چار کلمات یعنی من عن قد قطُّ ان سب میں نون وقایہ لانا اولی ہے جیسے منّي عنّي قدني قطني۔

لیت میں مختار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی مشابہت ہے فعل کے ساتھ، لہذا نون وقایہ جس طرح ماضی میں فعل کی حرکت کو بچاتا ہے اسی طرح لیت میں بھی اس کی حرکت کو بچاتا ہے۔

اور من، عن، قد اور قطُّ میں ان کے سکون کو بچاتا ہے۔

اور نہ لانا بھی جائز ہے، لیکن امام سیبویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہ لانا صرف اشعار اور ابیات میں وزن شعری کی وجہ سے جائز ہے جیسے:

أيها السائل عنهم وعني

لست من قيسٍ ولا قيسٌ مني

(شرح الرضی ۲۔۵۷)

مقام غیر اولویت نون وقایہ

وعکسها لعلَّ: فرماتے ہیں کہ ماقبل والے پانچ کے برعکس لعلَّ جو حروف مشبہ بالفعل میں سے ہے اس میں نون وقایہ کا نہ لانا ہی اولی اور بہتر ہے جیسے ﴿لعلي أعمل صالحًا﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو اس میں اپنا موجودہ لام مشدد ہے اس کے بعد اگر نون وقایہ لائیں گے تو نون اور لام دونوں قریب المخرج ہیں تو ایک کلمہ میں لام مشدد اور اس کا قریب المخرج نون جمع ہو جائینگے جو کہ کلام فصیح کے خلاف ہے۔

دیکھو یہ بات پھر ذہن نشین کرلو کہ حروف مشبہ بالفعل میں سے لیتَ کے ساتھ نون وقایہ لانا اولی اور بہتر ہے اور لعلَّ کے ساتھ نہ لانا بہتر ہے، ان دونوں کے علاوہ باقی حروف مشبہ بالفعل کے ساتھ لانا اور نہ لانا دونوں برابر ہیں۔

درس (۵)

ضمیر فصل، شان اور ضمیر قصہ کا بیان

ویتوسط بین المبتدأ والخبر قبل العوامل، وبعدها صیغة مرفوع منفصل مطابق للمبتدأ، ویسمی فصلا؛ لتفصل بین کونه خبرا ونعتا، وشرطه: أن یکون الخبر معرفة أو أفعل من کذا مثل: کان زید هو أفضل من عمرو، ولا موضع له عند الخلیل، وبعض العرب یجعله مبتدأ، وما بعده خبره، ویتقدم قبل الجملة ضمیر غائب یسمی ضمیر الشأن والقصة، یفسر بالجملة بعده.

ترجمہ: اور مبتدا اور خبر کے درمیان عوامل سے پہلے اور عوامل کے بعد لایا جائے گا ضمیر مرفوع منفصل کو، جو مبتداء کے مطابق ہوگی، نام رکھا جاہے اس کا فصل، تا کہ فرق کرے اس کے خبر یا صفت ہونے کے درمیان، اور اس کی شرط مرفوع منفصل لانے میں یہ ہے کہ خبر معرفہ ہو یا اسم تفضیل ہو جو من کے ساتھ مستعمل ہو جیسے **کان زیدٌ هو أفضل من عمرو**، اور خلیل نحوی کے نزدیک اس کا محل من الاعراب نہیں ہوگا، اور بعض اہل عرب نے اسے مبتداء بنایا ہے اور اس کے مابعد کو اس کی خبر، اور مقدم ہوتی ہے جملے سے پہلے ضمیر غائب، اس کا نام رکھا جاتا ہے ضمیر شان اور ضمیر قصہ، اور تفسیر کرتا ہے اس کا مابعد والا جملہ۔

تشریح: بھائی آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) مبتدا اور خبر کے درمیان ضمیر فصل کا ایک قاعدہ۔

(۲) ضمیر قصہ اور ضمیر شان کا بیان۔

(۳) ضمیر شان اور ضمیر قصہ میں ترکیبی احتمالات۔

پہلی بات: مبتدا اور خبر کے درمیان ضمیر کا ایک قاعدہ

ویتوسط بین المبتدأ والخبر قبل العوامل، وبعدها صیغة مرفوع منفصل: قاعدہ یہ ہے کہ جہاں کہیں مبتدا کی خبر یا تو معرفہ ہو یا اسم تفضیل مِن کے ساتھ ہو تو ان دونوں صورتوں میں مبتدا اور خبر کے درمیان ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعے فاصلہ لانا واجب ہوگا، چاہے اس پر عوامل داخل ہوں یا داخل نہ ہوں دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے قبل دخول العوامل کی مثال: **زیدٌ هو القائمُ**، اور بعد دخول العوامل کی مثال ﴿**کنتَ أنت الرقیب علیهم**﴾ دیکھئے دونوں مثالوں میں خبر **القائم** اور **الرقیب** معرفہ ہیں اس لئے درمیان میں ضمیر مرفوع منفصل کا فصل لے کر آ گئے، اسم تفضیل کی مثال **کان زیدٌ هو الأفضل من عمرو**۔

مطابقٌ للمبتدأ: فرمارہے ہیں کہ وہ ضمیر مرفوع منفصل جو مبتداء اور خبر کے درمیان لائی جائی گی وہ مبتداء کے ساتھ افراد تثنیہ اور جمع میں تذکیر اور تانیث میں غائب وحاضر اور متکلم ہونے میں مطابق ہوگی جیسے **زیدٌ هو القائم، الزیدان هما القائمان ، الزیدون هم القائمون**، اور **هندٌ هي القائمة، الهندان هما القائمتان الهندات هن القائمات**، اسی طرح ﴿**إنه أنا الله العزیز الحکیم**﴾ اور **إنی أنا القائم**، اور ﴿**إنک أنت العزیز الحکیم**﴾ ﴿**إنه هو**

الغفور الرحیم﴾ اور علمت زیدًا هو القائم۔

غور فرمائیں! صاحب کافیہ نے ضمیر مرفوع نہیں فرمایا بلکہ صیغہ مرفوع منفصل فرمایا، یہ اس لئے کہ اس میں اختلاف ہے بعض حضرات اس کو ضمیر کہتے ہیں اور بعض نہیں کہتے، اس لئے مصنف نے درمیانی راستہ اختیار کر کے اس کو صیغہ سے تعبیر فرمایا جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

مذکورہ قاعدہ کے لئے ایک شرط

وشرطه أن يكون الخبر معرفةً أو أفعل من كذا: قاعدہ مذکورہ کے متعلق علامہ ابن حاجب فرما رہے ہیں کہ مبتداء اور خبر کے درمیان ضمیر فصل تب لائی جائیگی جب خبر یا تو معرفہ ہو یا اسم تفضیل بمِن کے ساتھ ہو؛ کیونکہ ایسا اسم تفضیل معرفہ کے حکم میں ہوتا ہے، اور معرفہ ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ اگر وہ معرفہ نہ ہو تو پھر تو التباس ہی نہیں ہوگا، اور التباس نہیں ہوگا تو ضمیر فصل کی ضرورت ہی نہیں ہوگی اور ضرورت نہیں ہوگی تو ضمیر فصل لائی نہیں جائیگی جیسے کان زیدٌ هو أفضل من عمرو۔

مذکورہ ضمیر فصل کی ترکیبی حالت

یہ ترکیب میں کیا واقع ہوگا تو صاحب کافیہ نے اس بارے میں دو مذہب بیان فرمائے ہیں:

(۱) **ولا موضع له عند الخليل:** فرماتے ہیں کہ امام خلیل صاحب کے ہاں اعراب میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں، یعنی یہ ترکیب میں کچھ بھی واقع نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس کی حیثیت مبتداء کے ساتھ ایسی ہے جیسے أولئک کے اندر

کاف کی، اور أنــتَ کے اندر تاء کی، تو جیسے کاف اور تاء کی الگ کوئی ترکیب نہیں ہوسکتی ایسی ہی اس کی بھی نہیں ہوسکتی۔

(۲) **وبعض العرب یجعله مبتدأ وما بعده خبره:** فرماتے ہیں کہ بعض علماء نحو اس کو بھی مبتداء ہی مانتے ہیں مثلا زیـدٌ هـو الـقـائـم کی ترکیب وہ یوں کرتے ہیں زیدٌ مبتداء اول ھو مبتداء ثانی، القائم خبر، مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر پھر خبر بنا زیـدٌ مبتداء اول کے لئے، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ویسـمـی فـصـلا؛ لیفـصّـل بین کونه خبرًا ونعتًا: صاحب کافیہؒ فرما رہے ہیں کہ مبتداء اور خبر کے درمیان جو ضمیر آتی ہے اس کو ضمیر فصل کہا جاتا ہے، اور فصل کا معنی ہے فرق اور جدائی، اور یہ بھی ایسے دو کلموں کے درمیان میں آتا ہے جو آپس میں مبتداء اور خبر بھی بن سکتے ہیں، اور موصوف اور صفت بھی، تو چونکہ دونوں کا التباس لازم آرہا تھا اس لئے التباس کو دور کرنے کے لئے درمیان میں یہ ضمیر فصل لے کر آگئے، چنانچہ ایسے جن دو اسموں کے درمیان ضمیر فصل ہوگی ہم سمجھیں گے کہ یہ مبتداء اور خبر ہیں ورنہ موصوف صفت ہوں گے۔

دوسری بات: ضمیر قصہ اور ضمیر شان کا بیان

ویتـقـدم قبـل الجملة ضمیرٌ غائبٌ: ماقبل میں ان ضمائر کا بیان تھا جو جملہ کے آخر یا درمیان میں آرہے تھے اب یہاں اس ضمیر کو بیان فرما رہے ہیں جو جملہ کے شروع میں آرہی ہو، چنانچہ ایسی ضمیر میں اگر پانچ باتیں پائی جائیں تو وہ اگر مذکر کی

ہو تو ضمیر شان کہلائے گی اور اگر مؤنث کی ہو تو ضمیر قصہ کہلائے گی، وہ باتیں یہ ہیں:

(۱) جس پر حکم لگ رہا ہو وہ کوئی عظیم الشان ہستی اور ذات ہو۔

(۲) وہ ضمیر جملہ سے مقدم ہو۔

(۳) ضمیر غائب کی ہو۔

(۴) بعد میں آنے والا جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہو۔

(۵) اس ضمیر کا ماقبل میں مرجع نہ ہو۔

(۶) وہ ضمیر مجرور نہ ہو۔

ان میں سے چار باتیں تو صاحب کافیہؒ نے متن میں ذکر فرمائی ہیں مثلاً **ضمیرٌ غائبٌ** یعنی وہ ضمیر مفرد کی ہو اور غائب کی ہو، **یُفسر بالجملة بعده** یعنی بعد والا جملہ اس ضمیر کی تفسیر کر رہا ہو، اور وہ جملہ اس ضمیر کے بعد آ رہا ہو، جیسے ضمیر شان کی مثال ﴿**قل هو الله أحد، إنه هو العزيز الحكيم**﴾ اور **إنه زيدٌ عالمٌ**، اور ضمیر قصہ کی مثال **إنها زينب قائمةٌ**، اور **إنها امرأةٌ عالمةٌ**۔

دیکھئے اس میں **هو** ضمیر ہے، اور اللہ جل جلالہ ذی شان ہے، اور **هو** ضمیر جملے سے مقدم ہے، ضمیر بھی غائب کی ہے، اور بعد میں آنے والا جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہے، ماقبل میں اس کا کوئی مرجع بھی نہیں ہے، اور ضمیر مجرور بھی نہیں ہے، اس لئے جب ساری باتیں پائی گئیں تو یہ ضمیر شان بن گئی، **وهكذا في إنها زينبُ قائمةٌ وغيره**۔

تیسری بات: ضمیر شان اور ضمیر قصہ میں ترکیبی احتمالات

ضمیر شان اور ضمیر قصہ میں ترکیبی اعتبار سے ماقبل کی طرح دو احتمالات ہیں:

(۱) بعض علماءنحوتومختصرالفاظ میں یہ کہتے ہیں کہ لا محل لها من الإعراب۔

(۲) بعض دوسرے علماءنحوفرماتے ہیں کہ یہ مبتداء ہوگی اور بعدوالا جملہ بتاویل مفرد ہوکراس کے لئے خبر بنے گی جیسے ﴿قل هو اللّٰہ أحد﴾ کی ترکیب ملاحظہ ہو:

قل فعل أمر،أنتَ ضمیر مرفوع متصل اس کا فاعل،فعل اپنے ضمیر فاعل سے مل کرقول،هو ضمیر شان مبتداء اول مفسَّر،اللہ اسم جلیل مبتداء ثانی،أحدٌاس کی خبر،مبتداءخبرمل کر بتاویل مفرد ہوکر مبتداءاول کے لئے خبراور تفسیر،مبتداءاپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ بنا،وقس علیہ إعرابَ ضمیر القصة، أي: إنها زینب عالمةٌ۔

درس (۶)

ضمیر شان وقصہ کی ترکیب اور حذف کا بیان

ویکون منفصلا ومتصلا مسترا وبارزا علی حسب العوامل نحو: هو زیدٌ قائم وکان زید قائم وإنه زیدٌ قائمٌ، وحذفه منصوبًا ضعیفٌ إلا مع أن إذا خففت فإنه لازم.

ترجمہ: ضمیر شان اور قصہ،منفصل ہوگی اور متصل مستتر متصل بارز ہوگی عوامل کے مطابق جیسے هو زید قائمٌ، وکان زیدٌ قائمٌ، وإنه زیدٌ قائمٌ، اوراس ضمیر شان کو حذف کرنا منصوب ہونے کی حالت میں ضعیف ہے مگر یہ کہ وہ ان کے ساتھ ہو جب وہ ان مخففہ من المثقلہ ہوپس بیشک لازم ہے ضمیر شان کوحذف کرنا۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) ضمیر شان اور ضمیر قصہ کا حسب عوامل آنا۔

(۲) ضمیر شان وقصہ کے حذف جوازی کی صورت۔

(۳) ضمیر شان وقصہ کے حذف لزومی کی صورت۔

پہلی بات: ضمیر شان اور ضمیر قصہ کا حسب عوامل آنا

ویکون منفصلا ومتصلا مستترًا وبارزًا علی حسب العوامل:
فرماتے ہیں کہ ضمیر قصہ اور ضمیر شان اپنے عامل کے موافق منفصل متصل بارز اور مستتر ہر طرح آسکتے ہیں، مثلاً منفصل آسکتی ہے بشرطیکہ وہ مبتداء ہو؛ کیونکہ ایسی صورت میں اس کا عامل معنوی ہوگا اور عامل معنوی کی صورت میں ضمیر منفصل ہی لائی جاتی ہے جیسے **هو زيدٌ قائمٌ**۔

متصل کی صورت میں بھی آسکتی ہے پھر متصل کی صورت میں مستتر بھی آسکتی ہے بشرطیکہ اس کا عامل فعل ہو جیسے **کان زيدٌ قائمٌ**، یہاں کان فعل ناقص میں ھو ضمیر ہے جو متصل بھی ہے اور مستتر بھی، اور ضمیر بارز بھی آسکتی ہے بشرطیکہ اس سے قبل کوئی عامل ناصب ہو وہ عامل ناصب چاہے حرف ہو جیسے **إنه زيدٌ قائمٌ**، یا فعل ہو جیسے **ظننته زيدٌ قائمٌ**، پہلی مثال میں ھو ضمیر إنَّ حرف مشبہ بالفعل کا اسم ہے جو کہ منصوب ہوتا ہے، اور دوسری میں ظننتُ فعل کے لئے مفعول بہ ہے۔

دوسری بات: ضمیر شان وقصہ کے حذف جوازی کی صورت

وحذفه منصوبًا ضعيفٌ: ضمیر شان وقصہ اگر حالت نصبی میں ہوں تو

فرماتے ہیں کہ ان کا حذف کرنا جائز تو ہے لیکن ضعف کے ساتھ، جواز کی وجہ یہ ہے کہ وہ فضلہ ہوتا ہے اور فضلہ کا حذف کرنا جائز ہوتا ہے۔

اور ضعف کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ فضلہ ہے لیکن پھر بھی اس کے حذف کرنے پر ہمارے پاس کوئی باقاعدہ اور مستقل دلیل نہیں ہوتی، اور دوسری وجہ یہ کہ اس کے حذف کے بعد پتہ نہیں چلے گا کہ یہاں ضمیر شان یا ضمیر قصہ تھی یا نہیں۔

اور اگر یہی ضمیر حالت رفعی میں ہو تو پھر اس کا حذف کرنا ناجائز ہوگا کیونکہ اس وقت یہ عمدہ ہوگی اور عمدہ کا کلام سے حذف کرنا ناجائز ہوتا ہے۔

تیسری بات: ضمیر شان وقصہ کے حذف لزومی کی صورت

إلا مع أن إذا خففت فإنه لازمٌ: یہ ماقبل کے کلام سے مستثنیٰ مفرغ کی ایک صورت ہے جس کی پوری عبارت یہ بنے گی وحذفه منصوبًا ضعيفٌ مع كل عامل إلا مع أنَّ المفتوحة إذا خففت یعنی ضمیر شان اور ضمیر قصہ کسی بھی عامل ناصب کے ذریعے منصوب ہو تو اس کا حذف کرنا جائز مع الضعف ہے مگر جب اَن مخففہ من المثقلہ کے ذریعے منصوب ہو تو اس وقت اس کا حذف کرنا واجب ہوگا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اَنَّ اور اِنَّ دونوں کی لفظا ومعنا وعملا ووضعًا مشابہت ہے فعل کے ساتھ، لیکن اَنَّ کی مشابہت بنسبت اِنَّ کے زیادہ ہے، لیکن اس کے باوجود اِن مخففہ من المثقلہ کا عمل تو ثابت ہے مثلا ارشاد باری تعالی ہے ﴿وإن كلا لما ليوفينهم﴾ لیکن اس کے مقابلے میں اَن مخففہ کے عمل کی کوئی مثال نہیں ملتی مثلا ﴿وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين﴾ میں دیکھئے اَن مخففہ کا کوئی

اسم نظر نہیں آرہا، لہذا ضرور ماننا پڑے گا کہ یہاں اس کا اسم ھو ضمیر تھا جس میں اس نے عمل کیا تھا پھر اس کو حذف کردیا گیا ہے، یا ماننا اس لئے ضروری ہے کہ نہ ماننے کی صورت میں اِن مخففہ کا اُن مخففہ پر افضیلت ثابت ہوگی حالانکہ یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اَنَّ کی مشابہت فعل کے ساتھ زیادہ قوی ہے بمقابلہ اِنَّ کے، اور اس کے باوجود اِنَّ کا مخفف اِن تو عمل کرسکتا ہو اور اَنَّ کا مخفف عمل نہ کررہا ہو، ﴿إن هــذا لشيء عجابٌ﴾۔

اب صاحب کافیہؒ کی عبارت کو پھر ایک نظر دیکھئے وحـذفـه منـصـوبـا ...فـإنــه لازمٌ یعنی ضمیر شان یا ضمیر قصہ اگر حالت نصبی میں ہو تو اس کا حذف کرنا اگرچہ جائز تو ہے لیکن ضعیف ضرور ہے، ہاں ایک صورت میں اس کا حذف کرنا صرف جائز نہیں بلکہ لازم ہے اور اس کا حذف کرنا بغیر کسی ضعف کے ہوگا، وہ صورت یہ ہے کہ اَنَّ کو مخفف بنا کر جب اُن بنایا جائے۔

درس (۷)

اسماء اشارات کا بیان

أسـمـاء الإشـارة: مـا وضـع لـمشـار إليه وهي: ذا للمذكر، ولمثناه ذان وذين، وللمؤنث تا وذي وتي ته وذه وتهي وذهي، ولمثناه تـان وتيـن، ولـجـمـعهـمـا أولاء مـدًا وقصرًا، ويلحقها حرف التنبيه، ويتصل بها حرف الخطاب، وهي خمسةٌ في خمسة، فيكون خمسة

وعشرين، وهي ذاك إلى ذاكن، وذانك إلى ذانكنّ، وكذلك البواقي، ويقال: ذا للقريب وذلك للبعيد وذاك للمتوسط وتلك وتانك وذانك مشددتين، وأولئك مثل ذلك، وأما ثم وهنا وهنا فللمكان خاصة.

ترجمہ: اسم اشارہ وہ ہے جو وضع کیا گیا ہو مشار الیہ کے لئے، اور وہ یہ ہیں ذا (واحد) مذکر کے لے اور تثنیہ مذکر کے لئے ذان اور ذین، اور مؤنث کے لئے تا ذی اور تی اور تہ اور تھي اور ذھی، اور تثنیہ کے لئے تان وتین، اور ان دونوں (مذکر اور مؤنث) کی جمع کے لئے أولاء مد اور (اولی) قصر کے ساتھ آتا ہے، اور اس اسم اشارہ کے ساتھ لاحق ہوتا ہے حرف تنبیہ اور متصل ہوتا ہے اس کے ساتھ حرف خطاب، اور حروف خطاب پانچ ہیں، پانچ کو پانچ میں ضرب دینے سے پچیس ہو جاینگے، اور وہ ذاک سے ذاکن اور ذانک سے ذانکن تک، اسی طرح باقی، اور کہا جاتا ہے کہ ذا قریب کے لئے اور ذالک بعید کے لئے اور ذاک متوسط کے لئے، اور تلک اور تانک اور ذانک اس حال میں کہ دونوں مشدد ہوں اور أولائک (اور یہ چاروں کلمیں) ذلک کی طرح ہیں (بعید کا فائدہ دینے میں) اور بہرحال ثم اور هُنا اور هنّا یہ خاص طور پر مکان کے لئے ہیں۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) اسماء اشارات کی تعریف۔

(۲) اسماء اشارات اور اس کی تقسیم۔

(۳) اسماء اشارات کے ساتھ حرف تنبیہ کا دخول اور حرف خطاب کا الحاق۔

پہلی بات: اسماء اشارات کی تعریف

صاحب کافیہ مبنی غیر اصل کی قسمیں بیان فرما رہے ہیں ان میں سے پہلی قسم مضمرات پوری تفصیل کے ساتھ گذر گئی، اب دوسری قسم اسماء اشارات کو بیان فرما رہے ہیں۔

أسماء الإشارة ما وضع لمشارٍ إليه: یعنی اسماء اشارات وہ اسماء ہیں جن کو باقاعدہ حسی طور پر نظر آنے والی مشار الیہ کے لئے وضع کئے گئے ہوں، ضمائر میں بھی اگرچہ مشار الیہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ اسم اشارہ کا مشار الیہ خارج میں حسی طور پر نظر آرہا ہوتا ہے اور ضمائر کا مشار الیہ اور مرجع خارج میں نظر نہیں آتا صرف ذہن میں ہوتا ہے، جس طرح ماقبل مضمرات میں یہ بات گذری تھی کہ مبنی اصل کل تین چیزیں ہیں ان کے علاوہ باقی سب مشابہ مبنی الاصل ہیں تو جس طرح مضمرات میں بتایا گیا کہ اس کی مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت افتقاری ہے بالکل اسی طرح اسماء اشارات میں بھی مشابہت افتقاری ہے یعنی جس طرح حروف کا پورا معنی بغیر ضم ضمیمہ کے نہیں ہوتا اسی طرح اسماء اشارات کا معنی بھی بغیر مشار الیہ کے پورا نہیں ہوسکتا۔

دوسری بات: اسماء اشارات اور اس کی تقسیم

وهي ذا للمذكر ولمثناه ذان وذَين وللمؤنث تا وذي وتي.... إلى مدا وقصرا: صاحب کافیہؒ نے عبارت مذکورہ میں اسماء اشارات کو پانچ طرح کے مشار الیہ میں تقسیم فرمایا، چنانچہ فرماتے ہیں کہ ذا واحد مذکر کے لئے

استعمال ہوتا ہے اور تثنیہ مذکر کے لئے حالت رفعی میں ذان اور حالت نصبی وجری میں ذَین اور واحدہ مؤنثہ کے لئے تا، ذي، تي، ته، ذه، تهي اور ذهي استعمال ہوتے ہیں، اور تثنیہ مؤنث کے لئے حالت رفعی میں تـانِ اور حالت نصبی اور جری میں تینِ استعمال ہوتا ہے۔

ولجمعهما أولاء مدا وقصرا: فرماتے ہیں کہ جمع مذکر اور جمع مؤنث دونوں کے لئے أولاء مد کے ساتھ بھی اور أولـى بغیر مد دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں، یہ پانچ قسمیں جو گذر گئی ان سب میں مشار الیہ چاہے ذوی العقول میں سے ہو یا غیر ذوی العقول میں سے سب کے سب کے لئے یہ استعمال ہوتے ہیں جیسے هـذا طالبٌ اور هذا قلمٌ، اسی طرح هذان أستاذان وهذان كتابان وغیرہ۔

فائدہ: واحدہ مؤنثہ کے لئے اسم اشارہ کی صاحب کافیہؒ نے مختلف اسماء ذکر فرمائے ہیں ان سب میں اصل تاء ہے باقی سارے اسماء اسی میں تغیر وتبدل کر کے بنائے گئے ہیں مثلاً:

(۱) تا کے الف کو یاء سے بدل دیا تو تِي ہو گیا۔

(۲) تا کے الف کو ہا اور تا کے زبر کو زیر سے بدلا گیا تو تِه ہو گیا۔

(۳) تا کے الف کو ہا سے بدل کر آخر میں یاء لگادی تو تهي ہو گیا۔

(۴) تا کے الف کو یاء اور خود تاء کو ذال سے بدل دیا تو ذي ہو گیا۔

(۵) تا کے الف کو ہاء اور خود تاء کو ذال سے بدل دیا تو ذِه ہو گیا۔

(۶) تا کے الف کو ہاء اور خود تاء کو ذال سے بدل دیا اور آخر میں یاء لگا دیا تو ذِهـي ہو گیا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں اشکال ہوسکتا ہے کہ جناب عالی! ہم نے مبنی کی تعریف پڑھی تھی کہ **لا یختلف آخرہ بدخول العوامل المختلفة علیه**، اور اسماء اشارات مبنی ہونے کے باوجود حالت رفعی ونصبی میں مختلف ہورہے ہیں؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی بات بالکل صحیح ہے لیکن یہاں جو تبدیلی آگئی ہے یہ عوامل کے بدلنے کی وجہ سے نہیں آئی بلکہ شروع ہی سے واضع نے حالت رفعی کے لئے ھذان اور حالت نصبی اور جری کے لئے ھذین وضع کرلئے تھے، لہذا یہ تبدیلی واضع کی وضع کی وجہ سے ہے نہ کہ عوامل کے بدلنے کی وجہ سے۔

تیسری بات: اسماء اشارات کے ساتھ حرف تنبیہ اور حرف خطاب

ویلحقها حرف التنبیه ویتصل بها حرف الخطاب: یہاں سے ایک قاعدہ بیان فرمارہے ہیں کہ اسماء اشارات کے شروع میں یا تو ہاء برائے تنبیہ لگائی جاتی ہے جس کے ذریعے سے پہلے مخاطب کو متنبہ کردیا جاتا ہے، پھر اس کے بعد اسم اشارہ کے ذریعہ اشارہ کر کے اس کو مشار الیہ دکھایا جاتا ہے، جیسے میں نے محمد کو کتاب دکھانی ہو تو سب سے پہلے ہا حرف تنبیہ کے ذریعہ محمد کو اپنی طرف متوجہ کروں گا کہ دیکھو بھائی محمد! پھر ذا اسم اشارہ کے ذریعہ کتاب کی طرف اشارہ کر کے اس کو دکھاوں گا کہ دیکھو یہ کتاب ہے۔

ویتصل بها حرف الخطاب: فرماتے ہیں اسماء اشارات کے شروع میں یا تو ھـــاء برائے تنبیہ لگائی جاتی ہے یا اس کے آخر میں مخاطب کی تعداد اور تذکیر

وتانیث کے موافق حرف خطاب لگایا جاتا ہے، جیسے ذاک، ذاکما، ذاکم وغیرہ۔

وهي خمسة في خمسة فيكون خمسة وعشرين: اور وہ حروف خطاب کل پانچ ہیں: واحد مذکر کے لئے کَ، واحدہ مؤنثہ کے لئے کِ، تثنیہ مذکر ومؤنث کے لئے کما، جمع مذکر کے لئے کم اور جمع مؤنث کے لئے کنَّ، اور اسماء اشارات بھی پانچ قسم کے ہیں جیسا کہ ماقبل میں گذر گئے، تو پانچ کو پانچ میں ضرب دینے سے کل پچیس قسمیں بنتی ہیں۔

وهي ذاکَ إلى ذاكنَّ: یہ پچیس قسموں کی تفصیل بتا رہے ہیں کہ ذاک سے لے کر ذاکنَّ تک پانچ قسمیں ہو گئیں یعنی ذاک، ذاکما، ذاکم، ذاکِ، ذاکما، ذاکنَّ، وذانک إلى ذانکنَّ اور پانچ قسمیں مشارالیہ کی تثنیہ میں ہیں یعنی ذانک، ذانکما، ذانکم، ذانکِ، ذانکنَّ، وکذلک البواقي، ان سب کو ایک نقشہ کی مدد سے سمجھ لیجئے۔ (تقریر کافیہ ۲/۲۲)

ويقال ذا للقريب وذلک للبعيد: آپ حضرات نے "الطريقة العصرية" میں پڑھا ہوگا کہ ہذا اور ہذہ اسماء اشارہ قریب کے لئے آتے ہیں جیسے هذا كتابٌ وهذه مسطرةٌ، اور ذاک اور تلک درمیانی مسافت والے مشار الیہ کے لئے آتے ہیں جیسے ذاک أستاذٌ وتلک مدرسةٌ، اور ذلک تلک تانک ذانک اور أولئک سب مشارالیہ بعید کے لئے استعمال ہوتے ہیں جیسے ذلک طالبٌ وتلک أمٌّ، وتانک طالبتان، وذانک تلميذان، وأولئک أطفالٌ.

وأما ثم وهُنا وهِنًّا وهَنًّا فللمكان خاصة: فرماتے ہیں کہ ثم هُنا اور هَنًّا یاهِنًّا یہ تینوں بھی اسماء اشارات ہیں لیکن عام اسماء اشارات کی طرح یہ استعمال نہیں ہوتے بلکہ مشار الیہ مکان یعنی کوئی جگہ ہوتو اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہ تینوں خاص طور پر استعمال ہوتے ہیں، اور پھر اس کے آخر میں بھی ک حرف خطاب لگایا جاتا ہے جیسے ہم کہتے ہیں هناک المسجد وغیرہ۔

هُنا میں فرماتے ہیں کہ تین طرح سے استعمال کیا جاتا ہے، هُنا، هَنًّا اور هِنًّا، لیکن آخری دو میں سے هَنًّا کلام عرب میں کثیر الاستعمال ہے۔

درس (۸)

مبنی غیر اصل کی تیسری قسم اسماء موصولہ کا بیان

الموصول: ما لايتم جزءً ا إلا بصلة وعائد، وصلته جملةٌ خبريةٌ والعائد ضميرٌ له، وصلة الألف واللام اسم الفاعل أو المفعول، وهي: الذي والتي واللذان واللتان بالألف والياء، والأولى والذين واللائي واللاء واللاي واللاتي واللواتي ومن وما وأي وأية وذو الطائية وذا بعد ما للاستفهام والألف واللام.

ترجمه: موصول وہ اسم ہے جو جزء تام نہیں بنتا مگر صلہ اور عائد کے ساتھ، اور اس کا صلہ جملہ خبریہ ہوتا ہے، اور عائد ضمیر ہوتی ہے اس (موصول) کے لئے، اور الف لام کا صلہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہوتا ہے اور وہ (اسم موصول) یہ ہیں الذي التي

الذان، اور اللتان الف اور یا کے ساتھ، اور الأولی اور الذین اور اللائي اور اللاي اور اللاتي اور اللواتي اور من اور ما اور أيٌّ اور أية اور ذو قبیلہ طے کی لغت میں، اور ذا جو ما استفہامیہ کے بعد ہو (موصول ہوتا ہے) اور الف لام (اسم فاعل اور اسم مفعول کے شروع میں ہو وہ بھی موصول ہوتا ہے)۔

تشریح: آج کے درس میں دو باتیں ہیں:

(۱) اسم موصول کی تعریف اور مبنی اصل کے ساتھ اس کی مشابہت۔

(۲) اسماء موصولہ کی تحقیق وتقسیم مع امثلہ۔

پہلی بات: اسم موصول کی تعریف اور مبنی اصل کے ساتھ مشابہت

الموصول ما لا يتم جزء إلا بصلة وعائدٍ: موصول وصل يصل باب ضرب يضرب سے اسم مفعول ثلاثی مجرد مثال واوی کا واحد مذکر کا صیغہ ہے، اس کا مصدری معنی ہے ملانا اور جوڑنا، تو موصول کا معنی ہوگا جوڑا ہوا اور ملایا ہوا، اور اسم موصول کا معنی ہوگا وہ اسم جو ملایا ہوا اور جوڑا ہوا ہو، اسم موصول چونکہ صلہ کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے اس لئے اس کو اسم موصول کہتے ہیں۔

اور اصطلاحی معنی خود صاحب کافیہؒ بیان فرما رہے ہیں کہ ما لا يتم جزء إلا بصلة وعائدٍ یعنی اسم موصول وہ اسم ہے جو کسی جملے کا اس وقت تک مکمل جزء نہیں بن سکتا جب تک اس کے ساتھ صلہ اور عائد نہ ہو، مکمل جزء نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نہ مسند بن سکتا ہو اور نہ مسند الیہ، جیسے جاء الذي اس کے ساتھ جب تک صلہ نہیں ہوگا اس وقت تک صرف الذي ترکیب میں کچھ نہیں بن سکتا۔

عائد کا مطلب یہ ہے کہ موصول کے بعد جب صلہ جملہ کی صورت میں آئے گا تو اس میں ایک ضمیرِ عائد کا ہونا ضروری ہے جو اسی اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہو، اور یہ اس لئے ضروری ہے کہ وہ جو صلہ بن رہا ہے وہ مکمل جملہ ہے اور جملہ کلام مستقل ہوتا ہے، اپنے ماقبل یا مابعد کا محتاج نہیں ہوتا، تو اس خطرہ سے بچنے کے لئے کہ اس کو کوئی بالکل الگ ہی کلام نہ سمجھے، ہم نے یہ شرط لگا دی کہ اس جملہ میں اسم موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر کا ہونا ضروری ہے، تاکہ اس کا اس کے ساتھ باقاعدہ ربط اور تعلق باقی رہے۔

اسماء موصولہ میں مبنی اصل کے ساتھ مشابہت احتیاج میں ہے، یعنی جس طرح حروف بغیر ضم ضمیمہ کے اپنا پورا معنی نہیں دے سکتے ایسا ہی اسماء موصولہ بھی اپنے صلہ کے بغیر اپنا پورا معنی نہیں دے سکتے۔

وصلته جملةٌ خبريةٌ: ان کے صلہ کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ وہ جملہ خبریہ کی صورت میں ہوگا چاہے جملہ اسمیہ ہو جیسے جاء الذی أبوه قائمٌ، اور چاہے جملہ فعلیہ ہو جیسے جاء الذی قائمٌ أبوه ، لیکن جملہ انشائیہ صلہ نہیں بن سکتا، کیونکہ صلہ کا موصول کے ساتھ ربط اور تعلق ہوتا ہے، اور جملہ انشائیہ ربط اور تعلق کو قبول نہیں کرتا۔

والعائد ضميرٌ له: صلہ کی تعیین کے بعد کہہ رہے ہیں کہ اگرچہ عائد کی اور بھی شکلیں اور صورتیں موجود ہیں، لیکن ان میں یہاں صرف ضمیر مراد ہے جو ماقبل اسم موصول کی طرف لوٹے گی جیسے جاء الذي أبوه قائمٍ میں أبوه کی ضمیر الذي کی طرف لوٹ رہی ہے۔

وصلة الألف واللام اسم الفاعل والمفعول: یہ تو آپ بخوبی جانتے ہیں کہ اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں کے شروع میں جو الف لام ہوتا ہے وہ بمعنی الذی اسم موصول کے ہوتا ہے، لہذا جب وہ موصول بنے گا تو اپنے لئے صلہ کا مطالبہ بھی کرے گا تو اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ ایسے الف لام کا صلہ خود اسم فاعل اور اسم مفعول کے وہی صیغے ہونگے جو الف لام کے مدخول بن چکے ہیں۔

اسم فاعل اور اسم مفعول کو اس کے لئے صلہ ٹھہرانے کی وجہ یہ ہے کہ ایسے الف لام کی دو جہتیں ہوتیں ہیں:

(۱) صورت کے اعتبار سے اس کی مشابہت ہے لام تعریف حرفی کے ساتھ۔

(۲) یہ حقیقت میں اسم ہوتا ہے لہذا اس کا صلہ بھی ایسا ہونا چاہئے کہ لفظ اور صورت کے اعتبار سے تو مفرد ہو لیکن اپنی حقیقت اور معنی کے اعتبار سے جملہ ہو، تو یہ بھی ذو جہتین ہوگا اور وہ بھی ذو جہتین ہے، تو موصول اور صلہ میں اس اعتبار سے مطابقت ہوگی۔

دوسری بات: اسماء موصولہ کی تحقیق وتقسیم بمع امثلہ

الذي والتي واللذان واللتان بالألف والياء، والأولى والذين واللاتي واللاء واللاي واللاتي واللواتي: اس عبارت میں صاحب کتاب رحمہ اللہ نے دس اسماء موصولہ ذکر فرمائے ہیں جس کی تحقیق وتقسیم حسب ذیل ہے:

(۱) واحد مذکر کے لئے الذي استعمال ہوتا ہے۔

(۲) واحدہ مؤنثہ کے لئے التي استعمال ہوتا ہے۔

(۳) تثنیہ مذکر کے لئے حالت رفعی میں اللذان اور حالت نصبی وجری میں اللذین استعمال ہوتے ہیں۔

(۴) تثنیہ مؤنث کے لئے حالت رفعی میں اللتان اور حالت نصبی وجری میں اللتین استعمال ہوتے ہیں۔

(۵) الذین الأُلی بروزن العُلی جمع مذکر کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

(٦) اللائي، اللاء، اللاي اور اللاتي اور اللواتي یہ پانچوں جمع مؤنث کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

ومن وما وأي وأية وذو الطائية وذا بعد ما للاستفهام والألف واللام: اس عبارت میں سات اسماء موصولہ بیان فرمائے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) مَن اصلا ذوی العقول کے لئے ہے لیکن تبعا غیر ذوی العقول کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۲) ما اصلا غیر ذوی العقول کے لئے ہے لیکن تبعا ذوی العقول کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، اور یہ دونوں چاہے اپنے اصلی اور حقیقی معنی میں ہوں یا تبعی اور مجازی معنی میں ہر صورت میں یہ مفرد تثنیہ اور جمع سب کے لئے یکساں استعمال ہوتے ہیں۔

(۳) أيٌّ یہ الذي کے معنی میں ہے اور مفرد مذکر کے لئے استعمال ہوتا ہے پھر مفرد تثنیہ اور جمع وغیرہ کے اعتبار سے اس کے آخر میں مناسب ضمیر لگائی جائے گی

جیسے مفرد مذکر کے لئے أيٌّ، تثنیہ مذکر أیھما اور جمع مذکر کے لئے أیھم استعمال ہوتے ہیں۔

(۴) أيةٌ یہ التي کے معنی میں ہے اور مفرد مؤنث کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے اضرب أيَّتهنَّ في الدار، أي: التي في الدار.

(۵) وذو الطائية: فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنو طے والے ذو کو بھی الذي کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، دلیل ان کی سنان بن الفحل یا عبدالمطلب صاحب کا ایک شعر ہے جو آپ حضرات نے ہدایۃ النحو میں پڑھا ہوگا۔

فإنَّ الماء ماء أبي وجدّي

وبئري ذو حفرتُ وذو طويتُ

یہ ایک کنواں تھا جس کے پانی پر لوگ جھگڑتے رہتے تھے تو شاعر نے آکر کہا کہ یقیناً یہ متنازع فیہ پانی تو میرے باپ اور دادا کا پانی ہے اور (اسی طرح) میرا وہ کنواں جس کو میں نے کھودا اور میں نے اس کی منڈیر بنائی تھی۔

دیکھئے مذکورہ شعر میں ذو حفرتُ وذو طويتُ، الذي حفرتُ اور الذي طويتُ کے معنی میں ہے۔

فائدہ: ذو دراصل دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ایک بمعنی صاحب، اور دوسرا بمعنی الذي، یہ اسم موصول ہے جو کہ مبنی ہے تو صاحب کتاب نے جو وذو الطائية فرمایا ہیں اس کا مقصد یہی ذو بمعنی الذي والا ہے۔

(۶) وذا بعد ما للاستفهام: یعنی وہ ذا جو ما استفہامیہ کے بعد ہو وہ بھی بمعنی الذي اسم موصول کے ہوتا ہے جیسے ماذا فعلتَ؟، یا ماذا قلت؟، أي:

مالذي قلتَه؟۔

(۷) والألف والـلام: فرماتے ہیں کہ وہ الف اور لام جو اسم فاعل یا اسم مفعول پر داخل ہوں وہ بھی بمعنی الذی کے ہوتا ہے جو اسم موصول ہوگا، اور خود اسم فاعل اور اسم مفعول اپنے ضمیر فاعل اور نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر اس کے لئے صلہ بنے گا۔

اگر اسم فاعل اور اسم مفعول واحد مذکر کے صیغے ہوں تو الف لام بمعنی الـــذي ہوگا اور تثنیہ کے ہوں تو بمعنی الـــــــذان ہوگا، اور جمع کے ہوں تو بمعنی الذين ہوگا، مفرد مؤنث کے ہوں تو بمعنی التي کے ہوگا غرض جیسا صیغہ ہوگا تو الف لام اسی کے مناسب اسم موصول کے معنی میں لیا جائے گا، جیسے جاء ني الـضـارب زيدًا، أي: جاء الـذي ضـرب زيـدًا، اور جـاء ني المضروب غلامُه، أي: جاء ني الذي يُضربُ غلامُه۔

درس (۹)

اسم موصول کی متعلق چند اہم مسائل

والعائد المفعول يجوز حذفه، وإذا أخبرت بـالذي صدرتها وجعلت موضع المخبر عنه ضميرا لها وأخرته خبرا عنه فإذا أخبرت عـن زيـدٍ مـن (ضربتَ زيدا) قلت: الذي ضربته زيدٌ وكذلك الألف والـلام في الجملة الفعلية خاصةً؛ ليصح بناء اسم الفاعل أو المفعول،

فإن تعذر أمرٌ منها تعذَّر الأخبار، ومن ثم امتنع في ضمير الشأن والموصوف والصفة والمصدر العامل والحال والضَّمير المستحق لغيرها والاسم المشتمل عليه.

ترجمہ: اور ضمیر (جو صلہ میں موصول کی طرف لوٹتی ہے) جب کہ وہ مفعول واقع ہوا سے حذف کرنا جائز ہے، اور جب تو خبر دے (کسی کے جزء سے) الذي کے ذریعے، تو الذي کو جملہ ثانیہ کے شروع میں لا، اور رکھو تم مخبر عنہ کی جگہ ایک ضمیر اس کی طرف (جو الذي کی طرف عائد ہو) مخبر عنہ کو اپنی جگہ سے مؤخر کردے، اس حال میں کہ وہ (الذی) کی خبر ہو، اور جب تو (الذي کے ذریعے) زید کے بارے میں خبر دے جو کہ ضربت زیدا میں ہے تو یوں کہو الذي ضربته زيدٌ، اور ایسے ہی (الذي کی خبر دینے کی طرح ہے) الف لام جو خاص کر کے جملہ فعلیہ میں واقع ہوتا کہ صحیح ہو اسم فاعل یا اسم مفعول کی بناء، اگر متعذر رہوان (شرطوں میں سے) میں سے کوئی شرط تو متعذر ہوگا خبر دینا، اسی وجہ سے ممتنع ہے ضمیر شان میں اور موصوف صفت میں، اور مصدر عامل سے، اور حال سے بھی، اور اس ضمیر سے بھی جو اس (الذي) کے غیر کی طرف راجع ہے (الذي کے ذریعے خبر دینا ممتنع ہے) اور وہ اسم جو اس (ضمیر) پر مشتمل ہو اس کی االذي کے ذریعے خبر دینا صحیح نہیں۔

تشریح: آج کے درس میں اسم مفعول کے متعلق چند اہم مسائل کا ذکر فرمائیں گے۔

پہلا مسئلہ مفعول کے صلہ کو حذف کرنا

والعائد المفعول يجوز حذفه: یہاں سے صاحب کافیہؒ اسم موصول

کے متعلق چند اہم مسائل ذکر فرما رہے ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ صلہ میں عائد کی جو ضمیر ہوتی ہے وہ یا تو فاعل کی ہوتی ہے یا مفعول کی، اگر مفعول کی ہو تو اس کے متعلق فرما رہے ہیں کہ اس کا حذف کرنا جائز ہے؛ کیونکہ مفعول کلام میں ایک فضلہ اور زائد چیز ہوتی ہے، اور زائد چیز کو حذف کرنا جائز ہوتا ہے، جیسے فرمان باری تعالی ہے ﴿الله یبسط الرزق لمن یشاء﴾ یہ اصل میں لمن یشاء ہ تھا، مَن اس میں اسم موصول ہے اور یشاء ہ میں ھو ضمیر مفعول اس کا صلہ ہے لہذا اس کو جوازی طور پر حذف کر کے ﴿لمن یشاء﴾ پڑھا جاتا ہے، اسی طرح جاء الذي ضربته سے بھی ہو ضمیر کو حذف کر کے جاء الذي ضربتَ پڑھنا جائز ہے، نیز ماقبل شعر میں ذو حفرتُ وذو طویتُ اصل میں ذو حفرته وذو طویته تھا، یہی قاعدہ جاری ہوا تو ذوحفرت وذو طویت بن گیا۔

دوسرا مسئلہ: اخبار بالذي کا بیان

وإذا أخبرتَ بالذي صدرتها: یہاں سے اخبار بالذي کا مسئلہ بیان فرما رہے ہیں لیکن پہلے یہ سمجھ لو کہ "اخبار بالذي" کا مطلب کیا ہے؟ تو میرے عزیز! اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو مخاطب کے کلام میں کچھ حجاب اور شک وشبہ محسوس ہو رہا ہو پھر اس کو دور کرنے کے لئے یہی خبر لائی جائے، مثلا کوئی کہے الذي ضربته یعنی وہ جس کو میں نے مارا، تو سامع کی سمجھ میں پوری بات نہیں آئی بلکہ حجاب سا رہا کہ کس کو مارا ہوگا؟ تو متکلم نے کہا زیدٌ، یعنی وہ جس کو میں نے مارا وہ زید ہے۔

جب کسی جملہ کے جزء سے الذي کے ذریعے خبر دینی ہو تو اس کو مخبر بہ کہتے

ہیں ایسے مخبر بہ کے لئے صاحب کافیہؒ نے تین شرطیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) **وإذا أخبرتَ بالذي صدرتها:** یعنی اگر الذي کے ذریعے جملہ اولی کے جزء کی خبر دینے کا ارادہ ہو تو الذي کو اس کے شروع میں لاؤ۔

(۲) **وجعلتَ موضع المخبر عنه ضميرًا لها:** اور مخبر عنہ کی جگہ ایک ضمیر لاکر الذي کی طرف لوٹے گی۔

(۳) **وأخرته خبرًا عنه:** تیسری شرط یہ بتارہے ہیں کہ خود مخبر عنہ کو خبر بنا کر اس کو ضمیر عائد سے مؤخر کرو، اس کی مثال دیتے ہوئے صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ **فإذا أخبرتَ عن زيد من ضربت زيدًا، قلت: الذي ضربته زيدٌ** یعنی **ضربت زيدًا** میں زیدًا کو خبر بنانا ہو تو **الذي ضربته زيدٌ** کہیں گے، اس میں **الذي ضربته** موصول اور صلہ مل کر مبتداء بنیں گے اور زیدٌ اس کی خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوگا۔

وكذلك الألف واللام في الجملة الفعلية خاصةً: فرماتے ہیں کہ ماقبل والی صورت کی طرح الف لام کے ذریعے بھی کسی اسم کو خبر بنایا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اس میں تین باتیں پائی جائیں:

(۱) **في الجملة الفعلية خاصَّةً:** وہ اسم جس کا الف لام بمعنی الذی کے ذریعہ خبر بنانا مقصود ہو وہ اسم جملہ فعلیہ میں واقع ہو، جملہ اسمیہ میں نہ ہو جیسے **ضربَ زيدٌ**۔

(۲) **الفعلية** کے نیچے ناکت صاحب نے لکھا ہے **المتصرفة:** یعنی جملہ فعلیہ کے شروع میں جو فعل ہے وہ افعال متصرفہ میں سے ہو جیسے مثال مذکور **ضربَ**

زیدٌ میں ہے۔

(۳) لیصحّ بناء اسم الفاعل والمفعول: یعنی وہ فعل متصرف بھی ایسا ہو جس سے اسم فاعل اور اسم مفعول بنائے جاسکتے ہو جیسے اسی مثال میں ضربَ ہے، اس میں زیدٌ کو الف لام موصول کے ذریعے خبر بنانا صحیح ہوگا کیونکہ الف لام کا صلہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہوتا ہے جو فعل سے ہی بنایا جاتا ہے لہذا ضربَ زیدٌ جو ترکیب میں فعل وفاعل مل کر جملہ فعلیہ ہے، اس کو الف لام کے ذریعے مبتداء خبر بنایا جاسکتا ہے جسے الضارب ھو زیدٌ، اس میں الف لام بمعنی الذي اسم موصول ضاربٌ صیغہ اسم فاعل، ھو ضمیر اس کا فاعل ہے اسم فاعل اپنے ضمیر فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر موصول کے لئے صلہ ہوا، موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتداء، زیدٌ اس کی خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

قاعدہ مذکورہ پر تفریعات

فإن تعذّر أمر منها تعذر الإخبار: فرماتے ہیں کہ اس قاعدہ کی شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی اگر نہ پائی جائے تو پھر اس جملہ میں موجودہ اسم کو الذي کے ذریعے خبر نہیں بنایا جاسکتا مثلاً۔

(۱) ومن ثم امتنع في ضمير الشان: یعنی یہی وجہ ہے کہ جس جملہ میں ضمیر شان ہو اس میں موجودہ اسم کو الذي کے ذریعہ خبر نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ ہم نے پہلی شرط پڑھی تھی کہ وإذا أخبرت بالذي صدرتها یعنی الذي کو

صدارت کلام میں لائیں گے، جبکہ دوسری طرف ضمیر شان بھی صدارت کلام چاہتا ہے تو دونوں میں سے کسی کو بھی مقدم کریں گے تو دوسرے کی صدارت کلام فوت ہو جائیگی۔

(۲) والموصوف والصفة: دیکھو بھائی! عبارتِ کتاب کو، اس میں الموصوف کے نیچے لکھا ہوا ہے بدون الصفة، اور الصفة کے نیچے لکھا ہوا ہے بدون الموصوف، تو مطلب یہ ہوا کہ الذي کے ذریعے صرف موصوف کو صفت کے بغیر اور صرف صفت کو موصوف کے بغیر خبر نہیں بنایا جا سکتا، جیسے ضربتُ زیدًا العاقل، اس میں العاقل کے بغیر اگر زیدٌ کو خبر بنائیں گے تو عبارت یہ بنے گی الذي ضربته العاقلَ زیدٌ، تو ضمیر کا موصوف بننا لازم آئے گا جو کہ باطل ہے کیونکہ ضمیر نہ تو صفت بن سکتی ہے اور نہ موصوف، اس کے برعکس اگر موصوف کے بغیر صرف صفت کو خبر بنائیں گے مثلاً الذي ضربتَ زیدًا إیاه عاقلٌ، تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں ضمیر کا صفت بننا لازم آئے گا حالانکہ یہ بات ابھی ثابت ہوگئی کہ دونوں میں سے کسی ایک کو چھوڑ کر دوسرے کے ذریعے سے خبر دینا صحیح نہیں ہے، ہاں اگر دونوں کو ملا کر خبر بنائیں گے تو صحیح ہوگی جیسے الذي ضربته زیدٌ العاقلُ۔

(۳) والمصدر العامل: تیسری چیز جس سے خبر دینا صحیح نہیں ہے وہ مصدر عامل ہے، یعنی کوئی مصدر اپنے معمول میں عمل کر رہا ہو تو اس کو اپنے معمول کے بغیر الذي کے لئے خبر بنانا صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ مصدر اپنے معمول پر ہمیشہ

کے لئے مقدم ہوا کرتا ہے، لیکن اگر اس کو خبر بنائیں گے تو اس کا مؤخر ہونا لازم آئے گا، اور یہ چونکہ ایک ضعیف قسم کا عامل ہے جو اپنے مابعد میں تو عمل کرسکتا ہے لیکن اپنے ماقبل میں نہیں کرسکتا جیسے **عجبت من دق القصار الثوب** میں عمل کررہا ہے اور اس پر مقدم ہے لیکن اگر اس کو الذي کے لئے خبر بنادی جائیں اور یوں کہا جائے **الذي عجبتُ منه الثوبَ دقُّ القصار**، تو یہ صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ ایک تو اس میں مذکورہ خرابی لازم آئیگی اور دوسری خرابی یہ ہوگی کہ مصدر کے بجائے ضمیر کا عامل بنا لازم آئے گا اور اس کا مصدر کی طرح عمل کرنا لازم آئے گا، حالانکہ ضمیر عامل نہیں ہوسکتا۔

البتہ جہاں مصدر عامل کے ساتھ اس کا معمول بھی ہو اور دونوں کو خبر بنادی جائے تو ایسا کرنا بالکل صحیح ہوگا، کیونکہ ایسی صورت میں مذکورہ خرابیوں میں سے کوئی خرابی لازم نہیں آئیگی، جیسے اگر یوں کہا جائے **الذي عجبت منه دق القصار الثوبَ**، تو بالکل صحیح ہے۔

(۴) **والحال**: فرماتے ہیں کہ حال کو بھی خبر بنانا ناجائز ہے؛ کیونکہ ایسی صورت میں ضمیر حال کی جگہ واقع ہوگی حالانکہ حال نکرہ ہوتی ہے اور ضمیر معرفہ ہوتی ہے لہذا ضمیر اس کی جگہ پر واقع نہیں ہوسکتی، جیسے **ضربت زيدًا قائمًا** سے **الذي ضربت زيدًا إياه قائمًا** کہنا صحیح نہیں ہے۔

(۵) **والضمير المستحق لغيرها**: اسی طرح اس جملے کو بھی الذي کے لئے خبر نہیں بنایا جاسکتا جس میں کوئی ضمیر ہو اور وہ الذي کے علاوہ کسی اور کی طرف لوٹ رہی ہو جیسے **زيدٌ ضربته** ہے اس کو اگر الذي کے لئے خبر بنادیا جائے

اور کہا جائے الـذي زيـدٌ ضـربتـه ،تو یہ صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ اگر اس کو خبر بنائیں گے تو ضـربتـه میں هو ضمیر یا تو الـذي کی طرف لوٹائیں گے تو زيـدٌ مبتداء جو اس کا مستحق ہے وہ محروم رہے گا اور اگر زیـدٌ کی طرف لوٹائیں گے تو الـذي اسم موصول بغیر عائد کے رہے گا، جو کہ صحیح نہیں ہے، فـلأجـل هذا قال: والضمير المستحق لغيرها۔

(٦) والاسـم الـمشـتـمل عليه: فرماتے ہیں کہ وہ اسم جو ایسی ضمیر پر مشتمل ہو جس کا مرجع الذي کے علاوہ کوئی اور اسم ہو تو اس کو بھی الذي کے لئے خبر بنانا صحیح نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس میں بھی وہ خرابی لازم آئیگی جو ماقبل میں گذر گئی، یعنی زیدٌ مبتداء کی طرف راجع کریں گے تو الذي اسم موصول بغیر عائد کے رہ جائے گا اور اگر اسی اسم موصول کی طرف راجع کریں گے تو مبتداء جو مستحق ہے وہ بغیر ضمیر کے رہے گا۔

درس (۱۰)

بعض اسماء موصولہ کا بیان

ومـا الاسـمية مـوصـولةٌ واستفهاميةٌ وشرطيةٌ وموصوفةٌ وتـامةٌ بـمـعـنـىً شيءٍ وصفةٌ، ومَنْ كذلک إلا في التامة والصّفة، وايٌّ وأيةٌ كـمَـنْ وهـي معربةٌ وحدها، إلا إذا حُذف صدرصلتها، وفـي مـاذا صـنـعـت وجهان: أحـدهـما: ما الذي، وجوابه رفعٌ،

والآخر: أي شيءٍ، وجوابه نصبٌ.

ترجمہ: اور ما اسمیہ موصولہ اور استفہامیہ اور شرطیہ اور موصوفہ اور تامہ بمعنی شیءٌ کے اور صفتیہ ہوگا اور من اسی طرح ہے مگر تامہ اور صفتیہ میں اور أي اور أیةٌ مَنْ کی طرح ہے، اور یہ معرب ہے اکیلا مگر جب حذف کر دیا جائے ان کا صدر صلہ اور ماذا صنعت میں دو صورتیں ہیں ان میں سے ایک یہ (ما استفہامیہ) الذی کے معنی میں، اور اس کا جواب رفع ہے اور دوسرا شیءٌ کے معنی میں اور اس کا جواب نصب ہے۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) ما اسمیہ کے معانی اور مثالیں۔

(۲) مَن اسمیہ کے معانی اور مثالیں۔

(۳) أيٌّ اور أیّةٌ کی تفصیل۔

(۴) ماذا صنعت کی تفصیل۔

پہلی بات: ما اسمیہ کے معانی اور مثالیں

دیکھو بھائی! یہ بات گذر چکی ہے کہ ما اسماء موصولہ میں سے ہیں اور اسماء موصولہ مبنی ہیں اس لئے مصنفؒ نے مناسب سمجھا کہ اس کی کچھ تفصیل طالبان علوم ختم نبوت کے سامنے آجائے، تو اس کے لئے واضح ہو کہ ما کی اولا دو قسمیں ہیں: ما اسمیہ اور ما حرفیہ، پھر ما حرفیہ کی دو قسمیں ہیں ما کافہ اور ما نافیہ، ما کافہ حروف مشبہ بالفعل پر داخل ہوتا ہے جیسے إنما الأعمال بالنیات، اور ما نافیہ کلام میں نفی کا معنی پیدا کرنے

کے لئے آتا ہے جیسے ماغبت من الدرس یومًا، پھر اسمیہ کی چھ قسمیں ہیں جن کو صاحب کافیہ نے بیان فرمایا ہیں اور اگر آپ دیکھیں گے تو ناکت اور محشی علیہما الرحمۃ نے ان سب قسموں کو بقید امثلہ تحریر فرمایا ہیں:

(۱) ما اسمیہ موصولہ: یہ کبھی لایعقل کے لئے آتا ہے جیسے أعجبني ما صنعتَہ، اور ذوی العقول کے لئے بھی آتا ہے لیکن اس وقت یہ مَن کے معنی میں ہوگا جیسے ﴿والسماء وما بناها﴾ أي: والسماء ومَن بناها۔

(۲) ما استفهامیہ: دوسری قسم وہ ما ہے جس میں استفہام کا معنی ہو جیسے ﴿وما تلک بیمینک یا موسی﴾۔

(۳) وشرطیة: تیسری قسم وہ ہے جس میں شرط کا معنی ہو جیسے ما تصنع أصنع۔

(۴) موصوفہ: چوتھی قسم وہ ہے جس میں صفت کا معنی ہو، یعنی مابعد والا اس کے لئے صفت بن رہا ہو، خواہ وہ مفرد ہو یا جملہ جیسے مررت بما معجب لک، أي: بشيء معجب لک۔

(۵) وتامة بمعنی شيء: پانچویں قسم یہ ہے کہ ما تامہ ہو یعنی نہ صلہ کا محتاج ہو نہ صفت کا اور نہ جزاء کا اور شيءٌ کے معنی میں ہو جیسے ﴿إن تبدوا الصدقات فنعماهي﴾ أي: فنعم شيئًا هي۔

(۶) وصفة: چھٹی قسم یہ ہے کہ ما برائے صفت ہو جیسے اضربہ ضربًا مًّا، أي: أيَّ ضربٍ کانَ۔

دوسری بات: مَن اسمیہ کے معانی اور مثالیں

ومن کذلک إلا في التامّة والصفة: ما کی طرح مَن بھی اسماء موصولہ میں سے ہے، اس لئے ما کے معانی کو بیان کرنے کے بعد اب مَن کے معانی بیان کررہے ہیں، تو فرمایا کہ مَن بھی ما کی طرح ہے سوائے اس کے کہ مَن تامہ اور صفت کے لئے نہیں آسکتا، ان کے علاوہ اس کے چار معانی بیان کریں گے۔

(۱) مَن موصولہ ہوگا جیسے أکرمتُ مَن جاءَکَ۔

(۲) مَن موصوفہ ہوگا جیسے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہے

وکفی بنا فضلا علی مَن غیرنا

حب النبي محمّد صلی اللہ علیہ وسلم إیانا

اس میں مَن موصوفہ اور غیرنا مضاف مضاف الیہ مل کر اس کی صفت ہے۔

(۳) مَن شرطیہ ہوگا جیسے من تضرب أضرب۔

(۴) مَن استفہامیہ ہوگا جیسے جیسے مَن غلامک؟۔

ان کے علاوہ مَن تامہ اور صفتیہ نہ تو عرب حضرات کے ہاں کہیں مستعمل ہے اور ان سے کہیں سنا گیا ہے۔

تیسری بات: أيٌّ اور أیّةٌ کی تفصیل

وأيٌّ وأیةٌ کمَن: أيٌّ اور أیةٌ کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ یہ دونوں بعینہ مَن کی طرح ہیں یعنی جس طرح وہ چہار معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے ایسے ہی

یہ دونوں بھی انہیں معنوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں، مثلا:

(۱) دونوں موصولہ ہوں گے جیسے اضربهم أيّهم وأيّتهم۔

(۲) دونوں استفہامیہ ہوں گے جیسے أيُّهم أخوک وأيّتهنّ أختک.

(۳) دونوں شرطیہ ہوں گے جیسے ﴿أيًا ما تدعوا فله الأسماء الحسنى﴾۔

(۴) دونوں موصوفہ ہوں گے جیسے ﴿يا أيها الإنسان﴾ اور ﴿يا أيتها النفس المطمئنة﴾۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ أيّ توصفت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے تو آپ نے اس کو مَن کے ساتھ تشبیہ دی جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ أيٌّ بھی مَن کی طرح صفت کے لئے استعمال نہیں ہوسکتا، حالانکہ مررت برجلٍ أيّ رجلٍ، میں صفت کے لئے ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بالکل جی ہم نے اس کو مَــن کے ساتھ تشبیہ دی ہیں اور واقعی میں یہ صفت کے لئے استعمال نہیں ہوسکتے، ہاں جہاں آپ کو شبہ ہو جائے کہ فلاں جگہ توصفت کے لئے استعمال ہوا ہے، تو حقیقت میں صفت کے لئے نہیں ہے، بلکہ استفہامیہ ہے، لیکن کسی عارض کی وجہ سے اس سے منتقل ہوا ہوتا ہے، تو گویا کہ استفہام کے لئے اس کا آنا اصل ہے، اور صفت کے لئے آنا عارضی ہے، اور عام طور پر عارضی چیز کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

وهي معربة وحدها إلا إذا حذف صدر صلتها: دیکھو میرے

بھائی! یہ صاحب کافیہؒ کا کمال ہے کہ اتنی سی عبارت میں أيٌّ اور أيَّةٌ کی چار حالتیں بیان فرمائی، مثلاً فرمایا کہ وهي معربةٌ، أي: كل من أي وأية الموصولة معربةٌ یعنی أيٌّ اور أيةٌ میں سے ہر ایک معرب ہوگا بشرطیکہ یہ دونوں اکیلے ہوں یعنی مضاف نہ ہوں چاہے صدر صلہ مذکورہ یا محذوف یہ دو صورتیں ہوگئیں۔

إلا إذا حذف صدر صلتها: فرماتے ہیں کہ ہاں جب یہ دونوں مضاف ہوں تو ہوں لیکن صدر صلہ محذوف ہو تو اسی ایک صورت میں یہ مبنی ہوں گے، اور اگر مضاف تو ہوں لیکن صدر صلہ مذکور ہو تو اس صورت میں بھی معرب ہوں گے، دیکھو میرے عزیز! اس کو ذرا دوبارہ غور سے دیکھو:

(۱) دونوں مضاف بھی نہ ہوں اور صدر صلہ (یعنی صلے کا پہلا جزء) بھی مذکور نہ ہو جیسے أيٌّ هو قائمٌ اور أيَّةٌ قائمةٌ، اس صورت میں معرب ہوں گے۔

(۲) دونوں مضاف نہ ہوں لیکن صدر صلہ مذکور ہو جیسے أيٌّ هو قائمٌ اور أيةٌ هي قائمةٌ، اس صورت میں بھی دونوں معرب ہونگے۔

(۳) دونوں مضاف تو ہوں لیکن صدر صلہ مذکور نہ ہو جیسے أيهم قائم اور أيتهنَّ قائمة اس ایک صورت میں یہ دونوں مبنی ہوں گے۔

تو صاحب کافیہ کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ أيٌّ اور أيَّةٌ دونوں معرب ہیں، مگر جب دونوں مضاف ہوا اور صدر صلہ مذکور نہ ہوں تو مبنی ہوں گے۔

ماذا صنعت کی تفصیل

وفي ماذا صنعت وجهان: صاحب کتاب یہاں سے ایک قاعدہ بیان

فرمارہے ہیں کہ جہاں کہیں ما استفہامیہ اسم موصول کے بعد آیا ہو اور اس کے بعد مخاطب کا کوئی صیغہ ہو، تو اس کی ترکیب میں امام سیبویہؒ کے ہاں دو توجیہیں ہوسکتی ہیں:

(۱) أحدهما ما الذي وجوابه رفعٌ: اول یہ کہ ما استفہامیہ ہو، اور ذا بمعنی الذي کے ہو، تو عبارت یہ ہوگی: ما الذي صنعته؟ اس میں لفظ مبتداء اور الذي اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر خبر بنے گی، پھر اس کا جو بھی جواب دیا جائے گا وہ بھی مرفوع ہوگا، مثلاً اگر یہ کہا جائے: الذي فعلته خيرٌ دیکھئے یہاں خیرٌ مرفوع لایا گیا تاکہ سوال اور جواب میں مطابقت پیدا ہو۔

(۲) والآخر أي شيء وجوابه نصبٌ: دوسری توجیہ یہ ہے کہ ما استفہامیہ بمعنی أيُّ شيءٍ کے ہو اور اس کے بعد لفظ ذا زائد ہو، یا ما اور ذا دونوں أيُّ شيءٍ کے معنی میں ہوں، تو محذوف عبارت اس طرح ہوگی أي شيء صنعته، پھر اس کے جواب میں جو بھی کہا جائے گا وہ فعل محذوف کے لئے مفعول بنے گا، اور مفعول منصوب ہوتا ہے اس لئے وہ بھی منصوب ہوگا، جیسے صنعت خيرًا، یہی مطلب ہے صاحب کافیہ کی عبارت والآخر أيُّ شيءٍ وجوابه نصبٌ کا۔

درس (۱۱)

مبنی غیر اصل کی چوتھی قسم اسماء افعال کا بیان

أسماء الأفعال: ما كان بمعنى الأمر أو الماضي، نحو: رويد زيدًا، أي: أمهلهُ، وهيهات ذلك، أي: بعد، وفعال بمعنى الأمر من الثلاثي قياسٌ كنزالِ بمعنى اِنزلْ، وفعال مصدرًا معرفةً كفجار، وصفةً مثل: يا فساق مبني لمشابهته له عدلا وزنةً، وفعال علمًا للأعيان مؤنثًا كقطام وغلاب مبنيٌّ في الحجاز ومعربٌ في تميمٍ إلاما كان في آخره راءٌ، نحو: حضار.

ترجمہ: اسمائے افعال وہ اسم ہیں جو بمعنی امر یا بمعنی ماضی کے ہوں جیسے روید زیدا بمعنی أمھلہ تو اسے چھوڑ، اور هيهات ذلك، أي: بعد، یعنی وہ دور ہوا، اور فعال کا (وزن) امر کے معنی میں ثلاثی مجرد سے قیاسی طور پر ہوگا جیسے نزال بمعنی انزل اور جو مصدر فعال کے وزن پر ہو اور معرفہ ہو جیسے فجار اور صفت ہو (مؤنث کے لئے) جیسے یا فساق (بمعنی فاسقة) یہ مبنی ہیں بوجہ ان کے مشابہ ہونے کے اس کے فعل کے عدل اور وزن میں، اور فعال کا وزن علم ہو خاص مؤنث کا جیسے قطام اور غلاب یہ مبنی ہیں اہل حجاز کے (کے استعمال) میں، اور معرب ہیں بنو تمیم (کے استعمال) میں، مگر یہ کہ اس کے آخر میں را ہو جیسے حضار۔

تشریح: عزیز طلبہ! آج کا درس بہت ہی آسان ہے کیونکہ اکثر باتیں صاحب

کتاب نے خود ہی اپنی عبارت میں واضح فرمادی ہیں: چنانچہ اس میں ہم صرف دو باتیں کریں گے:

(۱) اسماء افعال اور اس کی تعریف۔

(۲) وزن فعال کی تحقیق اور مبنی ہونے کی وجہ۔

پہلی بات: اسماء افعال اور اس کی تعریف

آپ حضرات نحو میر سے پڑھکر آرہے ہے کہ اسماء افعال کی دوقسمیں ہیں:

(۱) وہ اسماء جو امر حاضر کے معنی میں ہوں جیسے **رُوَیدَ بَلہَ حَیہَل ھَلُمَّ علیک** اور **دونک**۔

(۲) وہ اسماء جو فعل ماضی کے معنی میں ہوں جیسے **ھیھاتَ شتَّانَ سرعان**۔

اسی طرح ہدایۃ النحو میں آپ حضرات اسماء افعال کی تعریف پڑھ کر آئے ہیں کہ **أسماء الأفعال ھو کل اسم بمعنی الأمر والماضي** یعنی اسماء افعال ان کلمات کا نام ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے تو اسم ہوں لیکن معنی فعل کا دے رہے ہوں، یعنی فعل ماضی کا یا فعل امر حاضر معلوم کا، نحو میر کے حوالہ سے آپ نے دیکھا کہ ان میں سے بعض فعل ماضی کے معنی ہیں اور بعض امر حاضر کے معنی میں، اسی کو صاحب کتاب رحمہ اللہ اپنی عبارت میں بیان فرمایا ہیں، **أسماء الأفعال ما کان بمعنی الأمر أو الماضي نحو رویدَ زیدًا أي: أمھله**، یعنی **رویدزیدًا** میں **رُوید أمھل** فعل امر حاضر کے معنی میں ہے اور **زیدًا** اس کا مفعول بہ ہے، لہذا اس کا معنی یہ بنے گا کہ زید کو مہلت دو، اور **ھیھاتَ ذلک** میں **ھیھاتَ بعدَ** فعل ماضی کے معنی

میں ہے اور ذلک اس کے لئے فاعل ہے، لہذا پورے جملے کا معنی ہوگا: وہ دور ہوا۔

اسی طرح اس کی تیسری قسم وہ ہے جو فعال کے وزن پر ہوں لیکن معنی اُمر کا دے رہے ہوں جیسے نزال بمعنی انزل تراک بمعنی اترک اور ضراب بمعنی اضرب وغیرہ۔

دوسری بات: وزن فعال کی تحقیق

وفعال بمعنى الأمر من الثلاثي قياسٌ: فرماتے ہیں کہ ہر وہ اسم جو فعال کے وزن پر ہو، اور امر حاضر کے معنی میں ہوتو وہ مبنی ہوگا جیسے نزال بمعنی انزل تراک بمعنی اترک اور ضراب بمعنی اضرب وغیرہ۔

وفعال مصدرًا معرفةً كفجار، وصفةً مثل يا فساق مبني لمشابهته له عدلًا وزنةً: فرماتے ہیں کہ ہر وہ اسم مصدر معرفہ جو فعال کے وزن پر ہو اور ہو وہ اسم صفت جو اسی فعال کے وزن پر ہو یہ دونوں بھی فعال بمعنی امر والے کلمہ کے ساتھ وزن میں اور عدل میں مشابہت رکھنے کی وجہ سے مبنی ہیں، عدل کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح نزال انزل سے اور ضراب اضرب سے معدول ہوکر آئے ہیں اسی طرح فجار الفجور سے اور فساق فاسقۃ سے معدول ہوکر آئے ہیں لہذا ہر وہ مصدر اور صیغہ صفت جو فعال کے وزن پر ہو وہ محض مشابہت کی وجہ سے مبنی ہوں گے، جیسے فجار بمعنى الفجور ار يا فساق بمعنى يا فاسقةٌ!۔

صاحب کتابؒ نے فعالِ کے ساتھ دو قید لگائے ہیں: مصدرًا و معرفةً، مصدر اس لئے فرمایا کہ ایسا کلمہ چونکہ عدل اور وزن میں مشابہت کی وجہ سے مبنی ہوتا

ہے، اور عدل نام ہے ایک صیغے کا دوسرے صیغے سے بغیر کسی قاعدے اور قانون کے نکلنا، اس طریقہ سے کہ پہلے والے صیغے کا معنی اور مراد نہ بدلے، اور ایسا مصدری معنی ہی ہوسکتا ہے، جو کہ باب کے تمام صیغوں میں چلتا ہے، اور معرفۃً اس لئے فرمایا کہ ایسے کلمہ کی صفت کلام عرب میں ہمیشہ معرفہ استعمال ہوتی ہے، جیسے کہا جاتا ہے، فجرت فجار القبیحة، اور فجرت فجار الشدیدة یعنی تونے بڑی قبیح اور بہت بڑی نافرمانی کی۔

وفعال علمًا للأعیان مؤنثًا کقطام...: اس عبارت کا آسان اور بے غبار مطلب یہ ہے کہ ہر وہ اسم جو فعال کے وزن پر ہو اور کسی مؤنث کا نام ہو تو اس کے آخر میں دیکھیں گے کہ راء ہے یا نہیں، اگر ہو تو وہ بالاتفاق بین اہل الحجاز و اکثر علماء بنی تمیم مبنی ہوگا، اور اگر نہ ہو تو اہل حجاز والوں کے ہاں پھر بھی مبنی ہوگا لیکن بنوتمیم کے ہاں معرب ہوگا۔

اہل حجاز والے دونوں کو اس لئے مبنی کہتے ہیں کہ یہ دونوں بھی وزن اور عدل میں وزن فعال بمعنی امر کے ساتھ مشابہ ہیں اور بنوتمیم والے صرف ذوات الراء کو اس لئے مبنی مانتے ہیں کہ اس کے آخر میں راء حرف مکرر کی طرح ایک ثقیل حرف پہلے سے موجود ہے، اب اگر اس کو معرب مان کر اس پر مختلف اعراب بھی جاری کریں گے تو اور بھی ثقیل ہوجائے گا اس لئے ثقل سے بچنے کے لئے اس کو مبنی مانا گیا جیسے حضار وغیرہ۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ وزن فعال میں لام کا مکسور ہونا ضروری ہے ورنہ غیر مکسور اللام جتنے بھی کلمات ہیں وہ بالاتفاق معرب ہیں جیسے سلامٌ کلامٌ سحابٌ غلامٌ وغیرہ۔

درس (۱۲)

اسماء اصوات اور مرکب بنائی کا بیان

الأصوات: كل لفظ حكي به صوتٌ أو صوّتَ به البهائمُ، فالأول: كغاق والثاني: كنخ، المركبات: كلُّ اسمٍ من كلمتَين ليس بينهما نسبةٌ، فإن تضمَّن الثاني حرفًا بُنيا، كخمسة عشرَ، وحاديَ عشرَ وأخواتها، إلا اثني عشرَ، وإلا أُعرب الثاني، كبعلبك، وبُني الأولُ على الأصحّ.

ترجمه: اسماء اصوات ہر وہ لفظ ہے جس کے ذریعے کسی کی آواز کی حکایت کی گئی ہو یا وہ (الفاظ ہیں) جن کے ذریعہ جانوروں کو آواز دی جاتی ہے پس پہلی (کی مثال) جیسے غاق اور دوسری (کی مثال) جیسے نخ، مرکب ہر وہ اسم ہے جو ایسے دو کلموں سے مرکب ہو جن کے درمیان کوئی نسبت نہ ہو اگر دوسرا اسم حرف کو متضمن ہو تو دونوں مبنی ہو جائینگے جیسے خمسة عشر اور حادی عشر اور اس کے ہم مثل، مگر اثنی عشر، وگرنہ دوسرا اسم معرب کر دیا جائے گا جیسے بعلبک پہلا جزء مبنی ہوگا اصح لغت کے مطابق۔

تشریح: آج کے درس میں صرف تین باتیں ہیں:

(۱) اسماء اصوات کی تفصیل۔

(۲) مرکب بنائی و منع صرف کی تعریف۔

(۳)اسم مرکب کی تقسیم اور ہر ایک کی تفصیل۔

پہلی بات: اسماء اصوات کی تفصیل

بھائی! أصوات صوتٌ کی جمع ہے بمعنی آواز، اور اصطلاحی معنی صاحب کتاب بیان فرماتے ہیں کہ **کل لفظ حكي به صوتٌ أو صُوِّت به البهائم**، یعنی اسم صوت ہر وہ لفظ ہے جس کے ذریعے کسی چیز کی آواز نقل کی جائے یا اس کے ذریعے جانوروں کو آواز دی جائے جیسے غاقِ اس سے کوے کی آواز کی نقل اُتاری جاتی ہے، اور نخ اس کے ذریعے اونٹ کو آواز دی جاتی ہے اسے بٹھانے کے لئے۔

اسی طرح ہر قوم اور ہر زبان والے نقل اتارنے کے لئے یا کسی جانور کو آواز دینے کے لئے مختلف قسم کی آوازیں استعمال کرتے رہتے ہیں، مثلا اردو والے چڑیا کی آواز کو نقل کرنے کے لئے چوں چوں، بلی کے آواز کے لئے میاؤں میاؤں، اور کوے کی آواز کے لئے کائیں اور فاختہ کی آواز کے لئے غٹرغوں غٹرغوں جیسے کلمات استعمال کرتے رہتے ہیں، اسی طرح عربی زبان میں بھی جانوروں کی آوازوں کے بیان کرنے کے لئے نیز ان کو دوڑانے اور چلانے اور ادھر اُدھر گھمانے پھرانے کے لئے مختلف آوازیں استعمال کی جاتی ہیں ان سب کو اسماء اصوات کہتے ہیں۔

اسماء اصوات کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ترکیب میں کبھی واقع نہیں ہوتے، اور اگر کہیں واقع ہو بھی جائے تو ان میں نہ تصرف کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کے مسمی کا ارادہ کیا جاتا ہے جبکہ رجلٌ کتابٌ وغیرہ ایسے کلمات ہیں کہ اگر ترکیب میں واقع ہوں تو باقاعدہ ان کے ان مسمیات کا ارادہ کیا جاتا ہے، جن کے لئے یہ وضع کئے

گئے ہوتے ہیں۔

نیز صاحب عنایت النحو طالبان علوم ختم نبوت کوخوش کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ ان کو مبنی قرار دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اہل عرب اگر چہ خود بڑے ماہر ہوتے ہیں لیکن ان کے کوے اور اونٹ وغیرہ صَرف اور نحو پڑھے ہوئے نہیں ہوتے اس لئے لفظ کو ہمیشہ کے لئے ایک ہی حالت ہی پر بولتے رہتے ہیں، اگران کلمات کو معرب قرار دیا جائے تو خامخواہ الجھن میں پڑجائیں گے۔

دوسری بات: مرکب بنائی ومنع صرف کی تعریف

المركبات: كل اسم من كلمتين ليس بينهما نسبةٌ، أي: كل اسم ركب من كلمتين... إلخ: مرکبات جمع ہے مرکبٌ کی، جوکہ باب تفعیل سے واحد مذکر اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی جوڑا ہوا، اور ملایا ہوا، اور اصطلاحی معنی خود صاحب کتاب بیان کرتے ہیں کہ مرکب ہر وہ اسم ہے جوایسے دو حقیقی یا حکمی کلموں سے بنایا گیا ہو جن کے درمیان کسی قسم کی کوئی نسبت نہ ہو، نہ نسبت اسنادی اور نہ نسبت اضافی اور نہ توصیفی جیسے **أحد عشر، بعلبکٌ** اور **سیبویہ**۔

تیسری بات: اسم مرکب کی تقسیم اور ہر ایک کی تفصیل

فإن تضمن الثاني حرفًا بنيا كخمسة عشر وحادي عشر وأخواتها: صاحب کافیہؒ یہاں سے اسم مرکب کی تقسیم کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ اسم مرکب میں دوسرا اسم اگر کسی حرف کو متضمن ہوتو اس کے دونوں جز مبنی برفتح ہوں گے جیسے **حادي عشر** سے لے کر **تسعة عشر** تک تمام ہندسے، ان میں سے ہر

ایک ہندسے کا پہلا جزء تو اس لئے مبنی ہے کہ اگر اسے معرب قرار دینگے تو وسط کلام میں اعراب کا جاری کرنا لازم آئے گا حالانکہ محل اعراب کلمہ کا آخری حرف ہوا کرتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ دوسرے جزء کا محتاج ہوتا ہے لہذا جس طرح حروف محتاج ہونے کی وجہ سے مبنی ہوتے ہیں اسی طرح یہ بھی مبنی ہوگا، اور دوسرا جزء بھی اس لئے مبنی ہے کہ یہ حرف کو متضمن ہے اور حرف خود مبنی ہے تو اس کو بھی مبنی بنادیا، سوائے اثنا عشر اور اثنتا عشرة کے؛ کہ ان دونوں کا پہلا جزء معرب ہے کیونکہ نون کے ساقط ہونے کی وجہ سے یہ مضاف کے ساتھ مشابہ ہوگئے جیسے مسلما مصر میں نون تثنیہ گرگیا ہے اسی طرح ان دونوں میں بھی گرا ہے، یہ دونوں محض اس مشابہت کی وجہ سے معرب ہیں ورنہ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ بھی مبنی ہوتے کیونکہ ان دونوں کا پہلا جزء بھی درمیان کلام میں آرہا ہے۔

وإلا أعرب الثاني كبعلبک وبني الأول على الأصح: فرماتے ہیں کہ ہر وہ اسم مرکب جس کا دوسرا جزء حرف کو متضمن نہ ہو تو وہ معرب ہوگا اور جزء اول مبنی ہوگا؛ کیونکہ ماقبل مرکب بنائی میں جزء ثانی کو ہم معرب حرف متضمن کی وجہ سے کہہ رہے تھے لیکن یہاں جب حرف متضمن کوئی ہے ہی نہیں تو جزء ثانی کا مبنی ہونا بھی نہیں رہا۔

صاحب کافیہؒ نے یہ مسئلہ بیان فرما کر **على الأصح** فرمایا یعنی صحیح تر قول کے مطابق ایسا ہوگا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں اور بھی اقوال ہوں گے، لہذا جب ہم نے دیکھا تو ہمیں تین قول مل گئے جو حسب ذیل ہیں:

(۱) پہلا جزء مبنی بر فتح ہوگا اور ثانی معرب ہوگا لیکن غیر منصرف ہوگا، جیسے جاء نی

بعلبکٌّ، ورأیتُ بعلبکٍّ ومررتُ ببعلبکٍّ۔

(۲) پہلا جزء معرب منصرف اور دوسرا بھی معرب لیکن غیر منصرف ہوگا جیسے جاء نی بعلُبکٍّ، ورأیتُ بعلَبکٍّ ومررتُ ببعلِبکٍّ۔

(۳) دونوں جزء معرب منصرف ہیں جیسے جاء نی بعلُبکٌّ، ورأیتُ بعلَبکًّا ومررتُ ببعلِبکٍّ۔

صاحب حاشیہ اور بعض شارحین نے آخری دو صورتوں میں جزء اول کو ثانی کی طرف مضاف بنایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے اس میں ہمارے لئے سوچنے اور غور وفکر کی کافی حد تک گنجائش چھوڑی ہیں؛ کیونکہ ایسی صورت میں اوپر بیان کردہ تعریف کی خلاف ورزی لازم آئیگی؛ کیونکہ اس میں فرماتے ہیں کہ لیس بنهما نسبةٌ یعنی ایسا مرکب ہو جن دو کے درمیان کوئی نسبت نہ پائی جائے، اور مضاف بنانے کی صورت میں نسبت اضافی پائی جائے گی۔ واللہ أعلم بالصواب۔

ان تمام صورتوں میں پہلی صورت کو صاحب کتاب نے اپنی عبارت میں بیان فرما کر اس کو اُصح قرار دیدیا۔

نیز یہ بات بھی سمجھ لیں کہ مرکب بنائی کو مرکب بنائی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دو معرب اسموں سے مل کر بنتا ہے اور یہ ترکیب دونوں کو مبنی بنادیتا ہے تو مرکب بنائی کا معنی ہوا: معرب کو مبنی بنادینے والا مرکب، اور مرکب منع صرف کو منع صرف اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے اسم منصرف غیر منصرف ہو جاتا ہے، تو اس کا معنی ہو جائے گا منصرف کو غیر منصرف بنادینے والا مرکب۔

درس (۱۳)

اسماء کنایات کا بیان

الکنایات: کم وکذا للعدد، وکیت وذیتَ للحدیث، فکم الاستفهامیة ممیزها منصوبٌ مفردٌ، والخبریة مجرورٌ مفردٌ ومجموعٌ، وتدخل مِن فیهما، ولهما صدر الکلام.

ترجمہ: اسمائے کنایات وہ کم اور کذا ہیں جو عدد کے لئے آتے ہیں اور کیت اور ذیت ہیں جو بات اور کلام سے کنایہ کے لئے آتے ہیں پس کم استفہامیہ کی تمیز مفرد ہوتی ہے، اور کم خبریہ کی تمیز مفرد مجرور اور جمع مجرور ہوتی ہے اور ان دونوں میں مِن داخل ہوتا ہے اور ان دونوں (کم استفہامیہ اور خبریہ) کے لئے صدارت کلام ہوتی ہے۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) اسماء کنایات کی تعریف اور اقسام۔

(۲) کم کی قسمیں اور ہر ایک کی تمیز کا اعراب۔

(۳) اسماء کنایات کے مبنی ہونے کی وجہ۔

پہلی بات: اسماء کنایات کی تعریف اور اقسام

الکنایات یہ جمع ہے کنایةٌ کی، بمعنی اشارہ کرنا، اور اصطلاح میں کہتے ہیں الکنایات هي أسماء تدل علی عدد مبهمٍ أو حدیثٍ مبهمٍ، یعنی کنایات وہ

اسماء ہیں جو ایک مبہم اور نامعلوم عدد پر اور ایک مبہم اور گول مول قسم کی بات پر دلالت کریں جیسے کم و کذا، اور کیت و ذیتَ۔

اس تعریف سے یہ بات خود بخود معلوم ہوتی ہے کہ اسماء کنایات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ اسماء جو عدد مبہم پر دلالت کرتے ہوں جیسے کم و کذا، مثلاً کوئی کہے کم مالا عندک؟ بھائی! آپ کے پاس کتنے پیسے ہیں؟ اور کذا مالٍ أنفقته، یار! میں نے اتنا مال خرچ کیا، تو دونوں جگہ عدد میں ابہام ہے۔

(۲) وہ اسماء جو کسی مبہم بات پر دلالت کرتے ہوں جیسے کیتَ و ذیتَ، مثلاً کوئی کہے تکلّم حامدٌ کیت و ذیتَ یعنی حامد بھائی نے ایسی ایسی باتیں کی۔

نوٹ: یہ یاد رہے کہ کنایات سے مراد تمام کنایات نہیں ہیں کیونکہ لفظ فلانٌ اور فلانۃٌ اسماء کنایات میں سے ہونے کے باوجود معرب ہیں مبنی نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے بعض مراد ہیں یعنی کم و کذا ، کیت و ذیت، اس لئے الکنایات کے شروع میں جو الف لام ہیں یہ عوضی ہیں یعنی بعضُ مضاف محذوف کے عوض میں لائے گئے ہیں۔

دوسری بات: کم کی قسمیں اور ہر ایک کی تمیز کی تفصیل

میرے عزیز! یہ آپ حضرات نحو میر سے پڑھتے ہوئے آرہے ہیں کہ کم کی دو قسمیں ہیں: استفہامیہ اور خبریہ، کم استفہامیہ کے ذریعے سوال کیا جاتا ہے اور کم خبریہ کے ذریعے کسی چیز کے متعلق خبر دی جاتی ہے۔

آگے صاحب کتاب کم استفہامیہ کے متعلق فرمارہے ہیں کہ فکم الاستفهامية مميزها منصوبٌ مفردٌ، یعنی کم استفہامیہ کی تمیز مفرد منصوب ہوگی جیسے کہتے ہیں کم قلمًا عندک یا أخي؟ بھائی آپ کے پاس کتنے قلم ہیں؟، والخبرية مجرورٌ مفردٌ ومجموعٌ، کم خبریہ کی تمیز مفرد مجرور بھی آسکتی ہے جیسے ﴿وکم من قريةٍ أهلکناها﴾ یعنی کتنی بستیوں کو ہم نے ہلاک کرڈالا، اور جمع مجرور بھی آسکتی ہے جیسے کم أموالٍ أنفقتها، یعنی کتنا زیادہ مال اور دولت میں نے اللہ کے راستہ میں خرچ کیا۔

کم کی خبر پر دخول مِن اور اس میں اختلاف

وتدخل مِن فيهما: فرماتے ہیں کہ کم استفہامیہ اور کم خبریہ دونوں کی تمیز پر کبھی کبھار مِن بیانیہ بھی داخل ہوسکتا ہے جیسے کم من رجلٍ ضربتَ، اور ﴿کم من قرية أهلکناها﴾، شارح رضی لکھتے ہیں کہ کم خبریہ کی تمیز پر من داخل ہوتا ہے لیکن کم استفہامیہ کی تمیز پر من کا داخل ہونا درست نہیں ہے، البتہ دوسرے عام علماء نحو اس کو جائز قرار دیتے ہیں، اور علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ ﴿سل بني إسرائيل کم آتيناهم من آية بينة﴾ اس میں کم استفہامیہ بھی بن سکتا ہے اور کم خبریہ بھی، لہذا معلوم ہوا کہ دونوں پر من کا داخل ہونا صحیح ہے۔ (تقریر کافیہ ۲/۴۰)

تیسری بات: اسماء کنایات کے مبنی ہونے کی وجہ

دیکھو بھائی! ہمارے سامنے چار اسماء کنایات ہیں: کم و کذا و کیت و ذیتَ، ان میں سے کم خبریہ اور استفہامیہ تو اس لئے مبنی ہیں کہ اس کی مشابہت پائی

جاتی ہے حروف کے ساتھ اپنی وضع میں، یعنی جس طرح بعض حروف کی بناء دو حروف تہجی پر ہوتی ہے جیسے مِن، عَن، في وغیرہ تو اس طرح کم خبریہ واستفہامیہ کی بناء بھی دو حرفوں پر ہوتی ہے، یا بالفاظ دیگر یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ کم استفہامیہ تو اس لئے مبنی ہے کہ یہ ہمزہ استفہام کے معنی میں ہے اور ہمزہ استفہام چونکہ مبنی ہے اس لئے یہ بھی مبنی ہوگا، اور کم خبریہ اس لئے مبنی ہے کہ اس کی مشابہت پائی جاتی ہے کم استفہامیہ کے ساتھ، اور اردو کی کہاوت مشہور ہے کہ دوست کا دوست دوست ہوتا ہے، لہذا کم استفہامیہ مبنیہ کے ساتھ صرف مشابہت کی وجہ سے کم خبریہ بھی مبنی ہوگیا۔

اور کذا اس لئے مبنی ہے کہ اس میں اصل ذا اسم اشارہ مبنی ہے اور کاف بھی حرف تشبیہ ہے والحروف کلها مبنيةٌ۔

اور کیت وذیت چونکہ حدیث سے کنایہ ہے یعنی جملہ کی جگہ پر واقع ہوتے ہیں اور جملہ من حیث الجملہ مبنی ہوا کرتا ہے لہذا یہ بھی اس کے قائمقام ہونے کی وجہ سے مبنی ہوں گے۔ (کمافی تقریرالکافیہ)۔

درس (١٤)

کم اور اس کی تمیز کا بیان

وكلاهما يقع مرفوعًا ومنصوبًا ومجرورًا، فكلُّ ما بعده فعلٌ غير مشتغل عنه بضميره، كان منصوبًا معمولا على حسبه، وكلُّ ما قبله حرف جرٌ أو مضافٌ فمجرورٌ، وإلا فمرفوعٌ مبتدأٌ إن لم يكن

ظرفًا، وخبرٌ إن كان ظرفًا، وكذلك أسماء الاستفهام والشرط، وفي مثل: كم عمةٍ لك يا جرير وخالةٍ؟ ثلاثة أوجهٍ، وقد يُحذف في مثل: كم مالُك؟ وكم ضربتَ؟.

ترجمہ: اور یہ دونوں مرفوع اور منصوب اور مجرور واقع ہوتے ہیں پس ہر وہ کلمہ کم جس کے بعد ایسا فعل ہو جو اس سے اعراض نہ کرتا ہو اس کی ضمیر کی وجہ سے تو کم منصوب ہوگا اور معمول ہوگا اس (عامل) کے مطابق اور ہر وہ کلمہ کم جس سے پہلے حرف جر ہو یا مضاف ہو پس (کم) مجرور ہوگا وگرنہ مرفوع ہوگا اور ترکیب میں مبتداء واقع ہوگا اگر ظرف نہ بن رہا ہو، اور خبر ہوگا اگر ظرف بن رہا ہو، ایسے ہی (کم کی طرح) اسماء استفامیہ اور شرط اور کم عمة لک یاجریر وخالة کی مثل میں تین وجہیں ہیں اور کبھی حذف کیا جاتا ہے (کم کی تمیز کو) کم مالک اور کم ضربت کی مثل میں۔

تشریح: آج کے درس میں پانچ باتیں ہیں:

(۱) کم کا صدارت کلام کا تقاضا کرنا۔

(۲) خبرِ کم پر مختلف اعراب کا آنا۔

(۳) اسماء استفہام اور اسماء شرط کے متعلق ایک قاعدہ۔

(۴) کم عمة لک یا جریر وخالة میں تین وجوہات۔

(۵) کم کی تمیز کو حذف کرنا۔

پہلی بات: کم کا صدارت کلام کا تقاضہ کرنا

ولھا صدر الکلام: فرماتے ہیں کہ چاہے کم استفہامیہ ہو یا خبریہ دونوں صدارت کلام کا تقاضہ کرتے ہیں؛ کیونکہ کم استفہامیہ میں استفہام ہوتا ہے اور استفہام صدارت کلام کا تقاضہ کرتا ہے اور کم خبریہ بھی صدارت کلام کا تقاضہ کرتا ہے تا کہ شروع سے ہی کلام کا استفہام یا خبر کی قبیل سے ہونا معلوم ہو جائے۔

دوسری بات: خبرِ کم پر مختلف اعراب کا آنا

وکلاھما یقع مرفوعًا ومنصوبًا ومجرورًا: فرماتے ہیں کہ کم خبریہ اور استفہامیہ دونوں کی خبروں کو موقع ومحل کے اعتبار سے مرفوع منصوب اور مجرور پڑھا جائے گا۔

فکل ما بعدہ فعلٌ غیر مشتغل عنہ بضمیرہ کان منصوبًا معمولا علی حسبہ: یعنی ہر وہ مقام جہاں خبر کم کے بعد ایسا فعل یا شبہ فعل ہو جس کے بعد کوئی ضمیر نہ ہو تو اسی فعل عامل کے عمل کے موافق ماقبل والے خبر پر اعراب پڑھا جائے گا، یعنی اگر وہ فعل مؤخر مفعول مطلق کا تقاضہ کر رہا ہو تو کم کو اپنی تمیز سمیت مفعول مطلق بنا کر منصوب پڑھیں گے جیسے کم ضربۃً ضربتَ، اور اگر وہ مفعول بہ کا تقاضہ کر رہا ہو تو اس کو اُس کے لئے مفعول بہ بنا کر منصوب پڑھیں گے جیسے کم رجلا ضربتَ، اور مفعول فیہ کا تقاضہ کر رہا ہو تو مفعول فیہ بنادیں گے جیسے کم یومًا صمتَ۔

یہ تو کم استفہامیہ کی مثالیں ہوگئیں، علی ھذا الترتیب کم خبریہ کی مثالیں

بھی ملاحظہ ہو: کم ضربةٍ ضربتُ، کم غلامٍ ملکتُ، کم یومٍ صمتُ فیه۔

وکل ما قبله حرف جر أو مضاف فمجرور: فرماتے ہیں کہ ہر وہ مقام جہاں کم کی خبر سے قبل یا تو کوئی حرف جر ہو یا مضاف ہو تو ایسے ہر دو موقعوں پر اس کو محلا مجرور پڑھا جائے گا، جیسے کم استفہامیہ کی مثال: بکم درهمًا اشتریتَ ؟، اور کم خبریہ کی مثال بکم درهمٍ اشتریتُ، وهکذا بکم رجلاً مررتَ؟ وبکم رجلٍ مررتُ، وغلام کم رجلًا أکرمتَ؟ وغلامَ کم رجلٍ أکرمته۔

ایک سوال اوراس کا جواب

یہاں سوال ہوسکتا ہے کہ جناب عالی! ابھی تو آنجناب محترم نے یہ قاعدہ بیان فرمایا کہ ولهما صدر الکلام، اور یہاں آپ کم پر کبھی حرف جر داخل کرتے ہیں اور کبھی اسم مضاف، تو ان دونوں صورتوں میں صدارت کلام تو باقی نہیں رہی؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ میرے عزیز! الضروریات تُبیح المحظورات والے قاعدے کو دیکھ کر ہم نے ایسا کیا ہے، کیونکہ اگر ایسی صورتوں میں بھی کم کو صدارت کلام دیں گے تو مجرور کا حرف جر سے اور مضاف الیہ کا اسم مضاف سے مقدم ہونا لازم آئے گا، وهذا باطلٌ، لہذا ایسے موقعوں پر صدارت کلام کو چھوڑ کر ہم حرف جر اور اسم مضاف کو مقدم کر دیں گے۔

وإلا فمرفوعٌ مبتدأ إن لم یکن ظرفًا: فرماتے ہیں کہ اگر کم سے پہلے نہ تو کوئی حرف ہو اور نہ اسم مضاف ہو اور نہ اس کی خبر کے بعد کوئی فعل ہو یا ہو لیکن اس کے بعد کوئی ضمیر ہو جس میں وہ عمل کر رہا ہو، تو ایسی صورت میں اس کی خبر محلا مرفوع

ہوگی جیسے کم رجلاً أخوک؟ پھر یہ مرفوع ہونا یا تو مبتداء ہونے کی وجہ سے ہوگا یا خبر ہونے کی وجہ سے، اگر کم کے بعد والا اسم ظرف نہ ہو پھر تو مبتداء ہونے کی وجہ سے محلا مرفوع ہوگا جیسے کم رجلاً أخوک؟ اس میں کم رجلاً مبتداء اور أخوک مضاف مضاف الیہ اس کی خبر ہے، اور اگر وہ ظرف ہو تو پھر خبر مقدم ہونے کی وجہ سے محلا مرفوع ہوگا جیسے کم یومًا سفرک؟ اس میں کم یومًا خبر مقدم اور سفرک اس کے لئے مبتداء مؤخر بن رہا ہے۔

تیسری بات: اسم استفہام اور اسماء شرط کے متعلق قاعدہ

وکذلک أسماء الاستفهام والشرط: صاحب کافیہ کا ایک بڑا کمال یہ ہے کہ چند کلمات کے قالب میں ایک بڑا قاعدہ بلکہ کئی قواعد ذکر فرما دیتے ہیں، مثلاً یہاں فرماتے ہیں کہ آپ حضرات کم کی خبر کے متعلق جو جو تفصیلات اور اعرابات پڑھ چکے ہوں وہ حروف استفہام اور حروف شرط یعنی مَن، ما، أيٌّ، أینَ، أنی، اور متی کے بارے میں بھی سمجھ لو، یعنی اگر ان کے بعد کوئی ایسا فعل نہ ہو جس کے بعد کوئی ضمیر ہو تو یہ منصوب علی حسب العامل ہوں گے جیسے مَن ضربتَ؟ اور مَن تضربْ أضربْ، اور اگر ان سے پہلے کوئی حرف جر یا اسم مضاف ہو تو یہ محلا مجرور ہوں گے جیسے بمن مررتَ؟ اور بمن تمرُّ أمرُّ، وغلامَ مَن ضربتَ؟ اور غلام مَن تضربْه أضربْه، اور اگر ان دونوں کے علاوہ ہو تو محلا مرفوع بالابتداء یا مرفوع لأجل الخبر ہوں گے جیسے مَن ضربتَه؟ ومَن تضربْه أضربْه، أو مَن قامَ۔

چوتھی بات: کم عمةٍ لک یا جریر و خالة میں تین وجوہات

وفي مثل کم عمةٍ لک یا جریر و خالة؟ ثلاثة أوجه: اس عبارت میں صاحب کافیہ بیان کرتے ہیں کہ کم عمةٍ کی مثل میں تین وجوہ جائز ہیں، اور اس مثل سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جو کم خبریہ اور استفہامیہ کا احتمال رکھتی ہو، اور اس کی تمیز ذکر اور حذف دونوں کا احتمال رکھتی ہو:

(۱) پہلی وجہ عمة کو مرفوع پڑھیں تو اس وقت یہ مبتداء ہوگا۔

(۲) دوسری وجہ اسے منصوب پڑھیں تو یہ تمیز ہوگی کم استفہامیہ کی، اور کم استفہامیہ کی تمیز منصوب ہوتی ہے۔

(۳) تیسری وجہ اسے مجرور پڑھیں تو اس وقت یہ کم خبریہ کی تمیز ہوگی، اور کم خبریہ کی تمیز مجرور ہوتی ہے جیسے کم عمةٍ، اسی طرح خالة کو بھی تین طرح پڑھ سکتے ہیں مرفوع منصوب اور مجرور۔

فائدہ: یہ شعر فرزدق کا ہے اور اس میں جریر کی مذمت بیان کرتا ہے، پورا شعر اس طرح ہے:

کم عمة لک یا جریر و خالة

فدعاء قد حلبت علی عشاري

اے جریر! تیری کتنی پھوپھیاں اور خالائیں ہیں جو مڑے ہوئے ہاتھوں والی ہیں جنہوں نے میری دس ماہ کی حاملہ اونٹنیوں کا دودھ دوہا ہے ہاتھوں کے مڑے ہوئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حاملہ اونٹنیوں کا دودھ دوھنا بہت

بڑی مشقت کا کام ہے، تو یہ کنایہ ہے کہ وہ حقیر اور مشقت کا کام کرتی ہیں، اور عمۃ کو جب کم خبریہ کی تمیز بنائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جریر کی بہت ساری خالائیں اور پھوپھیاں فرزدق کی خدمت کرتی رہی ہیں اور کم استفہامیہ کی تمیز ہو تو پھر جریر سے سوال کرتا ہے کہ کتنی تیری خالائیں اور پھوپھیاں ہیں؟ جو میری خدمت کرتی رہی ہیں گویا اس قدر ہیں کہ فرزدق کو ان کی تعداد یاد نہیں ہے اس وجہ سے سوال کر رہا ہے۔

ترکیب: کم استفہامیہ ممیز، عمۃ موصوف، لک جار مجرور ظرف مستقر متعلق کائنۃ کے ہو کر صفت عمۃ کی، موصوف صفت سے مل کر معطوف علیہ، واو حرف عطف، خالۃ موصوف، فدعاء صفت، موصوف صفت سے مل کر معطوف، معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر کم استفہامیہ کی تمیز، کم استفہامیہ اپنی تمیز سے مل کر مرفوع محلا مبتداء، قد حرف تحقیق حلبت فعل ہی ضمیر اس میں مستتر فاعل راجع بسوئے کم عمۃ، علی جار مجرور مل کر ظرف لغو متعلق حلبت، عشاري مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ حلبت فعل کا، فعل اپنے فاعل اور متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر محلا مرفوع، مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، یا حرف نداء بمعنی أدعو، جریر مبنی بر علامت رفع، منادی مفعول بہ، فعل محذوف ادعو کا، أدعو فعل یا فاعل اپنے مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ (تہذیب الکافیہ ۲۳۸)۔

پانچویں بات: کم کی تمیز کو حذف کرنا

وقد یحذف في مثل کم مالک؟ وکم ضربت: صاحب کافیہ علامہ ابن حاجبؒ یہاں سے ایک قاعدہ بیان فرما رہے ہیں وہ یہ ہے کہ جہاں کوئی قرینہ موجود ہو تو کم استفہامیہ وخبریہ کی تمیز کو حذف کرنا بھی جائز ہے جیسے کوئی کہے **کم مالک؟** یہاں کم معرفہ کے اوپر داخل ہوا ہے حالانکہ قاعدہ ہے کہ کم استفہامیہ وخبریہ صرف نکرہ پر داخل ہو سکتے ہیں اور یہاں معرفہ پر داخل ہوا ہے تو لازمی طور پر یہاں کوئی اسم نکرہ محذوف ہوگا جو کم کے لئے تمیز بنے گا، تو اس کی اصل عبارت یہ بنے گی، **کم درهماً مالک؟** اور **کم درهمٍ مالک؟** اسی طرح اگر کم کے بعد متصل کوئی فعل آجائے تو بھی یہی حکم ہے؛ کیونکہ کم ہمیشہ کے لئے اسم معرفہ پر داخل ہوتا ہے فعل پر کبھی داخل نہیں ہوتا، اور یہاں داخل ہوا ہے تو یہاں بھی لازمی طور پر کوئی اسم نکرہ محذوف ہوگا جیسے **کم ضربت؟** سے **کم ضربةً ضربت؟** اور **کم ضربةٍ ضربتُ**۔

درس (۱۵)

ظروف مبنیہ کی تفصیل

الظروف: منها ما قطع عن الإضافة کقبل وبعد، وأجري مجراه لا غیرُ، ولیس غیر وحسب، ومنها حیث، ولا یضاف إلا إلی الجملة في الأکثر، ومنها إذا، وهي للمستقبل، وفیها معنی الشرط، ولذلک اختیر بعدها الفعل، وقد تکون للمفاجأة، فیلزم المبتدأ

بعدها.

ترجمہ: ظروف میں سے بعض وہ ہیں جو اضافت سے قطع کے گئے ہوں جیسے قبل اور بعد اور ان کے قائم مقام کیا گیا لاغیر ، لیس غیر ، اور حسب کو، اور ان میں ایک حیث ہے، اور اس کی اضافت نہیں کی جاتی مگر جملے کی طرف اکثر، اور ان میں سے ایک إذا ہے، اور یہ مستقبل کے لئے آتا ہے اور اس میں شرط کا معنی ہوتا ہے اس لئے پسندیدہ ہے اس کے بعد فعل کا لانا، اور کبھی یہ مفاجات کے لئے آتا ہے اور اس کے بعد مبتداء کا ہونا لازمی ہے۔

تشریح: دیکھو میرے بھائی! میرے سامنے مکتبۃ البشری کا طبع کردہ کافیہ ہے اس کے صفحہ ۱۲۲ سے لے کر ۱۲۵ تک ظروف مبنیہ کی تیرہ قسمیں بیان فرمارہے ہیں جن کو تین دروس میں ہم آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کریں گے انشاء اللہ، اور آج کے درس میں سے پہلے چار کی تفصیل بیان فرمارہے ہیں:

پہلی قسم: قبل اور بعد کی تفصیل

منها ما قطع عن الإضافة كقبل وبعد: ظروف مبنیہ میں سے بعض اسماء ایسے ہوتے ہیں جو کہ لازم الاضافت ہوتے ہیں، لیکن مضاف الیہ ان کا کبھی مذکور ہوتا ہے اور کبھی محذوف، اور محذوف کی بھی پھر دو صورتیں ہیں محذوف منوی یعنی لفظوں میں اگر چہ مذکور نہ ہو لیکن متکلم کی نیت میں موجود ہو، اور محذوف نسیًا منسیًّا یعنی ایسا اس کو حذف کر دیا گیا ہو کہ نہ تو متکلم کی نیت میں ہو اور نہ لفظوں میں، غرض یہ کہ جب ایسے اسماء کا مضاف الیہ یا تو مذکور ہو یا محذوف نسیًا منسیًّا ہو تو ان دونوں

حالتوں میں معرب ہوں گے جیسے نسیًا منسیًّا کی مثال رُبَّ بعدٍ کان خیرًا من قبلٍ، اورمحذوف منوی کی مثال ﴿لله الأمر من قبل و من بعد﴾ أي: لله الأمر من قبل کل شيء و من بعد کل شيء۔

محذوف منوی کی صورت میں ان ظروف مبنیہ کو غایات بھی کہتے ہیں؛ کیونکہ مضاف کو جب حذف کردیا گیا تو اب کلام کی انتہا اور اختتام انہی ظروف پر ہوتی ہے۔

دوسری قسم: وأجري مجراہ

وأجري مجراہ لا غیر و لیس غیر و حسب: ظروف مبنیہ میں سے دوسری قسم کو بیان کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ لا غیر اور لیس اگرچہ ظروف مبنیہ میں سے نہیں ہیں، لیکن قبلا ور بعد وغیرہ مقطوع عن الإضافة والے أسماء ظروف کے ساتھ دو چیزوں میں مشابہت کی وجہ سے گویا کہ یہ ان کے قائمقام ہوگئے اور قائمقام ہونے کی وجہ سے یہ بھی مبنی ہوگئے، پہلی قسم کی مشابہت تو یہ ہے کہ جس طرح قبل اور بعد وغیرہ مقطوع عن الاضافۃ ہوتے ہیں ایسے ہی یہ دونوں بھی مقطوع عن الإضافة استعمال ہوتے ہیں، اور دوسری مشابہت یہ ہے کہ جس طرح قبل اور بعد وغیرہ مبنی برضم ہوتے ہیں، ایسے ہی یہ دونوں بھی مبنی برضم ہوتے ہیں جیسے جاء نی زیدٌ لیس غیر و لا غیر و حسب، حسب کو بھی لفظ غیر کے ساتھ دو طرح کی مشابہت کیوجہ سے قائمقام ٹھہرایا گیا، اول یہ کہ غیر کے ساتھ اس کی مشابہت کثرت استعمال میں ہے، اور دوم یہ کہ جس طرح غیر میں شدت نکارت پائی

جاتی ہے یعنی کسی دوسرے کلمہ کی طرف مضاف ہونے کے باوجود بھی یہ نکرہ ہی رہتا ہے ایسے ہی لفظ حسب میں بھی شدت نکارت پائی جاتی ہے۔

تیسری قسم: حیث کی تفصیل

ومنها حيث، ولا يضاف إلا إلى الجملة في الأكثر: ظروف مبنیہ میں سے ایک حیث بھی ہے یہ غایات کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مبنی ہے، یعنی جس طرح غایات کو اضافت لازم ہے اسی طرح اس کو بھی لازم ہے؛ کیونکہ یہ اکثر جملہ کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسا کہ صاحب کافیہ فرماتے ہیں **ولا يضاف إلا إلى الجملة في الأكثر** چاہے جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ، اور جملہ من حیث الجملہ نہ مضاف ہوتا ہے اور نہ مضاف الیہ، مگر بتاویل مصدر کے لیکر مضاف الیہ بنایا جاسکتا ہے لیکن مصدر عبارت میں مذکور نہیں ہے، تو جب حیث کا حقیقی مضاف الیہ مصدر ہوا، اور وہ مذکور نہیں ہے تو حیث اس کی طرف محتاج ہوا جس طرح اسماء مقطوعہ عن الاضافت مضاف الیہ کی طرف محتاج ہوتے ہیں لہذا یہ بھی مبنی برضم ہوا جیسے **اجلس حيث زيدٌ جالسٌ**، اس کو **اجلس حيث جلوس زيدٍ** کی تاویل میں لے لینگے یہ جملہ اسمیہ کی مثال ہے اور جملہ فعلیہ کی مثال فرمان باری تعالی میں ہے ﴿**سنستدرجهم من حيث لا يعلمون**﴾ اس میں ﴿**لا يعلمون**﴾ **من حيث عدم علمهم** کی تاویل میں ہے۔

چوتھی قسم: إذا کی تفصیل

ومنها إذا وهي للمستقبل: ظروف مبنیہ میں سے چوتھی قسم إذا ہے یہ ظرف زمان میں سے ہے اور اکثر مستقبل کے لئے استعمال ہوتا ہے، اگر ماضی پر داخل

ہوتو اس کو بھی اکثر طور پر مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے؛ کیونکہ اس کی وضع ہی مستقبل کے لئے ہوئی ہے ایسا مستقبل جس کا واقع ہونا یقینی ہو جیسے ﴿إذا جاء نصر الله والفتح﴾ اور ﴿حتى إذا جاء وها وفتحت أبوابها﴾۔

کبھی کبھی إذا ماضی پر داخل ہو تو وہ ماضی ماضی ہی رہتا ہے جیسے ﴿حتى إذا بلغ بين السدين﴾ اور ﴿حتى إذا جعله نارًا﴾۔

جب إذا ماضی پر داخل ہو اور اس کو مستقبل کے معنی میں کر دے تو اس وقت إذا شرط کے معنی میں ہوتا ہے، اور اس کے بعد جملہ ہوتا ہے کبھی تو اسمیہ ہوگا جیسے آتیک إذا الشمس طالعةٌ، اور کبھی جملہ فعلیہ ہوگا جیسے آتیک إذا طلعت الشمس، اگر چہ جائز تو دونوں ہیں؛ کیونکہ إذا کی دو حیثیتیں ہیں: وضعی اور معنوی، اصل وضع کے اعتبار سے یہ ظرفیہ ہے اس لئے اس کے بعد فعل لانا جائز ہے اور معنی یہ شرط کا دیتا ہے، اس لئے اس کے بعد فعل لانا جائز ہے بلکہ فعل لانا اولی ہے (جیسا کہ صاحب کافیہ خود فرما رہے ہیں وفيها معنى الشرط ولذلك اختير بعدها الفعل) کیونکہ یہ شرط کا معنی دیتا ہے اور شرط جملہ فعلیہ ہوتی ہے۔

وقد تكون للمفاجاة: فرماتے ہیں کہ إذا اصل وضع کے اعتبار سے اگر چہ ظرف کے لئے ہے لیکن کبھی کبھار مفاجاة کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، مفاجاة باب مفاعلہ کا مصدر ہے بمعنی اچانک کسی چیز کو لے لینا، جب یہ مفاجاة کے لئے ہو تو یہ گویا کہ کسی چیز کے ملنے یا اس کے ہونے پر دلالت کرتا ہے، اس وقت اس میں شرط کے معنی نہیں ہوں گے، لہذا اس کے بعد مبتداء کا لانا اولی اور مختار ہوگا تا کہ إذا شرطیہ اور مفاجاتیہ دونوں میں فرق ہو جائے جیسے خرجت فإذا السبع واقفٌ۔

خلاصہ یہ ہوا کہ إذا ظرفیہ جب شرط کے معنی میں ہو تو اس کا جملہ فعلیہ پر داخل ہونا اولی اور مختار ہوگا اگر چہ جملہ اسمیہ پر بھی داخل کیا جاسکتا ہے، اور جب یہ مفاجاتیہ ہو تو اس کا جملہ اسمیہ پر داخل ہونا اولی اور مختار ہوگا، اگر چہ فعلیہ پر بھی داخل کیا جاسکتا ہے۔

درس (۱۶)

ظروف مبنیہ کی تفصیل

ومنها إذ للماضي، ويقع بعدها الجملتان، ومنها أين وأنى للمكان استفهامًا وشرطًا، ومتى للزمان فيهما، وأيان للزمان استفهامًا، وكيف للحال استفهامًا.

ترجمہ: اور ان میں سے ایک إذ ہے اور یہ ماضی کیلئے آتا ہے اور اس کے بعد دو جملے ہوتے ہیں، اور ان میں سے أين اور أنى بھی ہیں اور یہ مکان کے لئے آتے ہیں بمعنی استفہام اور شرط کے، اور متی زمان کے لئے آتا ہے ان دونوں میں (یعنی شرط اور استفہام میں)، اور أيان زمان کے لئے آتا ہے جب یہ استفہام کے معنی میں ہو، اور کیف حال کے لئے آتا ہے استفہام کے معنی میں۔

تشریح: ۔آج کے درس میں ظروف مبنیہ میں سے پانچ قسموں کی تفصیل ذکر فرمارہے ہیں:

پانچویں قسم: إذ کی تفصیل

ومنها إذ للماضي: ظروف مبنیہ میں سے ایک إذ بھی ہے اس کے متعلق صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ یہ ماضی کے لئے استعمال ہوتا ہے اگرچہ مضارع پر ہی داخل ہو، یہ ماقبل والے کا بالکل مخالف ہے اُس کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ مستقبل کے لئے ہے اگرچہ ماضی پر ہی داخل ہو، یعنی اگر وہ ماضی پر بھی داخل ہو تو اس کو مستقبل کے معنی میں کردیتا ہے اور یہ (إذ) اگر مضارع پر بھی داخل ہوجائے تو اس کو ماضی کے معنی میں کردیتا ہے جیسے ارشاد باری تعالی ہے ﴿وإذ يمكر بك الذين كفروا﴾۔

ويقع بعدهما جملتان: فرماتے ہیں کہ یہ جملہ کے دونوں قسموں یعنی اسمیہ اور فعلیہ پر داخل ہوتا ہے جیسے اسمیہ کی مثال جئتك إذ الشمس طالعةٌ اور فعلیہ کی مثال جئتك إذ طلعت الشمسُ، اور جیسا کہ فرمان باری تعالی میں بھی وارد ہوا ہے ﴿إذ أخرجه الذين كفروا ثاني اثنين إذ هما في الغار إذ يقول لصاحبه لاتحزن إن الله معنا﴾۔

یاد رہے کہ صاحب کافیہ رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ للماضي یعنی یہ صرف ماضی ہی کے لئے آتا ہے، یہ قاعدہ اکثریہ کو بیان فرمایا ہے ورنہ کبھی کبھار مستقبل کا معنی بھی دیتا ہے جیسے ﴿إذ قال الله يا عيسى بن مريم أ أنت قلت للناس اتخذوني وأمي إلهين من دون الله﴾۔

چھٹی قسم: أین اور أنی کی تفصیل

ومنها أين وأنى للمكان استفهامًا وشرطًا: ظروف مبنیہ میں سے أین اور أنی بھی ہیں، یہ دونوں مکان کے لئے استعمال ہوتے ہیں بطور استفہام کے بھی اور بطور شرط بھی، جب شرط کے معنی میں ہوں تو یہ دو جملوں پر داخل ہوگا، اول کو شرط اور ثانی کو جزاء کہیں گے۔

استفہام کی مثال **أين أخوك؟ وأين تذهب يا أخي؟** اور ﴿**أنى لك هذا**﴾، اور ﴿**أين شركائي الذين كنتم تزعمون**﴾ اور شرط کی مثال: ﴿**أينما تولوا فثم وجه الله**﴾ اور **أين تجلس أجلس، وأنى تقعد أقعد**۔

یہ تو ان کے حقیقی معنی تھے اس کے علاوہ کبھی کبھار یہ کیف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے ﴿**فأتوا حرثكم أنى شئتم**﴾، اور یہ دونوں اس لئے مبنی ہیں کہ ان میں استفہام اور شرط کے معنی پائے جاتے ہیں۔

ساتویں قسم: متی کی تفصیل

ومتى للزمان فيهما: ظروف مبنیہ میں سے ایک متی بھی ہے، یہ بھی ماقبل والے کی طرف بطور شرط اور بطور استفہام استعمال ہوتا ہے، بس فرق صرف یہ ہے کہ ماقبل والے دونوں ظرف مکان کے لئے تھے، اور یہ ظرف زمان کے لئے ہیں جیسے شرط کی مثال **متى تُسافر أسافر**، اور استفہام کی مثال ﴿**متى هذا الوعد إن كنتم صادقين**﴾، یہ بھی اس لئے مبنی ہے کہ یہ حرف شرط اور حرف استفہام کے معنی کو متضمن ہے، صاحب کتاب کے اس قول: **للزمان فيهما** کا یہی مطلب ہے کہ یہ

شرط اور استفہام دونوں میں سے ظرف زمان کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے محشی صاحب نے اس کے لئے مثال دی ہیں متی القتال؟اورمتی تخرج أخرج۔

آٹھویں قسم أیان کی تفصیل

وأیان للزمان استفهامًا: فرماتے ہیں کہ أیان بھی ظروف زمان میں سے ہے لیکن یہ صرف استفہام کے لئے استعمال ہوتا ہے شرط کے لئے کبھی استعمال نہیں ہوتا، اور اس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرف استفہام (ہل أوہمزہ) کے معنی میں ہوتا ہے، اس معنًی مشابہت کیوجہ سے یہ بھی مبنی ہوگیا۔

ایک سوال اوراس کا جواب

اب میرے بھائی! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ متی جو اس سے قبل گذر گیا وہ بھی ظروف زمان میں سے تھا اور استفہام کے لئے وہ بھی استعمال ہورہا تھا، توأیان کو اس کے ساتھ ذکر کیوں نہ فرمایا؟ کیا ان دونوں میں کوئی فرق ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں جناب! ان دونوں میں دوطرح کا فرق پایا جاتا ہے:

(۱) **متی** کلمہ عامہ ہے اس کے ذریعے چھوٹے بڑے ہر قسم کے کام کے متعلق سوال کیا جاسکتا ہے مثلا **متی یوم قیام زید**، اور **متی الساعة**؟ دونوں کہنا جائز ہیں، جبکہ أیان صرف امور عظیمہ یعنی بڑی چیزوں کے متعلق سوال کرنے کے لئے آتا ہے جیسے یہ کہنا توصحیح ہے ﴿**أیان یوم الدین**﴾ لیکن **أیان یوم قیام زیدٍ** کہنا صحیح نہیں ہے۔

(۲) متی کلمہ عامہ ہے ماضی اور مستقبل دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مثلاً متی قدم الحاج اورمتی یقدم الحاج دونوں کہنا صحیح ہے، جبکہ أیان صرف مستقبل کے ساتھ خاص ہے جیسے یہ کہنا تو صحیح ہے ﴿أیان یوم الدین﴾ لیکن أیان قدم الحاج کہنا صحیح نہیں ہے۔

أیان کو أیَّانَ پڑھنا بھی جائز ہے اور إیانَ اور أیَّانِ پڑھنا بھی جائز ہے۔

نویں قسم کیف کی تفصیل

وکیف للحال استفهاماً: بھائی! کیف بھی ظروف مبنیہ میں سے ہے جب یہ استفہام کے معنی میں ہو جیسے کیفَ حالک؟ کا معنی ہے بھائی! آپ کا کیا حال ہے؟ یا آپ کس حال میں ہو؟، اس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی حرف استفہام کے معنی میں ہے اور حرف استفہام مبنی ہوتا ہے لہذا اس کے ساتھ معنًی مشابہت کی وجہ سے یہ بھی مبنی ہو جائے گا، یہ اگر چہ عام علماء نحو کے ہاں ظرف نہیں ہے لیکن جار مجرور کے معنی میں ہے جیسے کیف حالک؟ کا معنی یہ ہوتا ہے علی أيِّ حالٍ أنتَ؟ اور جار مجرور اور ظرف قریب المعنی ہوتے ہیں جیسے سافر زیدٌ یوم الجمعة، أي: في یوم الجمعة، لیکن امام اُخفش رحمہ اللہ کے ہاں یہ خود ہی ظرف ہے اس لئے اس کو ظروف مبنیہ میں شمار فرمایا۔

درس (۱۷)

ظروف مبنیہ میں سے منذ اور مذ کی تفصیل

ومذ ومنذ بمعنى أول المدة، فيليهما المفرد المعرفة، وبمعنى الجميع فيليهما المقصود بالعدد، وقد يقع المصدر أو الفعل أو أنَّ أو إن فيقدر زمانٌ مضافٌ، وهو مبتدأٌ، وخبره ما بعده، خلافًا للزجاج.

ترجمہ: مذ و منذ یہ اول مدت بیان کرنے کے لئے آتے ہیں، پس متصل ہوتا ہے ان دونوں کے ساتھ مفرد معرفہ، اور پوری مدت کے لئے بھی آتے ہیں، پس متصل ہوتا ہے ان کے ساتھ مقصود بالعدد، اور کبھی (مذ اور منذ کے بعد) مصدر یا فعل یا أنّ یا إنّ واقع ہوتے ہیں پس (لفظ مذ اور منذ کے بعد) لفظ زمان مضاف مقدر ہوتا ہے اور وہ (مذ اور منذ) مبتدا ہوتے ہیں اور اس کے بعد اس کی خبر ہوتی ہے لیکن یہ بات زجاج نحوی کے خلاف ہے۔

تشریح: آج کے درس میں ظرف مبنیہ میں سے دسویں قسم (مذ اور منذ) کی تفصیل بیان فرما رہے ہیں:

دسویں قسم: مذ اور منذ کی تفصیل

ومذ ومنذ: صاحب کافیہ اگرچہ الفاظ کے خرچ کرنے میں کافی محتاط آدمی ہیں لیکن آج طالبان علوم ختم نبوت کے لئے اپنے خزانہ الفاظ کے دھانے خوب کھول

کراور بڑی سخاوت سے کام لیکر کافی تفصیل سے مذ اور منذ کو بیان فرمارہے ہیں لیکن شروع والی بات آپ حضرات نے ہدایۃ النحو میں جس انداز سے پڑھی ہیں ایمانداری کی بات یہ ہے کہ دل کو بھانے والی عبارت انہی کی ہے، لیکن پھر بھی ہماری کوشش یہ ہوگی کہ ہم ان دونوں حضرات کی عبارتوں کا قدر مشترک اپنے عزیز طلبہ کے سامنے پیش کریں، فالله المستعان وعليه توكلت وإليه أنيب:

فرماتے ہیں کہ ظروف مبنیہ میں سے مذ اور منذ بھی ہیں، آپ صاحبان اس سے پہلے بھی جانتے ہیں اور مزید حروف کی بحث میں بھی پڑھ لوگے کہ یہ دونوں حروف جارہ میں سے بھی ہیں لیکن یہاں جو ان سے بحث ہوگی وہ حروف جارہ میں سے ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اسماء ظروف میں سے ہونے کی حیثیت سے ہوگی، لہذا جب یہ اسماء ظروف میں سے ہوں تو یہ دو معنوں میں استعمال ہوتے ہیں:

(۱) بمعنى أول المدة: یعنی اس سے پہلے والے فعل کے لئے اول مدت کو بیان کرنا جیسے ما رأيتک مذ أو منذ يوم الجمعة یعنی میں نے آپ کو جمعہ کے دن سے نہیں دیکھا۔

(۲) أو بمعنى جميع المدة: یعنی اس فعل کے لئے جمیع مدت کو بیان کرنا، جیسے ما رأيتک مذ أو منذ شهرٍ أو شهران یعنی میں نے آپ کو مہینے کے شروع سے ابھی تک نہیں دیکھا، لیکن یہ کیسے معلوم ہو کہ یہ پہلے معنی میں ہے یا دوسرے معنی میں؟ کیونکہ عبارتیں تو بظاہر ایک جیسی ہیں، لہذا اس مشکل کے حل کے لئے ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾ پر عمل کرتے ہوئے ہم پہلے صاحب ہدایۃ النحوؒ کے درِ دولت پر جا کر زانوئے تلمذ

تہہ کر کے با اُدب طریقے سے عرض کرتے ہیں کہ حضرت والا! اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو صاحب ہدایۃ النحو نے سراپا شفقت بن کر گویا کہ ہمارے سروں پر ہاتھ رکھ کر مختصر و پر مغز جواب دیدیا کہ بمعنی أول المدة إن صلح جوابًا لمتى، یعنی اگر یہی جملہ متی کے جواب میں واقع ہو تب تو یہ اول مدت کو بیان کرنے کے لئے ہوگا، جیسے کوئی پوچھے متی ما رأیتَ زیدًا؟ تو اس کا جواب ہوگا ما رأیته مذ أو منذ یوم الجمعة، أي: أول مدةِ انقطاع رؤیتي إیاه یوم الجمعة، یعنی میرے اس کو نہ دیکھنے کی ابتدائی مدت جمعہ کا دن ہے، وبمعنی جمیع المدة إن صلح جوابًا لکم؟ اور اگر یہ دونوں کم استفہامیہ کے جواب میں واقع ہوں تو ان کا معنی جمیع مدت ہوگا جیسے کوئی پوچھے کم مدةً ما رأیتَ زیدًا، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا ما رأیته مذ أو منذ یومان، أي: جمیع مدةِ انقطاعِ رؤیتي إیاه یومان، یعنی میں نے اس کو دو دن سے نہیں دیکھا، یعنی میرا اس کو نہ دیکھنے کی پوری مدت دو دن ہیں۔

صاحب ہدایۃ النحو کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تدریجی طور پر ہم نے صاحب کافیہؒ کے دولت کدہ پر حاضر ہو کر درخواست کی کہ حضرتِ والا! صاحب ہدایۃ النحو کے جواب میں اگر کوئی کسر یا کوئی مشکل رہ گئی ہو تو از راہ کرم مختصر اشارات کے ذریعے ہمیں کچھ سمجھا دیں۔

تو صاحب کافیہ نے بڑے مختصر اور جامع کلمات میں جواب دیگر فرمایا کہ مذ اور منذ جب اول مدت کے معنی میں ہوں تو فیلیهما المفرد المعرفة جب

اول مدت کے معنیٰ میں ہوں تو ان دونوں کے بعد جو اسم ہوگا وہ مفرد معرفہ ہوگا، اس لئے کہ اول مدت امر واحد اور متعین وقت ہوگا، وگرنہ بصورت دیگر اس پر اول مدت کا حکم لگانا ہی صحیح نہیں ہوگا؛ کیونکہ نا معلوم وقت سے کلام معلوم کی ابتداء کیسے ہوگی۔

مفرد معرفہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسم تثنیہ یا جمع نہیں ہوگا بلکہ مفرد ہوگا اگر چہ مضاف ہوکر مرکب ہو۔

وبمعنى الجميع فيليهما المقصود بالعدد: اور جب یہ دونوں پوری مدت کے معنیٰ میں ہوں تو ان کے بعد والا اسم متکلم کے مراد کے مطابق ہوگا یعنی اگر وہ ایک دن کا بتانا چاہ رہے ہو تو مفرد ہوگا، دو دن کا بتانا چاہ رہے ہو تو تثنیہ اور تین کا تو جمع، اور چاہے وہ نکرہ ہو یا معرفہ دونوں میں سے کسی ایک کی تعیین کوئی ضروری نہیں؛ کیونکہ جمیع مدت کا بیان کرنا دونوں صورتوں میں حاصل ہو جاتا ہے، جیسے **ما رأيت زيدًا مذ أو منذ يومان، أي: جميع مدة عدم رؤيتي إياه يومان،** یعنی میری اس کو نہ دیکھنے کی جمیع مدت دو دن ہیں۔

وقد يقع المصدر أو الفعل أو أنَّ إو إنَّ: یہاں تک جو قاعدہ منذ اور مذ کے لئے بیان ہوا وہ اصل اور کثیر الاستعمال صورت تھی، اب جو بات ذکر فرما رہے ہیں یہ خلاف الاصل اور قلیل الاستعمال صورت ہوگی جو دخول قد علی المضارع سے ظاہر ہو رہا ہے، **وقد تكلمنا على هذا الموضوع في كتابنا هذا غير مرةٍ** لہذا فرماتے ہیں کہ کبھی کبھار ان دونوں کے بعد مصدر بھی آتا ہے جو ہمیشہ کے لئے مفرد ہوگا تثنیہ اور جمع ہو ہی نہیں سکتا، جیسے **ما خرجتُ مذ أو منذ ذهبتُ،** اور کبھی اَن

مخففہ ہوگا ما خرجت مذ أن ذھبتُ، اور کبھی اَن مثقلہ ہوگا جیسے ما خرجتُ مذ أو منذ أنّک ذاھبٌ، اور کبھی پورا جملہ اسمیہ ہوگا لیکن یہ بہت ہی قلیل الاستعمال صورت ہے جیسے ما خرجتُ مذ أو منذ زیدٌ مسافرٌ، البتہ ان تمام صورتوں میں ان کے بعد لفظ زمانٌ مضاف محذوف ہوگا جیسے پہلی مثال میں آپ کہو گے ما خرجتُ مذ أو منذ زمان ذَھابک۔

الملاحظہ: اکثر ہمارے عزیز طالب علم ساتھی وزن فعالٌ کے مصدر میں غلطی کرتے ہیں اور اس کو فِعالٌ پڑھتے ہیں مثلاً کہتے ہیں ذِھابُ فلانٍ، سِماع الموتی وغیرہ، حالانکہ یہ بفتح الفاء استعمال ہوتا ہے لہذا کہا جائے گا ذَھابُ فلانٍ اور سَماع الموتی وغیرہ۔

ان صورتوں میں یہ اول مدت یا جمیع مدت میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص نہیں ہوں گے بلکہ دونوں معنوں میں موقع محل کے اعتبار سے استعمال ہوں گے۔

مذ اور منذ کی اعرابی حالت

وھو مبتدأ وخبرہ مابعدہ: فرماتے ہیں کہ مذ اور منذ میں سے کوئی بھی ظرف ہوکر جب جملہ میں واقع ہو تو جمہور علماء نحو کے ہاں یہ مبتداء واقع ہوں گے اور مابعد والا اسم ان کے لئے خبر بنے گا۔

خلافاً للزجاج: امام زجاج رحمہ اللہ اس مسئلہ میں جمہور کے محاذ مخالف پر ہے وہ فرماتے ہیں کہ منذ اور مذ دونوں مبتداء نہیں بلکہ خبر مقدم واقع ہوں گے، اور ان کا مابعد مبتداء مؤخر ہوگا، ان کی دلیل یہ ہے کہ مذ اور منذ دونوں اسم ظرف نکرہ ہیں اور نکرہ

مبتداء نہیں بن سکتا، دوسری دلیل یہ ہے کہ جب بھی شروع میں جار مجرور یا ظرف واقع ہو تو اسے خبر مقدم بنایا جاتا ہے، لیکن جمہور علماء نحو اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ دونوں اگرچہ نکرہ ہیں لیکن انہیں معرفہ کی تاویل میں لیکر مبتداء بنا دیں گے۔

اور ان کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں لفظا اور وضعا ہر طرح حروف کے مشابہ ہیں لفظا تو حروف جارہ میں سے مذ اور منذ کے ساتھ ان کی مشابہت ہے اور وضعا بھی حروف جارہ میں سے دو حرفی اور تین حرفی حروف کے ساتھ ان کی مشابہت ہے لہذا وہ مبنی ہیں تو یہ بھی ان کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مبنی ہوں گے۔

درس (۱۸)

باقی ظروف مبنیہ کی تفصیل

ومنها لدى ولدن، وقد جاء لدنِ ولدِنْ ولُدْنِ ولَدْ ولُدْ ولَدُ، ومنها قطُّ للماضي المنفي، وعوض للمستقبل المنفي، والظروف المضافة إلى الجملة وإذ يجوز بناؤها على الفتح، وكذلك مثل وغير مع ما وأن وأنَّ.

ترجمه: اور ان میں سے ایک لدی اور لدن ہیں اور ان میں چند لغات اور بھی ہیں لدن ولدن ولد ولد ولد، اور ان میں سے ایک قط ہے جو ماضی منفی کیلئے آتا ہے اور عوض مستقبل منفی کے لئے آتا ہے، اور وہ ظروف جو مضاف ہوں جملے اور اذ کی طرف ان کا مبنی بر فتحہ ہونا جائز ہے اور ایسے ہی مثل اور غیر جب کہ

مع اور اَنْ اور اَنَّ کے ساتھ ہوں۔

تشریح: ۔آج کے درس میں ظروف مبنیہ کی آخری تین قسمیں اور اس کے بعد ایک جامع قاعدہ ذکر فرمائیں گے:

گیارھویں قسم لدی اور لدن کی تفصیل

ومنها لدی و لدن: فرمار ہے ہیں کہ لدی اور لدن بھی اسماء ظروف میں سے ہیں یہ دونوں **عند** کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جیسے **المال لدی زیدٍ** یہ **المال عند زیدٍ** کے معنی میں ہے، ان میں فرق یہ ہے کہ **عند** اس وقت استعمال ہوتا ہے جب مذکورہ مال صرف ملکیت میں ہو اور اس پر اس کا قبضہ ہو، آگے عام ہے کہ وہ مال مالک کے پاس فی الحال موجود ہو یا نہ ہو بلکہ گھر میں یا کسی کے پاس امانت ہو، اور **لدی** اور **لدن** اس وقت استعمال ہوں گے جب مال مالک کے پاس عندالتکلم حاضر موجود ہو جیسے **المال لدیک یا المال لديَّ یا المال لدیه**، جیسا کہ صاحب ہدایۃ النحو نے صراحتاً اس کو متن میں بیان فرمایا ہے **والفرق بینهما أنَّ عند لا یشترط فیه الحضور ویشترط ذلک في لدی ولدن**۔

وقد جاء لدنِ ولَدِني ولُدْنِ ولَدُ ولُدي ولَدْ: فرماتے ہیں کہ لدنْ میں اہل عرب کے ہاں دیگر قراءتوں کے ساتھ (**لدنِ ولَدِني ولُدْنِ ولَدُ ولُدي ولَدْ**) بھی استعمال ہوا ہے، اور ان کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لدُن کے آخری تین لغات تو وضعاً حروف کے ساتھ مشابہ ہو گئے، اور باقی تین لغات اور لدی انہیں تینوں پر محمول ہونے کی وجہ سے مبنی ہو گئے۔

بارھویں قسم قطُّ کی تفصیل

ومنها قطُّ للماضي المنفي: فرماتے ہیں کہ ظروف مبنیہ میں سے ایک قطُّ بھی ہے، للماضي المنفي اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ ماضی منفی میں استغراق نفی کے لئے آتا ہے جیسے ما رأيته قطُّ یعنی میں نے اس کو کبھی بھی نہیں دیکھا، بلکہ اگر یہ مضارع منفی پر داخل ہو تب بھی وہ ماضی منفی کے معنی میں ہوگا جیسے حدیث پاک میں ارشاد مبارک ہے لم يتمعّر وجهه قطُّ، اس میں بنی اسرائیل کے ایک ولی کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کھلی نافرمانیاں دیکھ کر بھی کبھی اس کا چہرہ متغیر نہیں ہوا۔

قطُّ میں اس کے اصل کے علاوہ بھی چار لغات کلام عرب میں مستعمل ہیں: قُطُ قُطُّ قَطُ وقُطْ۔ (تقریر کافیہ۲/۵۲)۔

تیرھویں قسم عوض کی تفصیل

وعوض للمستقبل المنفي: فرماتے ہیں کہ عوض بھی ظروف مبنیہ میں سے ہے اور یہ مستقبل میں نفی کے استغراق کے لئے استعمال ہوتا ہے، جیسے لا أضربک عوضُ، یعنی میں تمہیں کبھی نہیں ماروں گا، اس میں اصل کے علاوہ باقی تین لغات کلام عرب میں مستعمل ہیں: جیسے عَوضُ، عَوضَ، عَوضِ، قطُّ اور عوضُ کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قطُّ میں آخری دو لغات دو حرفی ہے جو وضعًا حروف کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مبنی ہیں اور باقی لغات انہیں پر محمول کئے گئے ہیں، اور بعض کے ہاں قطُّ اس لئے مبنی ہے کہ اس کو عوض پر حمل کیا گیا ہے اور خود عوض اس لئے مبنی ہے کہ یہ بھی قبل اور بعد کی طرح محذوف منوی ہوتی ہے اور قبل اور بعد ایسی صورت

میں مبنی ہوتے ہیں اس لئے عوضٌ بھی اس کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مبنی ہوگیا، اور عوض کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے قطُّ بھی مبنی ہوگیا۔

ایک جامع قاعدہ

والظروف المضافة إلى الجملة وإذ: صاحب کافیہ جب ظروف مبنیہ کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب ان اسماء ظروف کے لئے جو معرب ہیں لیکن بعض صورتوں میں مبنی بھی استعمال ہوتے ہیں ان کے لئے ایک جامع قاعدہ بیان فرمارہے ہیں، قاعدہ یہ ہے کہ وہ اسماء ظروف جو مبنی نہیں ہیں جب ان کی اضافت جملہ کی طرف ہوجائے یا اس کلمہ إذْ کی طرف مضاف ہو جو جملہ کی طرف مضاف ہو، یا اس کو یوں کہو کہ وہ ظروف جملہ کی طرف براہ راست مضاف ہوں یا بواسطہ إذ کے مضاف ہوتو ایسے اسماء کو معرب ومبنی دونوں طرح پڑھنا جائز ہیں، معرب تو اس لئے کہ اسماء میں اصل معرب ہونا ہے اور یہ بھی اسماء ہیں اس لئے معرب ہوگئے، اور مبنی پڑھنا اس لئے جائز ہیں کہ یہ مضاف ہیں جملہ کی طرف اور جملہ من حیث الجملہ صاحب مفصل کے ہاں مبنی ہوا کرتا ہے، اس لئے اس کی طرف مضاف ہونے والے اسماء بھی مبنی ہوں گے جیسے ﴿هذا يوم ينفع الصادقين صدقهم﴾ میں یوم کو مبنی بر فتح پڑھنا بھی جائز ہے اور معرب بنا کر مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے، اسی طرح یومئذٍ اور حینئذٍ میں یوم اور حین کی اضافت إذ کی طرف ہوتی ہے اور اسی إذ کی اضافت كان كذا کی طرف ہوتی ہے اس لئے ان میں بھی وہی دو طریقے جائز ہیں۔

وكذلك مثل وغير مع ما وأنْ وأنَّ: فرماتے ہیں کہ لفظ مثل اور

غیر کے بعد اگر مـــا، أنْ، أنَّ میں سے کوئی ایک آ جائے تو بھی ان میں دو وجہیں (معرب اور مبنی پڑھنا) جائز ہے، معرب تو اس لئے کہ یہ دونوں بھی اسماء ہیں اور اسماء میں اصل اعراب ہوتا ہے، اور مبنی پڑھنا اس لئے جائز ہے کہ ایسی (اضافت کی) صورت میں ان کی مشابہت ہوگی ان ظروف کیساتھ جو جملہ کی طرف مضاف ہوتے ہیں اور ان کا مبنی پڑھنا جائز ہے، تو ان کا مبنی پڑھنا بھی جائز ہوگا جیسے طالعتُ مثل ما طالعَ زیدٌ، اور قیامي مثل أن تقومَ أو غیرَ أن تقومَ، اور قیامي مثل أنَّک قائمٌ أو غیر أنَّک قائمٌ۔

والله أعلم بالصواب وعلمه أتم وأكمل

درس (۱۹)

معرفہ اور نکرہ کا بیان

المعرفة والنكرة: المعرفة ما وضع لشيء بعينه، وهي المضمرات والأعلام والمبهمات وما عرِّف باللام أو النداء، والمضاف إلى أحدهما معنًى، العَلم: ما وضعَ لشيء بعينه غير متناول غيره بوضعٍ واحدٍ، وأعرفها المضمر المتكلم ثم المخاطب، النكرة ما وضع لشيء لا بعينه.

ترجمہ: معرفہ وہ اسم ہے جو وضع کیا گیا ہو شئے معین کے لئے اور یہ مضمرات اور اعلام اور مبہمات ہیں، اور جسے معرفہ بنایا گیا ہو لام کے ساتھ یعنی (معرف باللام) اور

ندا اور جوان میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو اضافت معنویہ کے ساتھ، علم وہ ہے جو وضع کیا گیا ہو شئے معین کے لئے جو اس کے غیر کو ایک وضع سے شامل نہ ہو، اور معرفہ میں سے زیادہ معرفہ ضمیر متکلم پھر مخاطب ہے، اور نکرہ وہ ہے جو غیر معین شے کے لئے وضع کیا گیا ہو۔

تشریح: دیکھو میرے پیاروں! آپ حضرات نے اسم کی دو قسمیں معرب اور مبنی پورے بسط و تفصیل سے پڑھ لی، اب علامہ ابن حاجبؒ اسی اسم کی عموم اور خصوص کے اعتبار سے مزید دو قسمیں یعنی معرفہ اور نکرہ کو بیان فرما رہے ہیں، لہذا اسماء العدد تک کی اس پوری عبارت میں پانچ باتیں بیان کریں گے:

(۱) معرفہ اور نکرہ کی تعریف۔

(۲) معرفہ کی اقسام۔

(۳) اسم علم کی تعریف۔

(۴) اُقسام معرفہ میں فرق مراتب۔

(۵) نکرہ کی تعریف۔

پہلی بات: معرفہ اور نکرہ کی تعریف

المعرفة ما وُضع لشيءٍ بعينه: معرفہ وہ اسم ہے جسے بعینہ ایک ہی چیز کے لئے وضع کر دیا گیا ہو، اس تعریف میں المعرفة معرف اور ما وضع لشيء بعينه اس کی تعریف ہے، تعریف میں کلمہ ما جنس کے درجے میں ہے یعنی جیسے ہی صاحب کتاب نے کہا کہ معرفہ وہ اسم ہے تو تمام کے تمام اسماء اس میں داخل ہو گئے،

لیکن جیسے ہی وُضـع فرما کر فصل اول کی چوکی قائم فرمائی تو تعریف میں اسماء موضوعہ کو داخل ہونے کی اجازت تو دیدی لیکن اسماء مہملہ کو ایک دم خارج فرمایا، پھر لشـيءٍ بعینـه فرما کر جب فصل ثانی کی چوکی لگائی تو اپنی تعریف میں صرف اسماء معرفہ کو باقی چھوڑ لادیگر سارے کے سارے اسماء نکرہ کو خارج کر دیا۔

دوسری بات: معرفہ کی اقسام

وهي المضمرات والأعلام والمبهمات وما عرِّف باللام أو النداء، والمضاف إلى أحدهما معنًى: اس عبارت میں علامہ ابن حاجبؒ نے معرفہ کی چھ قسمیں بیان فرمائی ہیں: مضمرات، اعلام، مبہمات، معرف باللام، منادی، اور مذکورہ اسماء میں سے کسی ایک اسم کی طرف اسم نکرہ کا مضاف ہونا۔

یہاں ہمارے عزیز طلبہ ساتھیوں کو اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ جناب محترم! ہم لوگ تو نحو میر میں سات قسمیں پڑھکر آرہے ہیں یہاں چھ کیسی ہوگئیں؟۔

عزیزان محترم! اس کا جواب یہ ہے کہ آپ حضرات نے ہدایۃ النحو میں بھی یہی چھ قسمیں پڑھی ہیں وہاں بھی آپ حضرات کو یہ اشکال ہوا ہوگا، جس کا جواب آپ کو اسی ہدایۃ النحو کے متن میں یہ ملا ہوگا کہ **والمبهمات: أعني أسماء الإشارات والموصولات**، یعنی تیسری قسم مبہمات جو بظاہر ایک قسم لگ رہی ہے یہ اصل میں دو قسموں کو شامل ہے یعنی اسماء اشارات اور اسماء موصولات، لہذا وہاں جو سات قسمیں پڑھی تھی وہ یہاں بھی سات ہی قسمیں بن گئیں۔

منزل د ٹولو یو دے خو سفر جدا جدا

وقال: عبارا تنا شتی وحسنک واحدٌ

تیسری بات: اسم علم کی تعریف

العلم ما وضع لشيءٍ بعينه غير متناول غيره بوضعٍ واحدٍ:

صاحب کافیہ یہاں سے لف نشر غیر مرتب طریقے سے مذکورہ اقسام کی تعریف فرمارہے ہیں، قرآن مجید میں بھی بعض جگہ یہ اسلوب بیان ہوا ہے جیسے قول باری تعالی ہے ﴿**يوم تبيض وجوه وتسود وجوه، فأما الذين اسودت وجوههم أكفرتم بعد إيمانكم**﴾ **فليراجع المشتاق إلى تفسير هذه الآية۔**

لہذا اسم علم کی تعریف بیان کرتے ہوئے صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ **ما وضع لشيءٍ بعينه غير متناول غيره بوضعٍ واحدٍ:** یعنی علم وہ اسم ہے جو ایک معین چیز کے لئے اس طرح وضع کیا گیا ہو کہ اس کا غیر اس میں شامل نہ ہو جیسے محمد ارشاد ایک طالب علم کا نام ہے جو خاص اسی کے لئے متعین کیا گیا ہے اس کا غیر اس میں شامل نہیں ہے۔

اتنا کہنے سے کسی عزیز طالب علم کو اشکال ہوسکتا ہے کہ جناب محترم! ہمارے درجہ ثالثہ میں تو ایک ہی نام محمد ارشاد کے چار طالبعلم ہیں آپ نے کیسے فرمایا کہ اس نام میں اس کا غیر شامل نہیں ہوسکتا؟۔

اس کا جواب صاحب کافیہؒ خود دے رہے ہیں کہ میرے عزیز! آپ کیوں پریشان ہوتے ہو ابھی تک میری تعریف پوری ہوئی نہیں ہے، یہ تو ایسا ہوا جیسے کوئی

طالب علم سمندر میں تیرنے کے لئے بڑے شوق سے جارہے ہو اور پہنچے یہاں سے اوپر کو اٹھالے، آپ آگے دیکھئے بوضعٍ واحدٍ کو، یعنی یہی نام محمد ارشاد جو اس متعین طالب علم کے ساتھ خاص ہے اور اس کے غیر کو شامل نہیں ہے وہ ایک وضع کی بات ہو رہی ہے، اگرچہ اس نام کے چار طالبعلم ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کے لئے یہ نام الگ الگ رکھا گیا ہے، تو گویا کہ یہ بوضعٍ واحدٍ نہیں بلکہ بأوضاع متعددةٍ کے ساتھ ہے۔

مذکورہ تعریف میں فوائد وقیود

مذکورہ عبارت میں العلم معرف اور باقی اخیر تک اس کی تعریف ہے، اس میں ماوضع لشيءٍ بعینہ جنس کے درجے میں ہے جو معرفہ کی تمام اقسام کو شامل ہے، غیر متناولٍ غیرہ یہ فصل ہے جس کے ذریعے علم کے علاوہ باقی اقسام خارج ہوگئیں، اور بوضعٍ واحدٍ: قید دافع عن الشبہ ہے، یعنی ماقبل والا شبہ جو کسی طالبعلم کے ذہن میں آسکتا تھا کہ شاید علم مشترک بھی غیر متناول غیرہ کے ذریعے خارج ہو چکا ہوگا تو یہ قید لگا کر اس شبہ کو ختم کر کے علم مشترک کو باقی رکھا۔

چوتھی بات: اقسام معرفہ میں فرق مراتب

وأعرفها المضمر المتكلم: عزیز طلبہ! صاحب کافیہ کو اللہ تعالی نے ان علوم کے ساتھ علوم معرفت سے بھی نوازا تھا، تو شاید ان کو کشف ہو چکا ہوگا کہ میرے بعد الشیخ محمد عثمان صاحب ہدایۃ النحو آئینگے جو میری کتاب کی ترتیب پر کتاب لکھ کر اس کی مغلقات کو بھی کھولدیں گے، اس لئے یہاں بالکل مختصر الفاظ میں وأعرفها

المضر المتکلم ثم المخاطب فرما کرنکرہ کا بحث شروع فرمایا، لیکن پھر واقعی میں الشیخ محمد عثمان صاحب ہدایۃ النحو نے آکر اس کے ایک ایک گرہ کو کھول کر بیان کردیا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: واعرف المعارف المضمر المتکلم، نحو أنا نحن، ثم المخاطب، نحو: أنت، ثم الغائب، نحو: هو، ثم العَلم، ثم المبهمات ثم المعرف باللام ثم المعرف بالنداء۔ (ہدایۃ النحو:٩١)۔

یعنی سب سے اعلی درجہ کا معرفہ متکلم کی ضمیر ہے جیسے أنا اور نحن، اس کے بعد مخاطب کی ضمیر ہے جیسے أنت أنتما أنتم وغیرہ، اس کے بعد غائب کی ضمیر ہے جیسے هو هما هم وغیرہ، اور اس کے بعد علم جیسے بلالٌ ارشادٌ وغیرہ، اور اس کے بعد مبہمات یعنی اسماء اشارات اور اسماء موصولات دونوں ایک ہی درجہ میں ہیں جیسے هذه، هذان، الذي، الذان وغیرہ، پھر ان کے بعد اسم معرف باللام جیسے الکتاب الکراسة وغیرہ، اور اس کے بعد معرفہ بالنداء جیسے یا طالب! وغیرہ، اور وہ اسم جو معرفہ بالنداء کے علاوہ دیگر چار قسموں کی طرف مضاف ہو اس کا درجہ مضاف الیہ کے درجہ کے اعتبار سے ہوگا، یعنی مضاف الیہ اگر سب سے اعلی درجے کا معرفہ ہے تو یہ مضاف بھی اسی درجہ کا معرفہ بن جائے گا جیسے کتابي قلمي وغیرہ وقس علی هذا۔

پانچویں بات: نکرہ کی تعریف

النکرة ما وضع لشيء لا بعینه: اس عبارت میں نکرہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے صاحب کتاب فرما رہے ہیں کہ نکرہ ہر وہ اسم ہے جس کو کسی غیر معین چیز کے لئے وضع کیا گیا ہو جیسے کتابٌ وقلمٌ اس عبارت میں معرف اور تعریف تو آپ

حضرات جانتے ہی ہوں گے البتہ صرف اتنا سمجھ لیں کہ تعریف میں ما وضع لشيء جنس ہے، جو معرفہ اور نکرہ دونوں کو شامل ہے لا بعینه فصل ہے جس کے ذریعے معرفہ کی تمام قسمیں خارج ہوگئیں صرف اسماء نکرہ باقی رہے۔

والله أعلم بالصواب وعلمه أتم وأكمل

﴿وما أوتيتم من العلم إلا قليلا﴾

درس (۲۰)

اسم عدد کا بیان

أسماء العدد: ما وضعَ لكميَّة آحاد الأشياءِ، أصولها اثنتا عشرةَ كلمةً: واحدةٌ إلى عشرةٍ، ومائةٌ وألفٌ، تقول: واحدٌ اثنان، واحدةٌ اثنتان وثنتان، وثلاثةٌ إلى عشرةٍ، وثلاثٌ إلى عشرٍ، وأحد عشر اثنا عشر، إحدى عشرةَ اثنتا عشرةَ وثنتا عشرةَ، ثلاثةَ عشرَ إلى تسعةَ عشرَ، وثلاث عشر إلى تسع عشرةَ، وتميمٌ تكسّر الشينَ في المؤنث، وعشرون وأخواتها فيهما، وأحدٌ وعشرون، وإحدى وعشرون، ثم بالعطف بلفظ ما تقدم إلى تسعةٍ وتسعينَ، ومائةٌ وألفٌ، مائتان وألفان فيهما ثم بالعطف على ما تقدمَ، وفي ثماني عشرة فتح الياء، وجاز إسكانها، وشُذَّ حذفها بفتح النون.

ترجمہ: اسماء عدد (اسم عدد) وہ اسم ہے جو وضع کیا گیا ہو اشیاء کے افراد کی مقدار

پر دلالت کرنے کے لئے، اور اس کے اصول بارہ کلمے ہیں واحد سے عشر تک اور مـــائة اور الفٌ جیسے تو کہے (واحد اور اثنان میں موافق قیاس) واحد اور اثنان، اور واحدةٌ واثنتان وثنتان، اور (تین سے دس تک خلاف قیاس) ثلثة سے عشرةً اور ثلث سے عشر تک (اور گیارہ اور بارہ موافق قیاس) جیسے أحد عشر اور اثنا عشر اور احدی عشرة اور اثنتا عشرة (اور تیرہ سے لے کر انیس تک خلاف قیاس) جیسے ثلاثة عشر سے تسعة عشر تک ثلث عشرة سے تسعة عشرة تک اور بنوتمیم (عشرة) میں شین کو کسرہ دیتے ہیں مؤنث میں اور عشرون اور اس کے ہم مثل ان دونوں (مذکر اور مؤنث) میں برابر استعمال ہوتے ہیں (اکیس بائیس موافق قیاس) ہیں جیسے احدو عشرو ن اور احدی و عشرو ن، پھر عطف ہوگا اسی لفظ کے ساتھ جو گذرا تسعة و تسعين تک، اور مائة اور ألف و مئتا ن اور ألفان ان دونوں میں (مذکر اور مؤنث میں برابر ہیں) پھر عطف کریں گے اس کے مطابق جو گذرا، اور ثمانی عشرة میں یاء کے فتحہ کے ساتھ اور اس کا سکون بھی جائز ہے، اور اس کو حذف کر کے نون کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا شاذ ہے۔

تشریح: دیکھو میرے عزیز طلبہ! آج کی عبارت اگرچہ بڑی طویل ہوگئی ہے لیکن اگر آپ حضرات غور کریں گے تو اس میں صرف پانچ باتیں ہیں:

(۱) اسم عدد کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔

(۲) اصول عدد کی تحقیق۔

(۳) عدد کے استعمال کا طریقہ۔

(۴) اسم عدد کی تمیز۔

(۵) عدد ترتیبی کا بیان۔

پہلی بات: اسم عدد کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

اسماء جمع ہے اسم کی، اور عدد کا لغوی معنی ہے گننا، تو أسماء العدد کا معنی ہوگا گنتی کے نام، اور اصطلاح میں اس کی تعریف کرتے ہوئے صاحب کافیہ فرمار ہے ہیں کہ ما وضع لكمية آحاد الأشياء، یعنی اسم عدد وہ اسم ہے جو اشیاء کے افراد کی مقدار کو بیان کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہو، جیسے ﴿أحد عشر كوكبًا﴾ میں ستاروں کے افراد کی مقدار کو بیان کیا گیا ہے یعنی گیارہ ستارے۔

دوسری بات: اصول عدد کی تحقیق

أصولها اثنتا عشرة كلمةً: أصول أصلٌ کی جمع ہے لیکن لفظ اُصول بھی مفرد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کا معنی ہے طریقہ اور بنیاد، یہاں بنیاد کے معنی میں ہے، یعنی وہ اسماء جن کو ترتیب دینے کے بعد پوری گنتی اور عدد انہیں سے بنے، اور اس کی بنیاد انہیں کے اوپر ہو، تو صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ ایسے اصول کل بارہ ہیں جن میں سے نو اکائیاں ہیں، یعنی ایک سے لے کر نو تک، اور ایک دہائی ہے یعنی عشرةٌ، اور ایک سینکڑہ ہے یعنی مائةٌ، اور ایک ہزار ہے یعنی ألفٌ، تو یہ کل بارہ اصول ہو گئے باقی پوری عدد انہیں اصول سے بنتی ہے۔

تیسری بات: عدد کے استعمال کا طریقہ

تقول: واحدٌ اثنان، واحدةٌ اثنتان وثنتان، وثلاثةٌ إلى عشرةٍ، وثلاثٌ إلى عشرٍ، وأحد عشر اثنا عشر، إحدى عشرةَ اثنتا عشرةَ

وثنتا عشرةَ، ثلاثةَ عشرَ إلى تسعةَ عشرَ، وثلاث عشر إلى تسع عشرةَ: عزیز طلبہ! صاحب کافیہ کا آپ حضرات سے بڑی محبت ہے اس لئے کہ آپ کو انگلی سے پکڑ کر چلا رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ جیسے آپ لوگوں نے بچپن میں ایک دو تین اور آپ کے ساتھیوں نے سکولوں میں ون ٹو تری یاد کیا تھا تو آج اسی طریقے سے فخریہ طور پر عربی گنتی بھی یاد کرلو، اور پھر شکر بجالاؤ کہ ہماری نسبت عربی جیسی ایک مبارک زبان کے ساتھ ہے، پھر بسم اللہ پڑھ کر اسم مذکر کی گنتی کو اس طرح سے پڑھو: واحدٌ، اثنان، ثلاثةٌ، أربعةٌ، خمسةٌ، ستةٌ، سبعةٌ، ثمانيةٌ، تسعةٌ، عشرةٌ۔

اور اسم مؤنث کی اس طرح پڑھو: واحدةٌ، اثنتان یا ثنتان، ثلاث، أربع، خمسٌ، ستٌّ، سبعٌ، ثمان، تسعٌ، عشرٌ۔

اور دس کے بعد مذکر کے لئے اس طرح پڑھو: أحد عشرَ، اثنا عشر، ثلاثة عشر، أربعة عشر، خمسة عشرة، ستة عشر، سبعة عشر، ثمانية عشر، تسعة عشر، عشرون، اسی طرح ننیانوے تک پڑھو، صرف اتنا خیال رہے کہ عشر کے بجائے بیس کی دہائی میں عشرون لگاؤ، اور تیس کی دھائی میں ثلاثون اور چالیس والی میں أربعون اور پچاس والی میں خمسون، ساٹھ والی میں ستون، وهكذا إلى تسعين۔

اور دوسری بات یہ کہ أحد عشر سے تسعة عشر تک تو واو عطف محذوف ہوگا جس کو عام طور پر ہم یوں تعبیر کرتے ہیں کہ مرکب بنائی میں جزء ثانی حرف کو متضمن ہوتا ہے جبکہ یہی واو أحد و عشرون کے بعد سے لے کر تسعة

وعشـــرون تک محذوف نہیں ہوگا بلکہ اسے ذکر کیا جائے گا جیسے صاحب کافیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ثم بالعطف بلفظ ما تقدم إلى تسعة وتسعين۔

اور مؤنث کے لئے اس طرح کہو: إحدى عشرة، اثنتا عشرة یاثنتا عشرة، ثلث عشرة، أربع عشرة، خمس عشرة، ست عشرة، سبع عشرة، ثماني عشرة، تسع عشرة، عشرون، اسی طرح اس میں بھی ننیانوے تک کہو صرف اتنا خیال رہے کہ ایک تو عشرات یعنی عشرون، ثلثون، أربعون إلخ مذکر ومؤنث دونوں میں برابر رہیں گے، دوسری بات یہ ہے کہ ۱۱، ۱۲، ۲۱، ۲۲، ۳۱، ۳۲، اسی طرح ۹۱، ۹۲ تک مذکر کے لئے عدد کے دونوں جزء مذکر ہوں گے اور مؤنث کے لئے عدد کے دونوں جزء مؤنث ہوں گے، اس کے بعد ۱۹، ۲۹، ۳۹، ۴۹ إلـــى ۹۹ تک مذکر کے لئے عدد کا پہلا جزء مؤنث اور دوسرا مذکر ہوگا، اور مؤنث کے لئے عدد کا پہلا جزء مذکر اور دوسرا مؤنث ہوگا، بالفاظ دیگر یہ کہو: کہ جزء متصل تو موافق المعدود ہوگا، اور جزء منفصل مخالف المعدود ہوگا۔

اس کے بعد مـائةٌ مائتان اور ألفٌ ألفان مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے ایک ہی طرح پڑھو جیسے مائةُ رجلٍ، ومائة امرأةٍ، ومائتا رجلٍ، ومائتا امرأةٍ، اسی طرح ألف رجلٍ وألف امرأةٍ، ألف رجلٍ اور ألفا رجلٍ وألف امرأةٍ اور ألفا امرأةٍ۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ ثلثةٌ سے تسعةٌ تک اور اس کے بعد دھائیوں

میں جزء منفصل مخالف قیاس یعنی معدود کے مخالف کیوں ہوتا ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اعداد میں اصل مؤنث ہے اس لئے کہ اگر عدد اکیلا استعمال ہوتو وہ مؤنث استعمال ہوتا ہے جیسے ثلثةٌ، أربعةٌ، خمسةٌ وغیرہ، اور اسماء میں اصل تذکیر ہے اور مؤنث اس کے تابع ہوتی ہے، تو گویا کہ اصل (اسماء) کو اصل (عدد مؤنث) دیا، اور تابع (اسم مؤنث) کو تابع (عدد مذکر) دیا۔ (تقریر کافیہ ۲/۵۸)

عزیز طلبہ! یہاں تک تو آپ حضرات نے مائةٌ اور ألفٌ یعنی سینکڑہ اور ہزار کی گنتی سیکھ لی، اب اس سے آگے آپ کہو گے مائة وواحد کتبٍ، اور مائة وواحدة کراسة، مائة واثنان قلمٍ، مائة واثنتان حقیبةٍ اس طرح ألف واثنتان کراسةٍ، یعنی ایک سو ایک اور دو، اسی طرح ایک ہزار ایک اور دو میں عدد معدود کے موافق ہوگا، اس کے بعد جیسے ننیانوے تک جو طریقہ آپ نے پڑھ لیا ہے بالکل اسی طریقے سے آگے والی گنتی ہے صرف یہ کہ اس کے شروع میں مائةٌ، مائتان، ثلث مائة إلی تسعة مائةٍ، اسی طرح ألفٌ، ألفان، ثلاثة آلافٍ، أربعة آلافٍ إلخ لگانا ہوگا، یہی مطلب ہے صاحب کافیہ کے قول ثم بالعطف علی ما تقدمَ کا۔

یہ تو ہوگئی عدد کی تفصیل، اب درمیان میں جو تھوڑی سی عبارت رہ گئی ہے اس کا مطلب سمجھ لو۔

وتمیمٌ تکسّرُ الشینَ في المؤنث وعشرون وأخواتها فیهما:

فرماتے ہیں کہ یہاں تک جو عدد کی تفصیل آپ حضرات کے سامنے آگئی، یہ جمیع اہل عرب حضرات کے ہاں ہے، البتہ ایک ہی قبیلہ جو بنو تمیم کہلاتا ہے وہ عشرةٌ کو عِشرةٌ

اور أحد عشر کو أحد عِشَرَ پڑھتے ہیں، اسی طرح عِشرون کو تسعة وعشرون تک عِشِرُونَ پڑھتے ہیں، صاحب حاشیہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ إحدی عشرة اور ثنتا عشرةَ میں چار اور ثلثةَ عشرَ تا تسعةَ عشر اور ثلث عشرَةَ تا تسع عشرةَ میں پانچ فتحات کا پے در پے ایک ساتھ جمع ہونا لازم آرہا ہے اس لئے شین کو کسرہ دیا جائے گا۔

لیکن واللہ أعلم بالصواب صاحبِ حاشیہ کی یہ بات ذرا قابل غور ہے؛ کیونکہ اگر یہی بات ہے تو پھر عشرون اور اس کے اخوات (أحد وعشرون تا تسعة وعشرون) میں اسی شین کو کیوں کسرہ دیا جاتا ہے ان میں تو کوئی توالی فتحات حتی کہ توالی حرکات بھی لازم نہیں آرہا۔

دوسری بات صاحب حاشیہ کی یہ قابل غور ہے کہ انہوں نے أخواتها کی تشریح کرتے ہوئے اس سے ثلاثون، أربعون، خمسون إلی تسعین مراد لیا ہے، حالانکہ اگر یہی مراد لئے جائے تو ایک تو ان میں مذکورہ علت نہیں پائی جاتی، اور دوسری یہ کہ صاحبِ کافیہ نے وتکسر الشین فرمایا ہے جبکہ ان (ثلاثون أربعون وغیرہ) میں تو شین کہی ہے نہیں ہے۔

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ أخواتها سے مراد ہی وہی ہو جو ابھی عرض کیا گیا، اور کسرہ دینے کی علت سوائے اس کے اور کچھ نہ ہو کہ یہ محض کلمہ کو ثقل سے خفت کی طرف لانے کے لئے کیا گیا ہے، قطع نظر اس سے کہ چار فتحات ہیں یا پانچ۔

والله أعلم بالصواب وعلمه أتم وأكمل

﴿وما أوتيتم من العلم إلا قليلا﴾.

فائده: وفي ثماني عشرة فتح الياء وجاز إسكانها: فرماتے ہیں کہ ثماني عشرة میں یاء پر فتح پڑھا جائے گا، البتہ یاء کو ساکن کرکے پڑھنا بھی جائز ہے، وشذَّ حذفها بفتح النون، فرماتے ہیں کہ یاء کو حذف کرکے پھر نون پر فتح پڑھنا شاذ ہے؛ کیونکہ نون کو فتح دینے کی نہ ہمارے پاس کوئی قاعدہ ہے اور نہ کوئی علت، البتہ یاء کو حذف کرکے نون کو کسرہ دینا صحیح ہے؛ کیونکہ کسرہ کم از کم یاء کے حذف ہونے پر دلالت تو کرے گا۔

درس (۲۱)

اسم عدد اور اس کی تمیز کا بیان

ومميز الثلاثة إلى العشرة مخفوضٌ مجموعٌ لفظًا أو معنى إلا في ثلثمائةٍ إلى تسعمائةٍ، وكان قياسها مئاتٍ أو مِئينَ، ومميز أحد عشر إلى تسعةٍ وتسعين منصوبٌ مفردٌ، ومميز مائةٍ وألفٍ وتثنيتهما وجمعه مخفوضٌ مفردٌ، وإذا كان المعدود مؤنثًا واللَّفظ مذكرٌ، أو بالعكس فوجهان، ولا يميَّزُ واحدٌ واثنان استغناءً بلفظ التمييز عنهما، مثل: رجلٌ ورجلان لإفادة النصِّ المقصود بالعدد، وتقول في المفرد من المتعدد باعتبار تصييره: الثاني والثانية إلى العاشر والعاشرة لا غيرُ، وباعتبار حاله: الأول والثاني والأولى والثانية، إلى العاشر والعاشرة، والحادي عشر والحادية عشرة، والثاني عشر والثانية

عشرة إلى التاسع عشر والتاسعة عشرة، ومن ثم قيل في الأول: ثالث اثنين، أي: مصيرهما ثلاثةً من ثلثتهما، وفي الثاني: ثالث ثلاثةٍ أي: أحدهما، وتقول حادي عشرَ أحد عشرَ على الثاني خاصّةً، وإنْ شئتَ قلتَ: حادي أحد عشرَ إلى تاسع تسعة عشر، فتعرب الأول.

ترجمہ: اور ثلثة سے لے کر عشرہ تک کی تمیز جمع مجرور واقع ہوتی ہے چاہے لفظاً جمع ہو یا معناً مگر ثلثمائةٍ سے تسعمائةٍ تک تمیز مفرد مجرور ہوتی ہے، قیاس کے مطابق اس کی تمیز مئات یا مئین آنی چاہیے تھی أحد عشر سے تسعة وتسعين تک کی تمیز مفرد منصوب ہوتی ہے، اور مائة اور ألف کی تمیز اور ان کے تثنیہ اور جمع کی تمیز مفرد مجرور ہوتی ہے، اور جب معدود معنی کے اعتبار مؤنث ہو اور لفظوں کے اعتبار سے مذکر یا اس کا عکس ہو تو اس میں دو صورتیں جائز ہیں اور واحدًا اور اثنان کی تمیز نہیں آتی؛ کیونکہ ممیّز کا لفظ ان کی تمیز سے مستغنی کر دیتا ہے جیسے رجلٌ اور رجلان بوجہ فائدہ دینے کے نص مقصود بالعدد کا، اور تو کہے مفرد متعدد میں اس کی تصییر کا اعتبار کرتے ہوئے الثانی اور الثانیة العاشر اور العاشرة تک نہ کہ اس کے علاوہ میں (تصییر کا اعتبار رہوگا) اور اس کے حال کا اعتبار کرتے ہوئے (یوں کہیں گے)

الأول اور الثاني (مذکر میں) اور الأولی اور الثانية (مؤنث میں) سے عاشر اور عاشرة تک، اور حادی عشر (مذکر میں) حادی عشرة (مؤنث میں) الثانی عشر (مذکر میں) الثانية عشرة (مؤنث میں) تاسع عشر (مذکر میں) تاسعة عشرة (مؤنث میں) تک، اسی وجہ سے کہا گیا اُولی (تصییر) میں ثالث اثنین یعنی ان دو کو تین کرنے والا ان کے قول ثلثتهما سے لیا گیا ہے (یعنی میں نے دو کو تین بنا

دیا)، اور وہ دوسرے (حال) میں ثـــالـــث ثــلــثة یعنی تین میں سے تیسرا، اور تو کہے حادی عشر اور أحد عشر ثاني (حال) کے اعتبار خاص طور پر اور تو چاہے تو کہے حادي أحد عشر سے تاسع تسعة عشر تک پہلا جزء معرب ہوگا۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) اسم عدد کی تمیز۔

(۲) لفظ مشترک کے لئے قاعدہ۔

(۳) عدد ترتیبی کا بیان۔

پہلی بات: اسم عدد کی تمیز

ومـمیز الثلاثة مخفوضٌ مجموعٌ: دیکھو میرے عزیز! صاحب کافیہ نے اسم عدد کو خوب کھول کر بیان فرمایا، لیکن ہوسکتا ہے کہ کسی طالب علم کو اس کے معدود کے اعراب میں مشکل پیش آجائے، تو اس کے لئے صاحب کافیہ نے فرمایا کہ میرے پیارے! پریشان نہیں ہونا، اس کو بھی انتہائی آسان انداز میں ہم آپ کے سامنے پیش کر لیتے ہیں، وہ اس طرح کہ عدد کی کل چار جماعتیں بنالو:

(۱) ایک اور دو، اس کی کوئی تمیز نہیں ہوتی بلکہ اسی معدود کو مفرد تثنیہ بنا کر پیش کیا جائے گا جیسے قـلـمٌ، قـلـمـانِ، تـلـمیذٌ، تلمیذانِ، کراسةٌ، کراستانِ وغیرہ۔

(۲) تین سے لے کر دس تک: اس کی تمیز جمع مجرور ہوگی جیسے ثــلاثةُ أقـلامٍ أو کتبٍ۔

(۳) گیارہ سے لے کرننیانوے تک: اس کی تمییز مفرد منصوب ہوگی جیسے ﴿أحد عشر كوكبًا﴾۔

(۴) مائۃ کے بعد سے اخیر تک: اس کی تمییز مفرد مجرور ہوگی جیسے مائةُ رجلٍ، ألفُ كتبٍ وغيره۔

بلکہ اس کو اور بھی آسان انداز سے سمجھ لو کہ تمییز یا تو مفرد ہوگی یا جمع، جمع مجرور کی صورت میں صرف تین سے دس تک کی گنتی کے ساتھ آئیگی، اور دس کے بعد تمییز ہمیشہ کے لئے مفرد ہی آئیگی، جمع کبھی نہیں آئیگی، گیارہ سے ننیانوے تک مفرد منصوب اور اس کے بعد إلی مالانہایہ تک مفرد مجرور ہوگی۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں پہنچ کر کسی ہونہار طالب علم کے ذہن میں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ آنجناب محترم! آپ نے تو فرمایا کہ تین سے لے کر دس تک کی عدد کی تمییز جمع مجرور ہوگی، حالانکہ میں نے تو جب بھی کسی عرب سے بات کی ہے یا عربی کتابوں میں مطالعہ کیا ہے تو مجھے تو صرف یہ ملا ہے کہ ثلاث مائةٍ ، أربع مائةٍ إلى تسعمائةٍ، یعنی مفرد مجرور ہی استعمال کرتے ہیں؟۔

اس کا جواب صاحب کافیہؒ دیتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ ہاں میرے عزیز! وكان قياسها مئاتٍ أو مئينَ، آپ نے بالکل صحیح فرمایا، قیاس کا تقاضا یہی تھا کہ تانیث کی صورت میں ثلاث مئاتٍ اور تذکیر کی صورت میں ثلاثة مئين کہا جاتا، لیکن آپ نے "أصول الشاشي" میں امام شافعیؒ کا قول پڑھا ہوگا کہ ما من عامٌ

إلا خُصَّ عنه البعض، تو یہاں بھی ہم کہیں گے کہ إلا في ثلاث مائة یعنی تین سے لے کردس تک کی عدد کے بعد اگر مائةٌ کا لفظ آجائے تو وہ خلاف القیاس مفرد مجرور ہی استعمال ہوگا۔

دوسری بات: لفظ مشترک کے لئے قاعدہ

وإذا كان المعدود مؤنثًا واللفظ مذكرٌ أو بالعكس فوجهان:

دیکھو بھائی! عدد کے کے لئے عام قاعدہ تو یہ ہے کہ معدود مذکر ہو تو عدد کو مؤنث لایا جائے گا، اور اگر مؤنث ہو تو عدد کو مذکر لایا جائے گا جیسے ثلثة رجالٍ، اور ثلاث نسوةٍ، لیکن اگر ایسا کلمہ ہو جو اپنے اصل کے اعتبار سے تو مذکر ہو، لیکن وہی لفظ اسی طرح مؤنث کے لئے بھی استعمال ہو رہا ہو یا اپنے اصل کے اعتبار سے مؤنث ہو لیکن بعینہ اسی طرح وہ مذکر کے لئے بھی استعمال ہو رہا ہو یعنی مشترک بین المذکر والمؤنث ہو تو اس کے لئے قاعدہ بیان کرتے ہوئے صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ ایسا لفظ مشترک معدود واقع ہو رہا ہو تو اس کے لئے عدد کو مذکر و مؤنث دونوں طرح لانا جائز ہے، مثلاً شخصٌ کا لفظ خود مذکر ہے لیکن مؤنث کے لئے بھی یہ استعمال ہو رہا ہے اس لئے اگر یہ معدود واقع ہو اور مراد اس سے مرد ہو تو ایسی صورت میں عدد کو مؤنث لایا جائے گا، لیکن اگر مراد اس سے مؤنث ہو تو معنی کا لحاظ کرتے ہوئے عدد کو مؤنث لانا بھی جائز ہے اور لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے مذکر لانا بھی جائز ہے جیسے ثلاثة أشخاصٍ اور ثلاث أشخاصٍ، یہی مراد ہے صاحب کافیہؒ کے قول وإذا كان المعدود مؤنثًا واللفظ مذكرٌ فوجهان کا۔

أو بـالعكس: اور لفظ مؤنث ہو اور مراد اس سے مذکر ہو تو بھی اس کو دو وجہین پڑھنا جائز ہے، لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے عدد کو مذکر لانا جیسے **ثلاث أنفس،** اور معنی کا اعتبار کرتے ہوئے عدد کو مؤنث لانا جائز ہے جیسے **ثلثة أنفس۔**

ولا يـميز واحدٌ واثنان: واحدٌ اور اثنان کے لئے تمیز کی بات کرتے ہوئے صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ ان دونوں کو تمیز کے ساتھ ملا کر نہیں لایا جائے گا، یعنی یہ نہیں کہا جائے گا کہ **واحدٌ رجلٌ، یا واحدةٌ امرأةٌ؛** بلکہ صرف تمیز کو ذکر کر کے عدد کو چھوڑ دیا جائے گا؛ کیونکہ جب ان کی تمیز کو ذکر کر دیا جائے تو اس سے عدد بھی سمجھ میں آتا ہے اور ذات بھی، لہذا جب **رجلٌ، رجلانِ یا امرأةٌ، امرأتان** بولے جائیں گے تو یہ اپنے معنی کے اعتبار سے ذات (مرد یا عورت) پر اور اپنے اپنے صیغے کے اعتبار سے ایک یا دو پر خود دلالت کرتے ہیں، اس لئے **عندي كتابٌ وقلمان،** اسی طرح **عندي حقيبةٌ وكراستان** تو کہا جائے گا لیکن **عندي واحدٌ كتابٌ،** اور **عندي اثنتان حقيبتان** نہیں کہا جائے گا، **استغناءً بلفظ التمييز عنها** یعنی بوجہ مستغنی ہونے کے ان دونوں (**واحدٌ، اثنان**) سے **لإفادة النص المقصود بالعدد:** فرماتے ہیں کہ عدد کو ان دونوں کی تمیز کے ساتھ اس لئے نہیں لایا جائے گا کہ عدد کے ذکر کرنے سے جو مقصد ہوتا ہے وہ ہمیں تمیز کے ذکر کرنے سے حاصل ہو گیا ہے، لہذا ایسی صورت میں عدد کو ذکر کرنا تحصیل حاصل ہی ہوگا، **وهو لا يخلو من قباحة التكرار۔**

تیسری بات: عدد ترتیبی کا بیان

وتقول في المفرد من المتعدد باعتبار تصييره: ماقبل میں آپ حضرات نے عدد اور اس کی تمیز کی تفصیل پڑھ لی، اب صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ حال اور تصییر کو ہمارے عزیز طلبہ کے سامنے پیش فرمالیں، آپ حضرات نے پچھلے سال علم الصّیغة میں مختصر انداز میں اس کو عدد ترتیبی کے نام سے پڑھا تھا، یہاں قدرے تفصیل سے بیان ہوا ہے، اس لئے پہلے تو آپ حضرات تصییر اور حال کی تعریفیں سمجھ لیں۔

تصییر کا لغوی معنی ہے بنانا، اور اصطلاح نحاۃ میں اس کا معنی یہ ہے کہ عدد کا وہ لفظ جو فاعلٌ کے وزن پر ہو اور اپنے ماتحت والے عدد کی طرف اس کی اضافت ہوئی ہو جیسے ثالث اثنین، یعنی دو کا تیسرا۔

اور حال کا معنی یہ ہے کہ عدد کا وہ لفظ جو فاعلٌ کے وزن پر ہو، اور اپنے مساوی یا مافوق کی طرف اس کی اضافت ہوئی ہو جیسے ثالث ثلاثة، اور ثالث الرابعة، پھر یہ بھی سمجھ لو کہ حال اور تصییر میں تین طرح کا فرق ہے:

(۱) تصییر دو سے شروع ہوتی ہے اور حال ایک سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) تصییر دس تک ہوتی ہے اور حال دس سے آگے بھی ہوتا ہے۔

(۳) تصییر عدد کی اضافت ماتحت کی طرف، اور حال میں اپنے مساوی یا مافوق کی طرف ہوتی ہے۔ (تقریر کافیہ ۲/۶۳)۔

فائدہ: تصییر اور حال میں مذکر مؤنث کا لحاظ رکھا جاتا ہے، یعنی مذکر کے لئے

مذکر کا صیغہ اور مؤنث کے لئے مؤنث کا صیغہ لایا جائے گا، اس تمہید کے بعد اب عبارت کی طرف دیکھئے۔

وتقول في المفرد من المتعدد باعتبار تصييره: یعنی اکائیوں میں متعدد کو باعتبار تصییر اس طرح کہیں گے: **الثاني، الثالث، الرابع، إلى العاشر** مذکر میں، اور **الثانية، الثالثة، الرابعة إلى العاشرة** مؤنث میں۔

لا غير: فرماتے ہیں کہ تصییر میں صرف اتنا ہی ہوگا جتنا صاحب کافیہ نے بیان فرمایا، یعنی نہ تو دو سے کم میں ہو سکتا ہے اور نہ اس کے بعد گیارہ بارہ میں؛ کیونکہ تصییر میں عدد کی اضافت ماتحت کی طرف ہوتی ہے، اور ثانی کا ماتحت تو ہے یعنی ایک، لیکن ایک کا ماتحت کوئی عدد نہیں ہے، اسی طرح دس کے بعد بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس کے بعد مرکبات شروع ہوتے ہیں جن سے اسم فاعل کا اشتقاق نہیں ہو سکتا، حالانکہ تصییر میں یہ ضروری ہے، بخلاف حال کے کہ اس میں یہ ضروری نہیں ہے۔

وباعتبار حاله: اور باعتبار حال کے عدد میں اس کے مرتبہ کو بیان کرتے ہوئے مذکر کے لئے اس طرح کہیں گے: **الأول والثاني والثالث إلى العاشر**، اور مؤنث کے لئے اس طرح کہیں گے: **الأولى، والثانية، والثالثة، إلى العاشرة**، اسی طرح **الحادي عشر والثاني عشر إلى التاسع عشر** مذکر میں، اور **الحادية عشر والثانية والثالثة عشر إلى التاسعة عشر** مؤنث میں۔

ومن ثم قيل في الأول: اور اسی وجہ سے (یعنی اعتبار تصییر اور اعتبار حال میں اختلاف کی وجہ سے ان کی عدد کی طرف اضافت میں بھی اختلاف ہے) اعتبار تصییر میں کہا جائے گا: **ثالث اثنين، أي: مصيرهما ثلاثةً**، یعنی دو کو تین بنانے

والاعدد، یہ لیا گیا ہے ثلثتهما سے، یعنی میں نے ان دونوں کو تین بنایا۔

وفي الثاني: اوراعتبار حال میں اس طرح کہیں گے ثالث ثلاثةٍ، أي: أحدها، یعنی تین میں سے ایک، یا تین میں سے تیسرا، اور دس سے آگے اعتبار تصییر میں چونکہ دس سے آگے تو تجاوز نہیں ہوسکتا، البتہ اعتبار حال میں ہوسکتا ہے، اس لئے فرمایا على الثاني خاصةً، یعنی خاص کر اعتبار حال میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے حادي عشر أحد عشر یعنی گیارہ میں سے گیارواں، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے حادي أحد عشر إلى تاسع تسعة عشر، ہاں اس صورت میں اور پہلی صورت میں صرف اتنا فرق ہوگا کہ پہلی صورت میں حادي عشر بھی مرکب بنائی کی وجہ سے مبنی ہے اور أحد عشر بھی، لیکن اس میں اگر چہ جزء ثانی یعنی أحد عشر تو تا حال مبنی ہے لیکن جزء اول یعنی حادي تاتاسع مرکب بنائی باقی نہ رہنے کی وجہ سے معرب ہوگا۔

والله أعلم بالصواب وعلمه أتم وأكمل۔

درس (۲۲)

مذکر اور مؤنث کا بیان

المذكر والمؤنث: المؤنث ما فيه علامة التأنيث لفظًا أو تقديرًا، والمذكر بخلافه، وعلامة التأنيث التاء والألف مقصورةً أو ممدودةً، وهو حقيقيٌّ ولفظيٌّ، فالحقيقي ما بإزائه ذكرٌ من الحيوان، كامرأةٍ وناقةٍ، واللفظي بخلافه كظلمةٍ وعينٍ، وإذا أسندَ الفعلُ إليه

فالتاء، وأنت في ظاهر غير الحقيقي بالخيار، وحكم ظاهر الجمع غير المذكر السالم مطلقًا حكم ظاهرِ غير الحقيقي، وضمير العاقلين غير المذكر السالم: فعلتْ وفعلوا، والنساء والأيام: فعلتْ وفعلنَ.

ترجمہ: مذکراور مؤنث کا بیان: مؤنث وہ (اسم) ہے جس میں علامت تانیث لفظا یا تقدیرا موجود ہو، اور مذکر وہ اسم ہے جو اس کے خلاف ہو، اور تانیث کی علامت تاء اور الف مقصورہ یا الف ممدودہ ہے، اور وہ (مؤنث) حقیقی اور لفظی ہے، پس حقیقی وہ ہے جس کے مقابلہ میں جاندار مذکر ہو جیسے امراۃ وناقۃ، اور مؤنث لفظی اسے کہتے ہیں جو اس کے خلاف ہو یعنی اس کے مقابلہ میں جاندار مذکر نہ ہو جیسے ظلمۃٌ اور عینٌ، اور جب فعل کی اسناد اس (مؤنث) کی طرف ہو تو فعل میں تاء واجب ہے یعنی فعل کو مؤنث لایا جائے گا، اور تجھے اختیار ہے فاعل ظاہر مؤنث غیر حقیقی میں اور (فعل کو مذکر بھی لا سکتے اور مؤنث بھی)، اور فاعل ظاہر جمع مذکر سالم کے علاوہ کا حکم مطلقا ہے فاعل ظاہر مؤنث غیر حقیقی کی طرح (جب فعل کی اسناد) ضمیر کی طرف ہو جو ضمیر عاقل کی ہو جمع مذکر سالم کے علاوہ (تو وہاں مفرد بھی ذکر کر سکتے ہیں اور جمع بھی) فعلت اور فعلو اور النساء اور أیام فعلتْ اور فعلن.

تشریح: آج کے درس میں اسم کی باعتبار جنس کی دو قسمیں بیان کر رہے ہیں چنانچہ اس میں آپ حضرات چار باتیں سمجھ لیں، اگرچہ یہ ساری باتیں آپ لوگوں نے نحو میر اور ہدایۃ النحو میں پڑھی ہیں۔

(۱) مؤنث اور مذکر کی تعریف۔

(۲) علامات تانیث۔

(۳) أقسام تانیث۔

(۴) فعل میں ضمیر کو مذکر یا مؤنث لانا۔

پہلی بات: مؤنث اور مذکر کی تعریف

المؤنث ما فيه علامة التانيث لفظا أو تقديرًا: فرماتے ہیں کہ مؤنث وہ اسم ہے جس میں تانیث کی کوئی علامت پائی جائے، چاہے وہ علامت لفظی ہو، لفظی کا مطلب یہ ہے کہ وہ علامت آنکھوں سے نظر آئے اور زبان سے پڑھی جائے جیسے عائشہ میں تاء مدورہ ہے، اور حاشیہ میں اس کی مثالیں دی ہیں اس میں دیکھ لیں۔

یا وہ علامت تقدیری ہو، تقدیری کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ تو نظر آرہی ہو اور نہ زبان سے پڑھی جاسکتی ہو جیسے حاشیہ والی مثالیں ملاحظہ ہو: دارٌ، نارٌ، نعلٌ، قدمٌ، شمسٌ، عينٌ وغيرها۔

والمذكر ما بخلافه: اور اسم مذکر وہ اسم ہے جس میں تانیث کی کوئی علامت نہ پائی جائے، نہ لفظی طور پر اور نہ تقدیری طور پر اور نہ حکمی طور پر جیسے رجلٌ، قلمٌ، فرسٌ وغیرہ۔

دیکھو میرے عزیز طلبہ! اللہ تعالی نے أنزلوا الناس منازلهم پر عمل کرانے کے لئے ہمارے ناموں کا اور ہر مؤنث اور مذکر کا اتنا لحاظ رکھا ہے کہ اس کے لئے باقاعدہ علامتیں بتائی تاکہ یہ ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ ہو اور ایک دوسرے سے میل نہ کھائے، لیکن افسوس ہے ہمارے اوپر؛ کہ ناموں سے بڑھکر اپنے

جسموں میں اپنے نظام اور تہذیب وتمدن اور تعلیمی اداروں اور دفتروں میں اس حدیث مبارکہ کو پامال کر کے اور عزت اور وقار کی چادر کے ہر تار کو تار تار کر کے ہم ایک دوسرے کے شانہ بشانہ چلنا چاہتے ہیں۔ فإنما نشکو بثنا وحزننا إلیک یا رب العالمین۔

دوسری بات: علامات تانیث

وعلامة التأنیث التاء والألف مقصورةً أو ممدودةً: تانیث کی کل چار علامتیں ہیں، یہاں اگرچہ صاحب کافیہ نے بظاہر تین ذکر فرمائی ہیں لیکن بغور اگر دیکھا جائے تو پہلی علامت التاء سے دو علامتیں بن سکتی ہیں، ایک تاء لفظیہ اور دوم تاء مقدرہ، تاء لفظیہ کی مثال: عائشة، غرفةٌ اور طلحة وغیرہ ہیں، اور تاء مقدرہ کی مثال: أرضٌ، دارٌ، عینٌ وغیرہ ہیں، تیسری علامت الف مقصورہ ہے جیسے ضربی، بُشری، حبلی وغیرہ، اور چوتھی علامت الف ممدودہ ہے یعنی ہر وہ الف جس کے بعد ہمزہ ہو جیسے خضراء بیضاء وغیرہ۔

تیسری بات: أقسام تانیث

وهو حقیقيٌّ ولفظيٌّ: یہاں سے معنی کے اعتبار سے تانیث کی دو قسمیں بیان کر رہے ہیں چنانچہ فرمایا کہ تانیث کی دو قسمیں ہیں، حقیقی اور لفظی، فالحقیقي ما بإزائه ذکرٌ من الحیوان یعنی تانیث حقیقی وہ ہے جس کے مقابلے میں کوئی حیوان مذکر ہو، جیسے امرأةٌ کے مقابلے میں رجلٌ اور ناقةٌ کے مقابلے میں جملٌ ہے، تانیث کی اس قسم میں کوئی ضروری نہیں کہ اس میں علامت تانیث ہو یا نہ ہو بلکہ دونوں طرح

ممکن ہے، علامت تانیث کی مثالیں تو گذر گئیں، بغیر علامت کی مثال اُتـانٌ ہے بمعنی گدھی، اس کے مقابلے میں حیوان مذکر حمارٌ ہے۔

والـلـفظي ما بخلافه: اور تانیث لفظی وہ ہے جس کے مقابلے میں حیوان مذکر نہ ہو، بلکہ ہر وہ اسم جو غیر ذوی الارواح کا ہو اور اس میں تانیث کی کوئی علامت پائی جائے جیسے ظـلـمـةٌ ہے اس کے مقابلے میں نورٌ مذکر اگرچہ موجود ہے لیکن حیوان یعنی ذی روح میں سے نہیں ہے، اسی طرح عینٌ ہے اس کے مقابلے میں کوئی مذکر نہیں ہے اور تانیث کی علامت تاء مقدرہ ہے۔

چوتھی بات: تذکیر فعل وتانیث فعل کا بیان

تـمـهـيـد: مذکر اور مؤنث ہونا اگرچہ حقیقت میں اسم کی خاصیت ہے لیکن اسم ضمیر کے مذکر اور مؤنث ہونے کی وجہ سے مجازی طور پر فعل کو بھی مؤنث اور مذکر کہا جاسکتا ہے۔

وإذا أسند الفعل سے آخیر تک صاحب کافیہ فاعل کی آٹھ صورتیں اور فعل کے تذکیر اور تانیث کے اعتبار سے تین احکامات بیان فرما رہے ہیں:

(۱) فعل کو مؤنث لانا واجب ہو۔

(۲) مذکر اور مؤنث دونوں میں اختیار ہو۔

(۳) مؤنث لانا واجب ہو لیکن صیغہ واحد مؤنث اور جمع مؤنث میں اختیار ہو، تفصیل اس کی یہ ہے کہ دو صورتوں میں فعل کو مؤنث لانا واجب ہے:

(۱) جب فعل کا فاعل مطلقاً مؤنث حقیقی بغیر فصل کے ہو جیسے کتبتُ عائشةُ۔

(۲) جب فعل کا فاعل مطلقاً مؤنث کی ضمیر ہو یعنی چاہے مؤنث حقیقی ہو یا لفظی جیسے ﴿والشمس تجري لمستقر لها﴾ اور ﴿إذا السماء انفطرت﴾۔

انہیں دو قسموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صاحب کافیہؒ نے بڑے مختصر الفاظ میں فرمایا کہ وإذا أسند الفعل إليه فالتاء، یعنی جب مؤنث حقیقی یا مطلقا مؤنث کی ضمیر کی طرف فعل کی نسبت کی جائے تو فالتاء یعنی اس وقت اسے مؤنث لایا جائے گا۔

اور چار صورتوں میں فعل کو مذکر اور مؤنث دونوں لانا جائز ہے:

(۱) جب فعل کا فاعل مؤنث حقیقی ہو لیکن دونوں کے درمیان فاصلہ ہو جیسے کتبتِ الیومَ عائشةُ اور کتبَ الیومَ عائشةُ، اس صورت کو صاحب کافیہؒ نے بیان نہیں کیا، البتہ ماقبل والی پہلی صورت سے یہ صورت نکلتی ہے۔

(۲) وأُنِّث في ظاهرِ غير الحقيقي بالخيار: یعنی جب فعل کا فاعل مؤنث غیر حقیقی اسم ظاہر کی صورت میں ہو جیسے طلع الشمسُ اور طلعت الشمسُ۔

(۳) وحكم ظاهر الجمع غير المذكر السالم مطلقًا حكمُ ظاهرٍ غير الحقيقي: یعنی جب فاعل کا فعل جمع مذکر سالم کے علاوہ کوئی جمع ہو یعنی یا تو جمع مکسر ہو چاہے مذکر کی ہو یا مؤنث کی، یا جمع مؤنث سالم ہو تو حکم ظاهرِ غير الحقيقي فرماتے ہیں کہ اس کا حکم بھی ماقبل والے مؤنث غیر حقیقی کی طرح ہے جیسے ذهب الرجال، وذهبت الرجال، وسافرت المسلمات، و﴿إذا جاءك المؤمنات﴾ و﴿قال نسوةٌ في

المدینة ﴾اس کوسافر المسلمات اورإذا جاء تک المؤمنات اور قالت نسوة پڑھنا بھی جائز ہے۔

(۴) وضمیر العاقلین غیر المذکر السالم فعلت وفعلوا: یعنی جب فعل کا فاعل جمع مذکر مکسر کی ضمیر ہوتو اس کا بھی یہی حکم ہے جیسے الرجال سافرت یاالرجال سافروا۔

اورایک صورت میں مؤنث لانا واجب ہے لیکن مفرداور جمع میں اختیار ہے جیسا کہ صاحب کافیہ فرمارہے ہیں: والنساء والأیام فعلتْ وفعلنَ: یعنی فعل کا فاعل جب جمع مؤنث حقیقی کی ضمیر ہو یاغیر ذوی العقول کی جمع کی ضمیر ہو جیسے النساء سافرتْ یا النساء سافرنَ اور الأیام خلَتْ یا الأیام خلَونَ۔

درس (۲۳)

تثنیہ اورالف ممدودہ ومقصورہ کا بیان

المثنی: ما لحق آخره ألفٌ أو یاءٌ مفتوحٌ ما قبلها، ونونٌ مکسورةٌ لیدلَّ علی أنَّ معه مثله من جنسه، فالمقصور إن کانت ألفه عن واو وهو ثلاثي قلبت واوًا، وإلا فبالیاء، والممدود إن کانت همزته أصلیةً ثبتتْ، وإن کانت للتأنیث، قلبت واوًا وإلا فالوجهان، ویحذف نونه للإضافة، وحُذفتْ تاء التأنیث في خصیان وألیان.

ترجمه: تثنیہ وہ اسم ہے جس کے آخر میں الف یا یاء ماقبل مفتوح اورنون مکسورہ

لاحق کیا گیا ہو، تا کہ وہ دلالت کرے کہ اس کے ساتھ اس کی مثل اس کی جنس میں سے دوسرا بھی ہے، پس اسم مکسور میں اگر الف واؤ سے بدلا ہوا ہو اور وہ ثلاثی ہو تو وہ الف واؤ سے بدل دیا جائے گا وگرنہ یاء سے (بدل دیا جائے گا) اور الف ممدودہ اگر اس کا ہمزہ اصلی ہو تو وہ باقی رہے گا اور اگر وہ (ہمزہ) تانیث کیلئے تھا تو وہ واؤ سے بدل جائے گا وگرنہ پس دو وجہیں جائز ہیں اور حذف کر دیا جاتا ہے اس کا نون اضافت کی وجہ سے اس طرح تائے تانیث بھی حذف کر دی جائیگی خصیان اور الیان میں۔

تشــریــح: آج کے درس میں اسم کی قسمیں باعتبار عدد کے بیان فرما رہے ہیں چنانچہ اس میں ہم آپ کے سامنے تین باتیں عرض کریں گے:

(۱) تثنیہ کی تعریف۔

(۲) الف مقصورہ وممدودہ سے تثنیہ بنانے کا طریقہ۔

(۳) نونِ تثنیہ کو اضافت کے وقت حذف کرنا۔

پہلی بات: تثنیہ کی تعریف

المثنی: ما لحق آخره ألفٌ أو ياءٌ مفتوحٌ ما قبلها: لغوی اعتبار سے المثنی ثنّی يُثنّي تثنيةً باب تفعیل سے ناقص کے اسم مفعول کا صیغہ ہے، اس کے شروع میں داخل ہونے والا الف لام الـذي کے معنی میں ہے، اور اس سے پہلے اس کا اسم موصوف محذوف ہوگا، چنانچہ پوری عبارت اس طرح ہوگی: الاسم الذي ثُنّيَ یعنی وہ اسم جسے تثنیہ بنایا گیا ہو۔

اور اصطلاحی اعتبار سے تثنیہ وہ اسم ہے جس میں دو چیزیں پائی جائے:

(۱) **ما لحق آخره ألفٌ أو ياءٌ مفتوحٌ ما قبلها، ونونٌ مكسورةٌ** یعنی ایک تو یہ کہ اس کے آخر میں الف یا یاء ماقبل مفتوح اور نون مکسورہ پایا جائے۔

(۲) دوسری یہ کہ **ليدلَّ على أنَّ معه مثله من جنسه**: یعنی وہ اسم اس بات پر دلالت کر رہا ہو کہ اس کے ساتھ اپنا ایک ہم مثل اور بھی موجود ہے جیسے کتابٌ سے کتابانِ، قلمٌ سے قلمانِ وغیرہ۔

دوسری بات: الف مقصورہ وممدودہ سے تثنیہ بنانے کا طریقہ

فالمقصور إن كانت ألفه عن واوٍ وهو ثلاثي قلبت واوًا وإلا فبالياء: اس عبارت میں صاحب کافیہؒ نے الف مقصورہ کا قانون بتایا ہے جو آپ حضرات نے ارشاد الصرف اور علم الصیغہ دونوں کتابوں میں پڑھا ہیں، یہاں بالکل آسان انداز میں اس کو اس طرح سمجھ لیں کہ الف مقصورہ یا تو لام کلمہ کے مقابلے میں ہوگا یا اس لام کلمہ کے بعد حرف زائد ہوگا، اگر زائد ہو تو چاہے وہ غیر مبدلة ہو یا مبدلة عن الواو اَو الیاء ہو ہر صورت میں اس کو تثنیہ بناتے وقت یاء سے تبدیل کیا جائے گا جیسے حبلی سے حبلیان، مصطفی سے مصطفیان اور حباری سے حباریانِ۔

اور اگر لام کے مقابلے میں ہو اور واؤ سے تبدیل شدہ ہو تو تثنیہ بناتے وقت بھی اسے واؤ سے تبدیل کیا جائے گا جیسے عصا سے عصوان، اور اگر یاء سے تبدیل شدہ ہو یا سرے سے غیر مبدل ہو تو اسے یاء سے تبدیل کیا جائے گا، جیسے رحی سے رحیان۔

خلاصہ یہ ہوا کہ الف مقصورہ اگر ثلاثی ہو اور واؤ سے تبدیل شدہ ہو تو صرف

اسے تثنیہ بناتے وقت واؤ سے اور اس کے علاوہ ہر الف مقصورہ کو یاء سے تبدیل کیا جائے گا۔

دوسرا قاعدہ

والممدود إن كانت همزته أصليةً ثبتتْ وإن كانت للتأنيث قلبتْ واوًا وإلا فالوجهان: اس عبارت میں الف ممدودہ کا قانون بتایا گیا ہے یہ بھی ارشاد الصرف اور ہدایۃ النحو میں تفصیلا گذرا ہے، آپ مختصر یوں سمجھ لیں کہ الف ممدودہ اگر لام کلمہ میں ہو اور تبدیل شدہ نہ ہو تو اسے اپنے اصل پر رکھنا واجب ہے جیسے قراءٌ سے قراء ان پڑھنا، اور تبدیل شدہ ہو تو چاہے مبدل عن الواؤ ہو یا عن الیاء دونوں صورتوں میں اختیار ہے چاہے تو اپنے اصل پر رکھ لیں، یا چاہے تو واؤ سے تبدیل کردیں جیسے رداءٌ بروزن فِعالٌ سے رداء ان اور رداوان اور کساءٌ سے کساء ان اور کساوان، اور اگر تانیثی ہو یعنی لام کلمہ کے بعد ہو تو اسے واؤ سے تبدیل کرنا واجب ہے جیسے حمراءٌ بروزن فعلاءٌ سے حمراوان پڑھنا واجب ہے۔

تیسری بات: نون تثنیہ کو اضافت کے وقت حذف کرنا

ويُحذف نونه للإضافة: فرماتے ہیں کہ نون تثنیہ کو اضافت کے وقت حذف کرنا واجب ہے؛ اس کی دو وجہیں بتائی جاتی ہیں:

(۱) ایک یہ کہ مضاف اور مضاف الیہ میں شدت اتصال ہوتا ہے، اگر نون تثنیہ کو باقی رکھیں گے تو خواہ مخواہ ایک حرف زائد کے ذریعے دونوں کے درمیان فصل آئے گا، جو کہ ناجائز ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ نون تثنیہ بھی تنوین کی طرح اسم کے تام ہونے کی علامت ہے جو کہ موجب انفصال ہے اور اضافت اس کے برخلاف موجب اتصال ہے لہذا ان دونوں میں منافات کی وجہ سے نون تثنیہ کو حذف کرنا واجب قرار دیا جیسے تلمیذا المدرسۃ اصل میں تلمیذانِ تھا جب اس کی اضافت المدرسۃ کی طرف ہوگئی تو نون تثنیہ گر گئی۔

وحذفت تاء التانيث في خصيان وأليان: فرماتے ہیں کہ عام طور پر قاعدہ تو یہ ہے کہ کسی بھی مفرد سے تثنیہ بنانا ہو تو بغیر کسی تبدیلی کے صرف اس کے آخر میں الف اور نون مکسورہ لگا دئے جاتے ہیں، جیسے مسلمٌ سے مسلمان اور مسلمةٌ سے مسلمتان، حتی کہ تاء تانیث جو حرف زائد ہے اس کو بھی حذف نہیں کیا جاتا، تا کہ اس کا التباس مذکر کے ساتھ نہ آئے، لیکن پورے کلام عرب میں صرف دو کلمے ایسے ہیں کہ ان سے تاء تانیث کو حذف کرنا جائز ہے، اور وہ ہیں خصيةٌ اور أليةٌ، چنانچہ جب ان کا تثنیہ بنائیں گے تو خصيان اور أليانِ پڑھا جائے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے مسمیات اگر چہ دو دو چیزیں ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک دوسرے کو ایسا لازم ہے کہ اس سے کبھی جدا نہیں ہوسکتا، لہذا گویا کہ وہ بمنزلہ مفرد اور شيءٌ واحدٌ کے ہوگئے اس لئے ان کے تثنیہ کو بھی بمنزلہ مفرد کے بنا کر درمیان سے تاء تانیث کو ختم کر دیا؛ کیونکہ تاء تانیث کلمہ کے آخر میں تو آتا ہے درمیان میں کبھی نہیں آتا، یہ اس وقت ہے جب ہم خصيان اور أليان کو بمنزلہ مفرد مان لیں، لیکن اگر ان کو تثنیہ ہی مانیں تب تاء کو ذکر کرنا لازم ہوگا؛ کیونکہ اس صورت میں یہ عام اسم مؤنث کے تثنیہ کی طرح ہو جائے گا۔

درس (۲۴)

جمع کا بیان

المجموع: ما دلَّ على آحادٍ مقصودةٍ بحروف مفردة بتغيُّرٍ ما، فنحو: تمرٌ وركبٌ ليس بجمع على الأصح، ونحو: فلكٌ جمعٌ وهو صحيحٌ ومكسَّرٌ فالصحيح لمذكرٍ ولمؤنثٍ.

ترجمہ: جمع وہ اسم ہے جو ایسے افراد پر دلالت کرے جو حروف مفردہ سے مقصود ہوں (جو بنایا گیا ہو) معمولی تغییر کے ساتھ پس تمر اور رکب کی مثل جمع نہیں ہے اور فلکٌ کی مثل جمع ہے اور وہ جمع مکسر اور جمع سالم ہیں، پس صحیح مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے ہوتی ہے۔

تشریح: آج کے درس میں تدریجی اور ارتقائی طور پر تثنیہ کے بعد جمع بیان فرما رہے ہیں، لہذا اس میں آپ حضرات پانچ باتیں سمجھ لیں:

(۱) جمع کی تعریف۔

(۲) فنحو تمرٍ وركبٍ کی تفصیل۔

(۳) اَقسام جمع۔

(۴) جمع تصحیح کی تعریف وشرائط۔

(۵) جمع مؤنث سالم کی تعریف وشرائط۔

پہلی بات: جمع کی تعریف

لغوی اعتبار سے **المجموع جمع یجمع جمعًا باب فتح یفتح** سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اور اس کے شروع میں الف لام الـذي کے معنی میں ہے اور یہ صفت واقع ہو رہا ہے ماقبل الاسم موصوف محذوف کے لئے، چنانچہ تقدیرات اور اس کا معنی نکال کر عبارت اس طرح ہو جائیگی **الاسم الذي جُمع** یعنی وہ اسم جسے جمع کیا گیا ہو، اور اصطلاح نحات میں جمع کی تعریف صاحب کافیہؒ اس طرح کرتے ہیں: **المجموع ما دلَّ علی آحادٍ مقصودةٍ بحروف مفرده بتغیر ما:** یعنی جمع وہ اسم ہے جو ایسے افراد کے مجموعے پر دلالت کرے جو افراد اس کے مفرد کے حروف سے مقصود ہوں، اس کے مفرد میں کچھ نہ کچھ تبدیلی کے ساتھ، اس سے بھی زیادہ سادے الفاظ میں یوں سمجھ لو کہ مفرد جس فرد پر دلالت کرتا ہے جمع اس فرد کے مجموعے پر دلالت کرتا ہے، بشرطیکہ اس کے مفرد میں کچھ تبدیلی کی جائے، اور اگر آپ کو یاد ہو تو نحو میر میں جہاں آپ نے یہ بات پڑھی تھی وہاں حاشیہ میں اس تبدیلی کی دس قسمیں مثالوں سمیت لکھی ہوئی تھی جن میں سے کچھ ہم یہاں ذکر کرتے ہیں اور کچھ آپ حضرات ہمت کر کے وہاں دیکھ لیں:

(۱) مفرد کی صورت وہی ہو صرف آخر میں زیادتی ہوئی ہو جیسے صـنـوٌ سے صنوانٌ۔

(۲) مفرد میں تبدیلی حرف کے کمی کے ساتھ ہوئی ہو جیسے تُخمةٌ سے تُخَمٌ۔

(۳) مفرد میں تبدیلی حرکات کی تبدیلی سے ہوئی ہو جیسے أسَدٌ سے أُسُدٌ۔

(۴) تبدیلی حرف کے زیادتی کے ساتھ ہوئی ہو جیسے رجلٌ سے رجالٌ۔

(۵) تبدیلی حروف کے کمی اور حرکات کی تبدیلی کے ساتھ ہوئی ہو جیسے رسولٌ سے رُسُلٌ۔

(۶) تبدیلی بعض حروف کے کمی اور بعض کے بڑھانے کے ساتھ بمع تغیر حرکات ہوئی ہو جیسے غُلامٌ سے غِلمانٌ۔

(۷) تبدیلی تقدیری طور پر ہوئی ہو جیسے فُلکٌ بروزن قُفلٌ سے فُلکٌ بروزن اُسُدٌ۔

دوسری بات: فنحو تمرٍ ورکبٍ کی تفصیل

فنحو تمرٍ ورکبٍ لیس بجمعٍ علی الأصح: فرماتے ہیں کہ تمرٌ اور رکبٌ صحیح تر مذہب کے موافق جمع نہیں ہے، بلکہ تمرٌ اسم جنس اور رکبٌ اسم جمع ہے اس کو سمجھنے کے لئے جنس اور اسم جنس، جمع اور اسم جمع کو پہلے سمجھ لیں جو تمامہا تقریر کافیہ سے لی جاتی ہیں۔

جنس کی تعریف

ما یقع علی الکثیر والقلیل: جنس وہ ہے جس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہو جیسے تمرٌ۔

اسم جنس کی تعریف

اسم جنس یہ ہے **ما یقع علی الواحد لا بالکثیر، وبالکثیر بسبیل البدلیة، لا بدفعةٍ واحدةٍ:** یعنی اسم جنس وہ ہے جس کا اطلاق واحد پر ہو کثیر پر نہ

ہو، اگر کثیر پر ہو تو علی سبیل البدلیة ہو، لیکن بدفعةٍ واحدةٍ نہ ہو جیسے رجلٌ کا اطلاق ایک پر ہوتا ہے، لیکن علی سبیل البدلیۃ ہر شخص کو رجلٌ کہا جا سکتا ہے۔

جمع کی تعریف

مایطلق علی الکثیر دفعةً واحدةً وله مفردٌ من لفظه: یعنی جمع وہ ہے جس کا اطلاق بیک وقت کثیر پر ہو اور اس کے اپنے الفاظ سے مفرد بھی ہو جیسے رجالٌ، اس کا اپنے لفظ سے مفرد رجلٌ آتا ہے، اور اس کا کثیر پر بیک وقت اطلاق بھی ہوتا ہے۔

اسم جمع کی تعریف

ما یطلق علی الکثیر ولکن لیس له مفردٌ من لفظه: یعنی جس کا اطلاق کثیر پر ہو لیکن اس کا اپنے لفظ سے مفرد نہ ہو جیسے نفرٌ، قومٌ، رھطٌ، رکبٌ۔

اسم جنس اور اسم جمع میں فرق

إنَّ اسم الجنس یقع علی الواحد والاثنین وضعا وإن اسم الجمع لا یکون کذلک: یعنی اسم جنس کا اطلاق واحد اور تثنیہ پر ہوتا ہے وضع کے اعتبار سے، اور اسم جمع کا اطلاق واحد اور تثنیہ پر تو ہوتا ہے لیکن وضع کے اعتبار سے نہیں، یعنی اسم جنس کو واضع نے ابتداء ہی واحد تثنیہ کے لئے وضع کیا ہے، لیکن اسم جمع کا طلاق اگر چہ واحد تثنیہ پر ہوتا ہے لیکن واضع نے ابتداء ان کے لئے وضع نہیں کیا،

پھر ان دونوں (اسم جنس اور اسم جمع) میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں:

(۱) ایسا اسم جنس جس کے لفظ کا مفرد موجود ہو جیسے تمرٌ وتمرةٌ، نخلٌ ونخلةٌ،

کلمٌ و کلمۃٌ۔

(۲) ایسا اسم جنس جس کے لفظ کا مفرد موجود نہ ہو جیسے إبلٌ۔

(۱) ایسا اسم جمع جس کے لفظ کا مفرد موجود ہو جیسے جاملٌ و جملٌ، باقرٌ و بقرٌ، راکبٌ ورکبٌ۔

(۲) ایسا اسم جمع جس کے لفظ کا مفرد موجود نہ ہو جیسے غنمٌ۔

ان میں دو صورتیں بالاتفاق جمع ہیں البتہ دو صورتوں میں اختلاف تھا، تو مصنفؒ نے لیس بجمعٍ کہہ کر فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ (تمرٌ اور رکبٌ) جمع نہیں، تمرٌ سے وہ اسم جنس مراد ہے جس میں اور اس کے واحد میں صرف تاء سے فرق کیا جاتا ہو، اور رکبٌ سے وہ اسم جمع مراد ہے جس کا ہم لفظ مفرد موجود ہو۔ (تقریر کافیہ ۲/۲۷)۔

ونحو فلکٌ جمعٌ: فرماتے ہیں کہ فلکٌ باوجودیکہ اس کا مفرد بھی فلکٌ ہی آتا ہے پھر بھی یہ جمع ہے اس لئے کہ جمع کی تعریف میں جو تغیر کی بات ہوئی ہے وہ عام ہے چاہے وہ تغیر حقیقی ہو یا حکمی، پس یہاں تغیر حکمًا ہوا ہے؛ اس لئے کہ جیسا ماقبل میں گذرا کہ اس کا مفرد بھی فلکٌ ہی ہے لیکن بروزن قُفلٌ ہے اور جمع بھی فلکٌ ہی ہے لیکن وہ علی وزن اُسدٌ ہے۔

فلکٌ کے شروع میں لفظ نحو لگا کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ بات صرف فلکٌ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر وہ اسم جس میں اسی طرح حکمی طور پر کوئی تغیر ہوا ہو وہ بھی جمع ہوگا۔

تیسری بات: اَقسام جمع

جمع کی تعریف اور اس کی پوری تفصیل کو بیان کرنے کے بعد اب اس کی قسموں کو بیان کرنا چاہ رہے ہیں جس کی تفصیل اگلے درس میں آئیگی یہاں مختصر الفاظ میں فرماتے ہیں کہ وھو صحیح ومکسَّرٌ یعنی جمع کی دو قسمیں ہیں: جمع صحیح اور جمع مکسر، جمع صحیح وہ جمع ہے جس میں مفرد کی بناء بالکل صحیح سالم رہے گی جیسے مسلمٌ سے مسلمون، اس کو جمع سالم بھی کہتے ہیں اور جمع مکسَّر وہ جمع ہے جس میں مفرد کی بناء صحیح سلامت نہ رہے جیسے رجلٌ سے رجالٌ کتابٌ سے کتبٌ۔

درس (۲۵)

اَقسام جمع کی تفصیل

فالمذكر: ما لحق آخره واوٌ مضمومٌ ما قبلها، أو ياءٌ مكسورٌ ما قبلها، ونونٌ مفتوحةٌ؛ ليدلَّ على أنَّ معه أكثر منه، فإن كان آخره ياءً قبلها كسرةٌ حُذفتْ، مثل: قاضُونَ، وإن كانَ آخره مقصورًا حُذفت الألف وبقي ما قبلها مفتوحًا، مثل: مصطَفَونَ، وشرطه إن كان اسمًا فمذكر علم يعقل، وإن كان صفةً فمذكر يعقل، وأن لا يكونَ أفعل فعلاء، مثل: أحمر حمراء، ولا فعلان فعلى، نحو: سكرانَ سكرى، ولا مستويًا فيه مع المؤنث مثل: جريح وصبور، ولا بتاء التأنيث مثل: علَّامة، وتحذف نونه بالإضافة، وقد شَذَّ نحو سنين وأرضين.

ترجمہ: پس جمع مذکر صحیح وہ ہے جس کے آخر میں واؤ ما قبل مضموم اور یاء ما قبل مکسور اور نون مفتوح ہو، تا کہ اس بات پر دلالت کرے کہ اس کے ساتھ اور بھی بہت سے افراد موجود ہیں، پس اگر اس کے آخر میں یاء ما قبل مکسور ہو تو یاء کو حذف کر دیا جائے گا جیسے قاضون، اور اگر اس کے آخر میں الف مقصورہ ہو تو الف کو حذف کر دیا جائے گا اور ما قبل مفتوح باقی رہے گا جیسے مصطفَون، اور اس (جمع صحیح) کی شرط یہ ہے کہ اگر وہ اسمی ہو تو مذکر ذوی العقول کا نام ہو، اگر وہ صفت ہو تو مذکر ذوی العقول ہو، اور یہ کہ ایسے أفعلُ کا وزن نہ ہو جسکی مؤنث فعلاء کے وزن پر آتی ہو جیسے أحمر سے حمراء اور ایسے فعلان کے وزن پر بھی نہ ہو جس کی مؤنث فعلی کے وزن پر آتی ہو جیسے سکران سے سکری اور ایسی صفت میں بھی نہ ہو جس میں مذکر مؤنث کے ساتھ برابر ہو جیسے جریح اور صبور (اور صفت کے آخر میں) تائے تانیث نہ ہو جیسے علامۃ اور حذف ہو جاتی ہے اس کا نون اضافت کی وجہ سے، اور تحقیق شاذ ہے سنین اور ارضین کی مثل۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) جمع مذکر سالم بنانے کا طریقہ۔

(۲) جمع مذکر سالم کے لئے شرائط۔

(۳) نون جمع کو حذف کرنا۔

پہلی بات: جمع مذکر سالم بنانے کا طریقہ

دیکھو عزیز طلبہ! جمع تصحیح کی دو قسمیں ہیں: جمع مذکر سالم اور جمع مؤنث سالم،

فالمذكر ما لحق آخره واوٌ مضمومٌ ما قبلها، أو ياءٌ مكسورٌ ما قبلها، ونونٌ مفتوحةٌ: ہر وہ اسم جس سے جمع مذکر سالم بنانا مقصود ہو وہ ضرور یا تو اسم صحیح ہوگا یا اسم مقصور ہوگا یا منقوص، اگر صحیح ہو تو اس سے جمع مذکر سالم بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے آخر میں حالت رفعی میں واو ماقبل مضموم اور حالت نصبی اور جری میں یاء ماقبل مکسور اور نون مفتوحہ ہو، اس بات کو بتانے کے لئے کہ اس مفرد کے ساتھ اس سے زیادہ افراد اور بھی ہیں، مثلاً مسلمٌ سے مذکورہ طریقے پر جمع مذکر سالم بنایا تو مسلمون بن گیا، اور مسلم کا معنی تھا ایک مسلمان، جب اس کو جمع بنایا تو اس کا معنی ہوا تین یا تین سے زیادہ مسلمان۔

اور اگر وہ اسم منقوص ہو یعنی اس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو چاہے وہ یاء مذکور اور اصل ہو جیسے القاضي اور چاہے مقدر ہو جیسے قاضٍ رامٍ وغیرہ، یا اس کے آخر میں واو ماقبل مضموم ہو، بالفاظ دیگر اس کے آخر میں یاء مبدلۃ عن الواو ہو جیسے داعوٌ، تو جمع تصحیح بناتے وقت ایسی یاء اور واؤ کو گرایا جائے گا، جیسے القاضي سے القاضون، یہ اصل میں القاضِيونَ تھا، یاء پر ضمہ ثقیل تھا اس لئے اس کے ماقبل کی حرکت کو حذف کرنے کے بعد یہی ضمہ ماقبل کو دیدیا تو القاضُيْونَ بنا، التقاء ساکنین کی وجہ سے یاء کو گرادیا تو القاضون بنا، اسی طرح داعُونَ اصل میں داعِوُونَ تھا واوَ کو یاء سے تبدیل کیا تو داعِيونَ بنا، پھر یاء پر ضمہ ثقیل تھا وہ ماقبل کو دیا تو داعُيُونَ بنا، پھر التقاء ساکنین کی وجہ سے یاء کو حذف کیا تو داعُونَ بنا، یہی مطلب ہے صاحب کافیہ کے اس قول کا: **فإن كان آخره ياءً قبلها كسرةٌ حذفتْ** کا۔

اور اگر وہ ایسا اسم ہو جس کے آخر میں الف ہو تو جمع تصحیح بناتے وقت اسے

بھی حذف کیا جائے گا جیسے مصطفی سے مصطفَونَ، البتہ ایسے اسم میں واؤ کے ماقبل والے فتحہ کو باقی رکھا جائے گا تا کہ الف کے حذف ہونے پر دلالت کرے جیسے یہی مصطفَونَ اصل میں مصطفیونَ تھا، قالَ باعَ کے قانون سے یاء کو الف بنایا تو مصطفاوْنَ بن گیا، پھر التقاء ساکنین کی وجہ سے الف کو گرادیا تو مصطفَونَ بن گیا، یہی مطلب ہے صاحب کافیہؒ کے قول: وإن كان آخره مقصورًا حُذفتْ الألف وبقي ماقبلها مفتوحًا کا۔

دوسری بات: جمع مذکر سالم کے لئے شرائط

وشرطه: إن كان اسمًا فمذكر علمٍ يعقل: صاحب کافیہؒ یہاں سے جمع مذکر سالم کے لئے کچھ شرائط بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ جس اسم کی جمع مذکر سالم بنانا مقصود ہو وہ اسم یا تو اسم علم ہوگا یا اسم صفت ہوگی، اگر اسم علم ہو تو اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ مذکر ہو، دوسری یہ کہ وہ ذوی العقول میں سے کسی کا نام ہو، جیسے زیدٌ سے الزیدون، زیدٌ مذکر بھی ہے اور ذوی العقول میں سے ایک طالب علم کا نام بھی ہے، جب اس کی جمع بنائیں گے تو پہلے اس پر الف لام داخل کردیں گے تا کہ اس کی علمیت ختم ہو جائے اس لئے کہ اسم علم کا تثنیہ اور جمع نہیں آیا کرتے، پھر اس کے بعد اس سے الـزيـدون بنادیں گے، لہذا وہ اسماء جو ذوی العقول کے علاوہ دیگر چیزوں کے نام ہو ان سے جمع مذکر سالم نہیں آتی۔

وإن كان صفةً: اور اگر وہ اسم اسم صفت ہو تو اس سے جمع مذکر سالم بنانے کے لئے پانچ شرائط ہیں:

(۱) فمذکرٌ یعقل: وہ ذوی العقول میں سے کسی مذکر کا نام ہو۔

(۲) وأن لا یکون أفعل فعلاء: وہ صفت ایسے أفعل کے وزن پر نہ ہو جس کی مؤنث فعلاء کے وزن پر آتی ہو جیسے أحمر کی مؤنث حمراء بروزن فعلاء آتی ہے، اس لئے اس کی جمع مذکر سالم لاکر أحمرون نہیں کہہ سکتے، وگرنہ اس کا التباس آئے گا اسم تفضیل کے ساتھ؛ کیونکہ وہ اسم صفت ہے اور أفعل کے وزن پر آتا ہے اور اس کی جمع أفعلون کے وزن پر آتی ہے، لیکن أحمر کی جمع بھی أفعلون کے وزن پر لائیں گے تو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے یا صفت مشبہ کا۔

(۳) ولا فعلانٌ فعلی: وہ صفت ایسے فعلانٌ کے وزن پر نہ ہو جس کی مؤنث فعلی کے وزن پر آتی ہو جیسے سکران بروزن فعلانٌ سے سکرانونَ نہیں بنایا جاسکتا، تاکہ اس کا التباس اس فعلان کے ساتھ نہ ہو جس کی مؤنث فعلانۃٌ کے وزن پر آتی ہو جیسے ندمانٌ کی جمع ندمانونَ آسکتی ہے، اب اگر سکرانٌ کی جمع بھی سکرانونَ مان لی جائے تو دونوں میں التباس لازم آئے گا۔

(۴) ولا مستویًا فیہ مع المؤنث: فرماتے ہیں کہ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ صفت ایسی نہ ہو جو مذکر و مؤنث کے مابین مشترک ہو جیسے صبورٌ اور جریحٌ دونوں مشترک صفات ہیں کیونکہ کلام عرب میں جس طرح رجلٌ جریحٌ وصبورٌ کہا جاسکتا ہے ایسا ہی امرأۃٌ جریحٌ وصبورٌ بھی کہا جاتا ہے، لہٰذا ان کی جمع جریحونَ یا صبورونَ نہیں لائی جاسکتی، اس لئے کہ اگر واؤ اور

نون کے ساتھ ان کی جمع لائیں گے تو دوسری طرف مؤنث ہونے کی وجہ سے الف اورتاء کے ساتھ ان کی جمع لانی چاہئے، چنانچہ جس وزن پر بھی لائینگے تو یہ اس کے ساتھ خاص ہو جائے گا اور دوسری طرف کمی رہے گی اور استواء بین المذکر والمؤنث باقی نہیں رہے گا، اس لئے یہ حکم لگا دیا کہ سرے سے اس کی جمع سالم نہیں آسکتی۔

(۵) ولا بتاء التانيث اوراس صفت کے آخر میں تاء تانیث بھی نہ ہو جیسے علامۃ کے آخر میں ہے کیونکہ اگر تاء کو باقی رکھتے ہوئے اس کی جمع علامتونَ لاتے ہیں تو دو مختلف علامتوں کا ایک صیغہ میں جمع ہونا لازم آئے گا؛ کیونکہ تاء علامت ہے تانیث کی اور واو اور نون علامت ہے جمع مذکر سالم کی، اس لئے تاء کے ساتھ تو نہیں لا سکتے، اور اگر تاء کو حذف کر کے علامونَ جمع لاتے ہیں تو اب پتہ نہیں چلے گا کہ آیا یہ علامۃٌ کی جمع ہے یا علامٌ کی، اس لئے حکم ہی ممانعت کی لگا دی۔

تیسری بات: نون جمع کو حذف کرنا

وتحذف نونه بالإضافة: صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ جب آپ حضرات نے جمع مذکر سالم کا صیغہ ساری شرائط کی رعایت کرتے ہوئے بنا دیا، اب اگر آپ اس کی اضافت کسی کلمہ کی طرف کرنا چاہیں گے تو نون جمع کو حذف کیا جائے گا جیسے مسلمونَ سے مسلموا المدينة المنورة، رہی اس کو گرانے کی وجہ، تو وہ ماقبل میں نون تثنیہ کو وقت اضافت حذف کرنے کی بحث میں گذر گئی وہاں دیکھ لی

جائے۔

ایک سوال اوراس کا جواب

جب صاحب کافیہ نے جمع مذکر سالم کی تعریف اوراس کے بنانے کا طریقہ اوراس کے لئے شرائط کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا تو گویا کہ ایک طالب علم نے کھڑے ہوکر سوال کیا کہ حضرت والا! آپ نے جوشرائط ذکر فرمائی ہیں کلام عرب میں کچھ ایسے اسماء بھی ہیں جن میں مذکورہ شرائط میں سے کوئی بھی نہیں پائی جاتی اور پھر بھی ان کی جمع واؤ اورنون کے ساتھ آتی ہے جیسے سنةٌ کی جمع سنونَ اور أرضٌ کی جمع أرضونَ اور جرةٌ کی جمع جرونَ، اور أذرٌ کی جمع ذرونَ اوراسی طرح قلةٌ اور ثبةٌ کی جمع قلونَ اور ثبونَ آتی ہیں۔

صاحب کافیہ سوال کرنے والے طالب علم کو بڑے اچھے انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ میرے عزیز! آپ نے نحو سنین وأرضینَ والی عبارت تو پڑھ لی اوراس پر مستزاد یہ کہ نیچے حاشیہ کو بھی آپ نے پڑھا اوراس سے مثالیں بھی نکالیں، لیکن نحوسنین سے قبل آپ سے ایک چھوٹی سی عبارت رہ گئی ہے جس میں آپ کے سوال کا جواب موجود ہے اوروہ ہے وقد شذَّ، یعنی یہ اوراس جیسی جتنی بھی مثالیں ہیں وہ ساری شاذ ہیں، اور شاذ کلمات کو قواعد وشرائط اور قوانین سے بالائے طاق رکھتے ہوئے پڑھا جاتا ہے، وہ کسی بھی قاعدہ اور قانون کی شرائط کے لپیٹ میں نہیں آتے۔

درس (۲٦)

أقسام جمع کی تفصیل

المؤنث: ما لحق آخره ألفٌ وتاءٌ، وشرطه: إن كان صفةً وله مذكرٌ، فأن يكون مذكره بالواو والنون، وإن لم يكن له مذكرٌ فأن لا يكون مجرَّدًا، كحائض، وإلا جمع مطلقًا. جمع التكسير: ما تغير بناء واحده كرجال وأفراسٍ، جمع القلة أفعل، وأفعالٌ وأفعلةٌ وفعلةٌ، والصحيح وما عدا ذلك جمعُ كثرةٍ.

ترجمہ: جمع مؤنث سالم وہ ہے جس کے آخر میں الف اور تاء کولاحق کیا گیا ہو اگر وہ صفت کا صیغہ ہو تو اسکی شرط یہ ہے کے اسکا مذکر ہو اور اس مذکر کی جمع واؤ اور نون کے ساتھ ہو، اور اگر اس کا مذکر نہ ہو تو پھر شرط یہ ہے کہ وہ تائے تانیث سے خالی نہ ہو جیسے حائض ورنہ (یعنی اگر مؤنث صفت نہ ہو بلکہ اسم ہو) اس کی جمع مطلقا آئے گی جمع مکسر وہ ہے کہ اس کے واحد کی بناء بدل جائے جیسے رجال اور أفراس اور جمع قلت کے اوزان یہ ہیں: **أفعل أفعال أفعلة فعلة** اور جمع تصحیح اور جوان کے علاوہ ہوں سب جمع کثرت ہے۔

تشریح: آج کے درس میں صرف دو باتیں ہیں:

(۴) جمع مؤنث سالم کی بناء اور شرائط۔

(۵) جمع مکسر اور اس کی قسمیں۔

پہلی بات: جمع مؤنث سالم کی بناء اور شرائط

المؤنث: مالحق آخره ألفٌ وتاءٌ: فرماتے ہیں کہ جس اسم سے جمع مؤنث سالم بنانے کا ارادہ ہو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے آخر میں الف اور تاء لگادو، جمع مؤنث سالم بن جائیگی جیسے مسلمةٌ سے مسلماتٌ اور مؤمنةٌ سے مؤمناتٌ۔

وشرطه: یہ ذہن نشین رہے کہ جس اسم سے جمع مؤنث سالم بنانا ہو تو وہ یا تو اسم علم ہوگا یا اسم صفت، اگر اسم صفت ہو تو اس کے لئے دو شرطیں ہیں:

(۱) إن كان صفةً وله مذكرٌ، فأن يكون مذكره بالواو والنون: پہلی شرط یہ ہے کہ إن كان صفةً وله مذكرٌ فأن يكون مذكره بالواؤ والنون، یعنی اگر وہ اسم صفت ہو، اور اس کی مقابلے میں اس کا مذکر بھی موجود ہو تو بشرطیکہ اس سے پہلے اس کے مذکر کا جمع واؤ اور نون کے ساتھ لائی جا چکی ہو جیسے مسلمةٌ کے مقابلے میں اس کا مذکر مسلمٌ آتا ہے اور اس کی جمع واؤ اور نون کے ساتھ مسلمونَ آچکی ہے، اس لئے مسلمۃ کی جمع بھی الف اور تاء کے ساتھ لائی جاسکتی ہے۔

اگر ایسی صورت میں بھی اس کی جمع الف اور تاء کے ساتھ لائیں گے تو جمع مؤنث سالم جو فرع ہے جمع مذکر سالم کی، اس کا اعلی ہونا لازم آئے گا، اپنے متبوع اور اصل سے۔

(۲) وإن لم يكن له مذكرٌ فأن لا يكون مجردًا: فرماتے ہیں کہ اگر اس کے مقابلے میں اس کا مذکر نہ ہو تو پھر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ صیغہ صفت

ایسا اسم ہو جس کے آخر میں تاء لگی ہوتی ہو، جیسے حائضۃٌ سے حائضاتٌ اور مستحاضۃٌ سے مستحاضاتٌ، اور اگر اس کے آخر میں تاء نہ ہو تو اس سے جمع مؤنث سالم الف اور تاء کے ساتھ نہیں آسکتی جیسے حائضٌ کی جمع حوائضُ تو آسکتی ہے لیکن حائضاتٌ نہیں آسکتی۔

وإلا جُمِعَ مطلقًا: فرماتے ہیں کہ جس اسم سے جمع مؤنث سالم بنانا ہو اگر وہ اسم صفت نہ ہو تو پھر مطلقاً یعنی بغیر کسی شرط کے اس کی جمع الف اور تاء کے ساتھ لائی جائیگی جیسے ھندٌ سے ھنداتٌ، طلحۃ اور حذیفۃ سے طلحاتٌ اور حذیفاتٌ وغیرہ۔

جمع تکسیر اور اس کی قسمیں

جمع التکسیر: صاحب کافیہ جمع کی بحث کے شروع میں بتا چکے تھے کہ جمع کی دو قسمیں ہیں: جمع تصحیح اور جمع تکسیر، چنانچہ جمع تصحیح کو تو پورے بسط و تفصیل سے بیان فرمایا، اب جمع تکسیر کو بیان فرمارہے ہیں، کَسَّرَ یُکَسِّرُ تکسیرًا کا لغوی معنی ہے توڑنا، اس کو بھی جمع تکسیر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مفرد کی بناء صحیح سالم نہیں رہتی، بلکہ کسی نہ کسی طریقے سے اس میں تبدیلی کر کے اس کو توڑ دیا جاتا ہے جیسے رجلٌ سے رجالٌ اور فرسٌ سے أفراسٌ وغیرہ۔

پھر معنی کے اعتبار سے جمع تکسیر کی دو قسمیں ہیں: جمع قلت اور جمع کثرت، جمع قلت کا مطلب ہے وہ جمع جو تین سے دس تک افراد پر دلالت کرے، اس کے لئے صاحب کتابؒ نے چھ اوزان بیان فرمائے ہیں:

(۱) أفعلٌ مثل أكلبٌ ۔(۲) أفعالٌ مثل أقوالٌ ۔(۳)أفعلةٌ مثل أعونةٌ۔ (۴) فِعلةٌ مثل غِلمةٌ ۔(۵=۶)اور جمع تصحیح کے دونوں وزن یعنی جمع مذکر سالم اور جمع مؤنث سالم۔

یہ صاحب کافیہؒ کے ہاں ہے، البتہ شیخ رضی فرماتے ہیں کہ جمع سالم چاہے مذکر کی ہو یا مؤنث کی دونوں قسمیں جمع قلت اور جمع کثرت میں مشترک ہیں، اور صاحب خادمۃ الکافیہ نے لکھا ہے کہ جمع کی یہ دونوں قسمیں اگر نکرہ ہوں تب تو جمع قلت میں شمار ہوں گے لیکن اگر معرفہ ہوں تو پھر دونوں قسموں میں مشترک ہوں گے۔

(تقریر کافیہ۲/۸۲)

وما عدا ذلک جمع کثرۃ: اور جو اوزان ان چھ کے علاوہ ہوں وہ جمع کثرت کے اوزان شمار ہوں گے، جیسے حُمرٌ بروزن فُعلٌ اور صواحبُ بروزن فواعِلُ وغیرہ، لیکن جمع قلت اور جمع کثرت کبھی کبھار موقع ومحل کے اعتبار سے ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے ﴿ثلاثۃ قروء﴾ میں قروء بروزن فعولٌ جمع قلت کے اوزان میں سے نہیں ہے پھر بھی اس کا معنی ہے تین حیض، جو جمع قلت کا معنی ہے، معلوم ہوا کہ یہ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہو سکتے ہیں۔

درس (۲۷)

مصدر کا بیان

المصدر: اسمٌ للحدث الجاري على الفعل، وهو من الثلاثي

المجرد سماعٌ، ومن غيره قياسٌ، ويعملُ عمل فعله ماضيًا وغيره.

ترجمہ: مصدر وہ ہے جو حدوث پر دلالت کرے جو فعل پر جاری ہوتا ہے (یعنی مصدر سے فعل پر مرتب ہوتے ہیں) اور وہ ثلاثی مجرد سے سماعی ہے، اور غیر ثلاثی سے قیاسی ہیں اور یہ اپنے فعل والا عمل کرتا ہے خواہ وہ ماضی کے معنی میں ہو یا اس کے علاوہ ہو۔

تشریح: بھائی یہاں سے فعل کے ساتھ اسم کے متصل اور غیر متصل ہونے کے اعتبار سے ایک اور تقسیم شروع فرمارہے ہیں، چنانچہ اس اعتبار سے اسم کی تین قسمیں ہیں: مصدر، مشتق، اور جامد، لیکن ان میں سے صرف پہلے والے دو کو صاحب کافیہ بیان فرمائینگے چنانچہ آج کے درس میں پہلی قسم یعنی مصدر کو بیان کررہے ہیں، لہذا اس سے متعلق ہم آپ حضرات کے سامنے چار ضروری باتیں عرض کردیں گے:

(۱) مصدر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔

(۲) مصدر کے اوزان۔

(۳) مصدر کا عمل۔

پہلی بات: مصدر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

مصدر صَدَرَ یَصْدُرُ یعنی باب نصر سے اسم ظرف کا صیغہ ہے اس کا مصدری معنی ہے صادر ہونا، اور مصدر اسم ظرف کا معنی بنے گا صادر ہونے کی جگہ، چونکہ اس سے افعال اور اسماء مشتقہ نکلتے ہیں اس لئے اس کو مصدر کہتے ہیں اور اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے صاحب کافیہ فرمارہے ہیں: اسمٌ للحدث الجاري على الفعل یعنی مصدر ایسے اسم کا نام ہے جس سے صیغوں کا اشتقاق ہورہا

ہواوران سب صیغوں میں یہی مصدری معنی پایا جاتا ہو مثلاً الکتابۃ مصدر سے کتب، کتبا، یکتب یکتبان، اکتب، اکتبا وغیرہ افعال کا اشتقاق ہو رہا ہے اوران سب میں مصدری معنی لکھنا پایا جارہا ہے۔

دوسری بات: مصدر کے اوزان

وھو من الثلاثي المجرد سماعٌ: میرے عزیز طلبہ! آپ حضرات نے پچھلے دو سالوں میں اپنے محترم اساتذہ کرام سے یہ پڑھا ہے کہ علم صَرف میں مشہوراور صحیح تر قول کے مطابق کل چالیس ابواب ہیں: جن میں سے چھ ثلاثی مجرد کے اور بارہ ثلاثی مزید فیہ کے، اور ایک رباعی مجرد کا ہے، اور تین رباعی مزید فیہ کے اور اٹھارہ ملحق ابواب ہیں، یہ کل چالیس ہوگئے، ان چالیس میں سے پہلے والے چھ ابواب کے مصادر کس وزن پر آینگے تو اس کے لئے صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ اس کے لئے کوئی قاعدہ اور قانون ہمارے پاس نہیں ہے بلکہ عرب حضرات سے ہم جیسے سنے یاان کی کتابوں میں جس طرح پڑھے بس وہی ان کے اوزان ہوں گے۔

بعض حضرات علماء کرام نے ایسے اوزان کو جمع کرنے کی کوشش بھی کی ہے مثلاً صاحب مراح الارواح اور آفندی نے امام سیبویہؒ کے حوالے سے لکھا ہیں کہ ایسے کل ۳۲ اوزان ہیں، اور پچھلے سال آپ حضرات نے **علم الصیغۃ** میں پڑھا تھا کہ مفتی عنایت احمد کاکوروی صاحبؒ نے اپنے استاد کے حوالہ سے اس کے ۴۴ اوزان بتادئے تھے، لیکن پھر بھی ہم اس پر اکتفاء نہیں کرسکتے بلکہ اس قول (**وھو من الثلاثي المجرد سماعٌ**) کے روشنی میں عرب حضرات سے مزید اور بھی سن سکتے ہیں، نیز ان

کی کتابوں میں بھی مزید اوزان مل سکتے ہیں، واللہ أعلم بالصواب وعلمہ أتم وأکمل وھو یعلم عدد کل شيء۔

القصہ صحیح تر قول کے مطابق چالیس ابواب میں سے چھ تو سماعی ہیں قیاس کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے، باقی رہے ۳۴ ابواب، ان سے کس وزن پر مصادر آئینگے توصاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ ومن غیرہ قیاسٌ یعنی ثلاثی مجرد کے چھ ابوب کے علاوہ دیگر جتنے بھی ابواب ہیں وہ سب قیاسی اور عقلی ہیں یعنی باقاعدہ وہ اصول اور قوانین کے تحت آتے رہیں گے، اور وہ قانون یہ ہے کہ عام طور پر ہر باب کا مصدر اسی باب کے نام کے وزن پر آئے گا، مثلاً باب افعال کا مصدر اسی إفعالٌ کے وزن پر، او رباب استفعال کا مصدر اسی استفعالٌ کے وزن پر آئے گا جیسے إکرامٌ اور استعمالٌ، وقس علیٰ ھذا مصادر الأبوب الأخری۔

تیسری بات: مصدر کا عمل

ویعمل عمل فعلہ: آپ حضرات نے مختلف قسم کے عوامل پڑھے ہیں مثلاً بعض افعال عاملہ ہیں اور بعض حروف عاملہ ہیں اسی طرح بعض اسماء بھی عاملہ ہیں، منجملہ ان کے مصدر بھی ایک عامل ہے، اس لئے صاحب کافیہؒ اس کی تعریف اور اوزان کو بیان کرنے کے بعد اس کا عمل بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ یعمل عمل فعلہ یعنی ہر مصدر اپنے فعل والا عمل کرتا ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ وہ مصدر اگر فعل لازم کا ہو تو جس طرح فعل لازم صرف فاعل کو رفع دیتا ہے بالکل اسی طرح یہ بھی صرف اپنے فاعل کو رفع دے گا جیسے جلسَ زیدٌ میں جلسَ نے زیدٌ کو

رفع دیا ہے، اسی طرح أعجبني جلوس زيد میں مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے جس میں زیدٌ فاعل اگرچہ لفظاً مجرور ہے لیکن محلاً بناء بر فاعلیت مرفوع ہے۔

اور اگر وہ مصدر فعل متعدی کا ہو تو اسی فعل متعدی کی طرح اپنے فاعل کو رفع دینے کے ساتھ ساتھ اپنے مفعول بہ کو نصب بھی دے گا جیسے أعجبني ضربُ زيدٍ عمرًوا میں ضرب مصدر نے زیدٌ فاعل کو رفع اور عمرًوا مفعول بہ کو نصب دیا ہے۔

ماضيًا وغيره: فرماتے ہیں کہ مصدر چاہے ماضی کے معنی میں ہو یا حال اور استقبال کے معنی ہو ہر حال میں عمل کرے گا جیسے ماضی کی مثال أعجبني ضربُ زيدٍ عمرًوا أمسِ، اور حال کی مثال أعجبني ضربُ زيدٍ عمرًوا الآن، اور استقبال کی مثال أعجبني ضرب زيدٍ عمرًوا غدًا، اس بات کی صراحت اس لئے فرمائی تاکہ بعض طالب علم ساتھیوں کو یہ وہم نہ ہو کہ جس طرح ہم نے ہدایۃ النحو میں اسم فاعل واسم مفعول وغیرہ کے متعلق پڑھا ہیں اور یہاں کافیہ کا بھی ہم نے تھوڑا سا آگے تک مطالعہ کیا ہے اس میں بھی یہ بات ہمارے سامنے آنے والی ہے کہ وہ عمل تو کریں گے لیکن بشرطیکہ حال یا استقبال کے معنی میں ہوں اگر ماضی کے معنی میں ہوں تو عمل نہیں کریں گے تو شاید مصدر کے لئے بھی یہ شرط ہوگی، تو صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ نہیں میرے عزیز طلبہ! یہ بغیر اس شرط کے عمل کرے گا؛ کیونکہ یہ عامل بنفسہ ہے نہ کہ کسی چیز کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے، وسيأتي الكلام على هذا بالتفصيل في موضعه إن شاء الله سبحانه وتعالى۔

درس (۲۸)

مصدر کے عمل کی شرائط اور چند اہم مسائل

إذا لم يكن مفعولا مطلقًا، ولا يتقدَّم معموله عليه، ولا يضمر فيه، ولا يلزم ذكر الفاعل، ويجوز إضافته إلى الفاعل، وقد يُضافُ إلى المفعول، وإعماله باللام قليلٌ، فإن كان مطلقًا فالعمل للفعل، وإن كان بدلا منه فوجهان.

ترجمہ: (مصدر اپنے فعل والا عمل کرتا ہے) بشرطیکہ وہ مفعول مطلق نہ ہو اور مصدر کا معمول اس پر مقدم نہیں ہوسکتا، اور نہ ہی معمول اس میں مضمر ہوسکتا ہے، اور لازم نہیں فاعل کا ذکر کرنا، اور جائز ہے مصدر کی اضافت فاعل کی طرف، اور کبھی (مصدر) مفعول کی طرف مضاف ہوتا ہے، اور اس مصدر کا عمل لام کے ساتھ قلیل ہے، اور اگر وہ (مصدر) مفعول مطلق ہو تو عمل صرف فعل کے لئے ہوگا، اور اگر (مفعول مطلق) فعل کا بدل ہو تو اس میں دو صورتیں جائز ہیں۔

تشریح: آج کے درس میں انشاء اللہ ہم مصدر کے عمل کے لئے شرائط اور اس کے بعد چھ اہم مسائل پڑھیں گے:

پہلی بات: مصدر کے عمل کے لئے شرائط

(۱) **إذا لم يكن مفعولًا مطلقًا:** مصدر کے عمل کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مفعول مطلق نہ ہو؛ کیونکہ ایسی صورت میں مصدر ایک ضعیف عامل ہوگا اور

مفعول مطلق سے پہلے والا فعل عامل قوی ہوگا، لہذا عامل قوی کے ہوتے ہوئے عامل ضعیف کو عمل دینا مناسب نہیں ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مفعول مطلق خود فعل مذکور کا معمول ہوتا ہے نہ کہ عامل جیسے ضربتُ ضربًا زیدًا، اس میں زیدًا منصوب ہے لیکن مصدر کی وجہ سے نہیں بلکہ فعل مذکور ضربتُ کی وجہ سے منصوب ہے، بلکہ ضربًا مصدر خود بھی اسی فعل مذکور کی وجہ سے منصوب ہے۔

(٢) **ولا یتقدم معموله علیه:** دوسری شرط یہ بیان کر رہے ہیں کہ اس کا معمول اس پر مقدم نہ ہو ورنہ تو مصدر عمل نہیں کر سکے گا؛ کیونکہ مصدر ایک ضعیف عامل ہے اور ضعیف عامل اپنے مابعد میں تو عمل کر سکتا ہے لیکن اپنے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا جیسے أعجبني عمرًوا ضربُ زیدًا ناجائز ہے۔

(٣) **ولا یُضمر فیه:** تیسری شرط یہ ہے کہ اس کا عامل اس کے اندر ضمیر مرفوع متصل مستتر نہ مانی جائے، اس کی دو وجہیں ہیں: ایک یہ کہ مصدر عامل ضعیف ہے اور ضعیف عامل یا تو اسم ظاہر میں عمل کرتا ہے یا ضمیر بارز میں جیسے ضربي زیدًا، لیکن ضمیر مستتر میں کبھی عمل نہیں کر سکتا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس میں ضمیر مستتر مانیں گے مثلاً مصدر مفرد میں اگر فاعل کی ضمیر مان لی جائے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے تثنیہ اور جمع کے مصدر میں بھی ضمیر ماننی پڑے گی، اور ایسی صورت میں تثنیہ اور جمع میں دو تثنیہ اور دو جمع کا ماننا لازم آئے گا، ایک مصدر کے لئے اور ایک فاعل کے لئے، اس لئے کہ مصدر بھی اپنی ذات کے اعتبار سے تثنیہ اور جمع ہوتا ہے بخلاف فعل کے کہ اس میں ضمیر لانا اس لئے جائز ہے

کہ اس میں تثنیہ اور جمع اپنی ذات کے اعتبار سے نہیں ہوتا بلکہ صرف فاعل کے اعتبار سے ہوتا ہے اس لئے فعل کے اندر ضمیر مستتر ماننا صحیح ہے۔ (ایضاح المطالب ۱۲۸)۔

دوسری بات: چند ضروری مسائل

(۱) **ولا یلزم ذکر الفاعل**: فرماتے ہیں کہ مصدر کے ساتھ اس کے فاعل کا ذکر کرنا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ اس کا مفہوم اور تصور فاعل پر موقوف نہیں ہوتا، جس طریقے سے فعل اور اسم فاعل وغیرہ کا سمجھنا فاعل پر موقوف ہوتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر مصدر میں بھی فاعل کا ذکر ضروری قرار دیا جائے تو اگر فاعل کا ذکر پہلے ہو چکا ہو تو ضرور مصدر میں اس کی طرف لوٹنی والی ضمیر ماننی پڑے گی اور یہ بات ابھی گذر گئی کہ مصدر میں ضمیر مستتر نہیں لائی جا سکتی۔

(۲) **ویجوز إضافته إلى الفاعل**: مصدر اگر اضافت کے بغیر ہو اور مفرد منون نکرہ ہو تو بہتر صورت تو یہی ہے لیکن اگر اس کی اضافت اپنے معمول یعنی فاعل کی طرف کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، اور یہ اضافت جس طرح اسم فاعل کی طرف ہوتی ہے اسی طرح اسم مفعول، مفعول بہ مفعول لہ، اور ظرف کی طرف بھی ہو سکتی ہے لیکن عام طور پر جب اس کی اضافت ہوتی ہے تو اپنے فاعل کی طرف ہوتی ہے جیسے ﴿ولولا دفع الله الناسَ﴾۔

(۳) **وقد یُضافُ إلى المفعول**: فرماتے ہیں کہ کبھی یہ اپنے مفعول کی طرف بھی مضاف ہوتا ہے لیکن فاعل کے بنسبت یہ اضافت کم استعمال ہوتی ہے

جیسا دخول قد علی المضارع سے بھی اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے، اور مفعول سے مراد عام ہے صرف مفعول بہ مراد نہیں ہے بلکہ مفعول لہ اور ظرف بھی مراد ہیں مفعول بہ کی مثال بنے گی أعجبني ضربُ اللصِّ الجلادُ، اور مفعول لہ کی مثال أعجبني ضربُ التأديب زيدٌ عمروًا، اور ظرف کی مثال أعجبني ضربُ يوم الجمعة زيدٌ عمروًا۔

(۴) وإعماله باللام قليلٌ: فرماتے ہیں کہ مصدر اگر معرف باللام ہو تو ایسی صورت میں یہ بہت کم عمل کرتا ہے، اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں، ایک تو وہ ہے جو محشی صاحب نے لکھی ہے یعنی مصدر کے عمل کا دارومدار اس پر ہے کہ جہاں مصدر عمل کرتا ہے وہاں فعل کو أنْ مصدریہ کے ساتھ فرض کرلیا جاتا ہے، جیسے أعجبني ضربُ زيدٌ عمروًا میں کہا جائے گا أعجبني أن ضربَ زيدٌ عمروًا، لیکن اگر ہم مصدر معرف باللام بنادیں تو پھر اس پر أنْ کا داخل کرنا متعذر رہ جائے گا، اس لئے اس صورت کو ضعیف قرار دیکر اس پر قليلٌ کا حکم لگادیا، جیسے اس کی مثال بنے گی أعجبني الضرب زيدٌ عمروًا، لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس صورت میں پھر اس کی اضافت اپنے فاعل یا مفعول کی طرف نہیں ہوگی؛ کیونکہ مضاف ہمیشہ مجرد عن اللام ہوتا ہے، ورنہ دو علامت تعریف کا ایک کلمہ میں جمع ہونا لازم آئے گا جو کہ صحیح نہیں ہے۔

دوسری وجہ اس کی یہ لکھی ہے کہ اس پر الف لام اس لئے داخل نہیں کرتے کہ ایک تو ہے ہمارے پاس مصدر حقیقی اور دوسرا مصدر مؤول، یعنی جب فعل پر أنْ مصدریہ داخل ہو، تو ایسے مصدر مؤول پر الف لام داخل نہیں ہوسکتا، لہذا

مصدر حقیقی میں بھی ہم کہیں گے کہ اس پر بھی الف لام داخل نہیں ہوسکتا، البتہ اس کے داخل ہونے کے بعد بھی یہ عمل کرے گا، تاکہ کم از کم مصدر مؤول اور مصدر حقیقی میں فرق باقی رہے۔

(۵) **فإن كان مطلقًا فالعمل للفعل:** فرماتے ہیں کہ مصدر اگر مفعول مطلق کی صورت میں ہو تو پھر یہ عمل نہیں کر سکے گا بلکہ عمل وہ فعل کرے گا جو اس سے قبل مذکور ہو، اس کی پوری تشریح ماقبل والی عبارت: **إذا لم يكن مفعولًا مطلقًا** میں گذر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

(۶) **وإن كان بدلا منه فوجهان:** ماقبل میں اس مفعول مطلق کے عمل کی نفی ہوئی جس کا فعل مذکور ہو، اب فرماتے ہیں کہ جس مفعول مطلق کو فعل مذکور کا بدل اور نائب قرار دیا جائے باین طور کہ فعل مذکور کو حذف کر دیا جائے تو ایسی صورت میں فرمارہے ہیں کہ دو وجہیں جائز ہیں:

ایک تو یہ کہ مفعول مطلق کے بعد والے فاعل یا فاعل اور مفعول دونوں کو اسی مفعول مطلق کا معمول بنانا بھی جائز ہے، کیونکہ بظاہر لفظوں میں اس کے علاوہ کوئی اور عامل ہے نہیں تو اس کو عامل بنایا جائے گا جیسے **سلامًا عليك** میں **عليك** کو متعلق کے ساتھ ملا کر **سلامًا** کے لئے معمول بنانا۔

اور دوسری یہ کہ اسے فعل محذوف کا معمول بنایا جائے؛ کیونکہ اصل عامل تو وہی ہے بلکہ اس صورت میں خود مفعول مطلق بھی اسی فعل کا معمول بنے گا جیسے **سلامًا عليك** میں **سلامًا** اور **عليك** دونوں معمول بنیں گے **سلمت** فعل محذوف کا۔ والله أعلم بالصواب وعلمه أتم وأكمل

درس (۲۹)

اسم فاعل کا بیان

اسم الفاعل: ما اشتقَّ من فعلٍ لمن قامَ به بمعنى الحدوثِ، وصيغته من الثلاثي المجرد على فاعل، ومن غيره على صيغة المضارع بميم مضمومة وكسر ما قبل الآخر، نحو مُدخل ومُستغفر، ويعمل عمل فعله بشرط معنى الحال أو الاستقبال، والاعتماد على صاحبه، أو الهمزة، أو ما.

ترجمہ: اسم فاعل (وہ اسم) ہے جو فعل سے مشتق ہو (تا کہ دلالت کرے) اس ذات پر جس کے ساتھ فعل قائم ہو بمعنی حدوث کے، اور اس کا صیغہ ثلاثی مجرد سے فاعلٌ کے وزن پر آتا ہے، اور غیر ثلاثی مجرد سے مضارع کے صیغہ پر آتا ہے میم مضموم لگانے کے ساتھ، اور آخر سے ماقبل کسرہ دینے کے ساتھ جیسے مدخِلٌ، اور مستغفِرٌ، اور یہ اپنے فعل (معروف) والا عمل کرتا ہے (اس شرط کے ساتھ کہ) اسم فاعل حال یا استقبال کے معنی میں ہو، اور اس شرط کے ساتھ کہ اسم فاعل نے ذوالحال پر اعتماد کیا ہوا ہو، یا ہمزہ استفہام، یا ماحرف نفی پر۔

تشریح: یہاں سے صاحب کافیہ اسماء مشتقہ بیان فرمارہے ہیں، کوفیین کے ہاں مصدر بھی اسماء مشتقہ میں سے ہے تفصیل آپ حضرات نے علم الصیغہ میں اسماء مشتقہ کے بحث میں بھی پڑھی ہوگی اور الافادات النافعہ میں تو بالتفصیل پڑھی ہے، البتہ

بصریین کے ہاں مصدر اصل ہے اور اسماء مشتقہ یہاں سے شروع ہو رہے ہیں، چنانچہ اس میں ہم آپ کے سامنے پانچ باتیں عرض کرینگے:

(۱) اسم فاعل کی تعریف۔

(۲) فاعل اور اسم فاعل میں فرق۔

(۳) اسم فاعل کے اوزان اور بنانے کا طریقہ۔

(۴) اسم فاعل کا عمل۔

(۵) عمل کے لئے شرائط۔

پہلی بات: اسم فاعل کی تعریف

لغوی اعتبار سے الفاعل فعِل یفعل مجرد کے ابواب میں سے باب کرم کے علاوہ ہر باب سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اور اس پر داخل ہونے والا الف لام الذی کے معنی میں ہے، لہذا عبارت اس طرح ہوگی: اسم الذي فعَل یعنی نام اس بندے کا جس نے کوئی کام کیا ہے، اور اصطلاح میں اس کی تعریف بیان کرتے ہوئے صاحب کافیہ فرما رہے ہیں کہ ما اشتق من فعلٍ لمن قام به بمعنی الحدوث یعنی اسم فاعل وہ اسم ہے جسے نکالا گیا ہو فعل سے اس ذات کے لئے جس کے ساتھ مصدری معنی قائم ہو حدوث یعنی عارضی طور پر، جیسے ہم کہتے ہیں بلالٌ کاتبٌ، اس میں کاتبٌ صیغہ اسم فاعل کا مصدری معنی یعنی لکھنے کا حکم ہم نے بلال پر لگایا، تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ بلال نامی طالب علم کا اور کوئی کام ہی نہیں ہے بلکہ ہر وقت لکھتا ہی رہتا ہے، نہیں بلکہ اس کے اور بھی بہت سارے اعمال ہیں مثلاً نماز پڑھنا،

تلاوت کرنا، مطالعہ کرنا، درس گاہ میں بیٹھ کر استاذ سے کافیہ اور درجہ ثالثہ کی پوری کتابیں پڑھنا، وغیرہ وغیرہ، منجملہ ان کاموں کے ان کا ایک کام لکھنا بھی ہے جو کچھ دیر تک ممتد رہنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔

مذکورہ تعریف میں فوائد وقیود

مذکورہ عبارت میں اسم فاعل معرف اور باقی اس کی تعریف ہے، لہذا تعریف میں لفظ مــا جنس ہے جو سارے کے سارے اسماء جامدہ ومشتقہ وجملہ مصادر کو شامل ہے، لـمن قام به فصل اول ہے جس کے ذریعے اس تعریف سے اسم مفعول اور اسم مصدر خارج ہو گئے اور بـمعنی الحدوث فصل ثانی ہے اس کے ذریعے صفت مشبہ اور اسم تفضیل خارج ہو گئے؛ کیونکہ وہاں حدوث نہیں ہوتا بلکہ استمرار ہوتا ہے۔ کما سیأتي بیانه في موضعه۔

دوسری بات: فاعل اور اسم فاعل میں فرق

یہ بات کتاب میں تو نہیں ہے لیکن اِتمامًا للفائدہ عرض ہے کہ فاعل اور اسم فاعل اگرچہ قریب قریب ہم لفظ دو نام ہیں لیکن ان دونوں میں کئی وجوہات سے فرق پایا جاتا ہے مثلاً:

(۱) فاعل عام طور پر اسم جامد ہوتا ہے جیسے ضرب زیدٌ میں زید اسم جامد ہے، جبکہ اسم فاعل ہمیشہ کے لئے اسم مشتق ہوتا ہے۔

(۲) فاعل کے لئے کوئی وزن مقرر نہیں ہے البتہ اسم فاعل کے باقاعدہ اوزان مقرر ہیں جو عنقریب آپ کے سامنے آنے والے ہیں۔

(۳) فاعل معمول ہوتا ہے جبکہ اسم فاعل خود عامل ہوا کرتا ہے۔

(۴) فاعل عام طور پر اسم غیر متصرف اور اسم فاعل متصرف ہوتا ہے۔

(۵) فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے جبکہ اسم فاعل پر اعراب حسب عوامل آتا ہے۔

تیسری بات: اسم فاعل کے اوزان اور بنانے کا طریقہ

میرے عزیز طلبہ! آپ حضرات نے ماقبل میں مصدر کے اوزان پڑھے وہاں تو تھوڑا سا مسئلہ ہو رہا تھا کہ ثلاثی مجرد کے ابواب کے مصادر سَماعی تھے قیاس کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا، لیکن یہاں تو کوئی مشکل ہی نہیں ہے بلکہ بڑے مختصر الفاظ میں فرمایا کہ وصیغته من الثلاثي المجرد علی فاعلٍ، یعنی ثلاثی مجرد سے اسم فاعل فاعلٌ کے وزن پر آئے گا جیسے سمع یسمع سے سامعٌ، منع یمنع سے مانعٌ وغیرہ۔

آپ حضرات نے کل چالیس ابواب پڑھے ہیں ان میں ثلاثی مجرد کے ابواب کے لئے (سوائے کرم یکرم کے) فاعلٌ کا وزن بتادیا، باقی رہے ۳۴ ابواب، تو ان سب کے لئے فرمایا کہ ومن غیرہ علی صیغة المضارع یعنی ثلاثی مجرد کے چھ ابواب کے علاوہ باقی ۳۴ ابواب سے اسم فاعل اسی باب کے فعل مضارع معلوم کے وزن پر آئے گا، ہاں تھوڑی سی تبدیلی ضرور ہوگی تا کہ اسم فاعل اور فعل مضارع میں فرق واضح ہو، وہ یہ کہ علامت مضارع کو ہٹا کر اس کی جگہ میم مضمومہ لگادینگے اور آخر میں تنوین تمکن لگادینگے اور ماقبل اُخیر کو مکسور کردینگے جیسے یُدخلُ سے مُدخِلٌ اور یستغفر سے مستغفرٌ، ان کے علاوہ اگر کسی اور وزن پر آپ نے اسم

فاعل کو دیکھا تو وہ شاذ ہوگا، اور رہا باب کرم یکرم تو اس سے اسم فاعل نہیں آتا بلکہ اس سے صفت مشبہ آئے گا جو ہمارے بحث سے خارج ہے۔

چوتھی بات: اسم فاعل کا عمل

ویعمل عمل فعله: فرماتے ہیں کہ یہ اپنے فعل والا عمل کرتا ہے، اس کی پوری تفصیل مصدر کے عمل کے تحت گذر چکی ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ فعل لازم کا اسم فاعل صرف اپنے فاعل کو رفع دے گا جیسے زیدٌ جالسٌ میں جالسٌ اسم فاعل نے اپنے ضمیر فاعل کو رفع دیا ہے، چنانچہ اس کی ترکیب اس طرح ہوگی زیدٌ مبتداء، جالسٌ صیغہ اسم فاعل، ھو ضمیر اس کا فاعل، جالسٌ صیغہ اسم فاعل اپنے ضمیر فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہوکر خبر ہوا مبتداء کے لئے، مبتداء اپنے خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اور فعل متعدی کا اسم فاعل اپنے فاعل کو رفع دینے کے ساتھ ساتھ مفعول بہ کو نصب بھی دے گا جیسے زیدٌ ضاربٌ عمروًا، اس کی ترکیب اس طرح ہوگی: زیدٌ مبتداء، ضاربٌ صیغہ اسم فاعل، ھو ضمیر اس کا فاعل جس کو اس نے رفع دیا ہے، اور عمرًوا اس کے لئے مفعول بہ، ضاربٌ صیغہ اسم فاعل اپنے ضمیر فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہوکر خبر ہوا مبتداء کے لئے، مبتداء اپنے خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

پانچویں بات: اسم فاعل کے عمل کے لئے شرائط

بشرط معنی الحال أو الاستقبال: اس سے قبل مصدر کے بحث میں آپ پڑھ کر آرہے ہوں کہ وہ ان شرائط کے بغیر عمل کرتا ہے اس لئے کہ وہ عامل بنفسہ ہے لیکن یہاں فرمارہے ہیں کہ اسم فاعل کے عمل کے لئے دو شرطیں ہیں:

(۱) جب یہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو، یہ شرط اس لئے لگائی کہ اسم فاعل عامل بنفسہ نہیں ہے بلکہ فعل مضارع کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے عامل ہے، اور وہ مشابہت کئی وجوہ سے ہے: تعداد حروف میں ۔ تعداد حرکات میں ۔ تعداد سکنات میں ۔ عمل میں ۔ لہذا ایک ہی چیز رہ گئی تھی یعنی مشابہت فی الزمان تو یہ بھی شرط قرار دی تا کہ دونوں کے درمیان مشابہت قوی ہو جائے، چنانچہ مضارع میں یا تو حال کا زمانہ ہوتا ہے یا استقبال کا، اس لئے یہاں بھی شرط لگائی کہ یہ تب عمل کرے گا جب یہ یا تو حال کے معنی میں ہو یا استقبال کے معنی میں، جیسے زیدٌ ضاربٌ عمروًا الآن أو غدًا، اور زیدٌ ضاربٌ عمروًا أمس کہنا صحیح نہیں ہوگا۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ والاعتماد علی صاحبہ: اسم فاعل اپنے صاحب پر اعتماد کئے ہوئے ہو، صاحب سے مراد چھ چیزوں میں سے کسی ایک پر اعتماد کئے ہوئے ہو، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مبتداء پر اعتماد ہو، یعنی اس سے قبل کلام میں مبتداء مذکور ہو اور یہ اس کے لئے خبر بن رہا ہو جیسے زیدٌ ضاربٌ عمروًا۔

(۲) موصول پر اعتماد ہو، یعنی ماقبل موصول کے لئے یہ صلہ بن رہا ہو جیسے جاء ني القائم أبوہ، القائم پر داخل ہونے والا الف لام الذي کے معنی میں ہے اور قائمٌ اس کے لئے صلہ بن رہا ہے، اور أبوہ کو فاعل ہونے کی وجہ سے رفع دیا ہوا ہے۔

(۳) موصوف پر اعتماد ہو یعنی ماقبل موصوف کے لئے یہ صفت بن رہا ہو جیسے مررت

بـرجلٍ ضـاربٍ أبوہ عمروًا، یعنی میں گذرا ایک ایسے آدمی سے جو مارنے والے تھے اس کے والد صاحب عمرو کو، اس میں رجلٌ موصوف اور ضاربٌ اس کی صفت بن رہی ہے، پھر أبوہ کو رفع اور عمروا کو نصب دیا ہے۔

(۴) ذوالحال پر اعتماد ہو، یعنی ماقبل ذوالحال کے لئے یہ حال بن رہا ہو جیسے جاء نی زیـدٌ راکبًـا فـرسَـہ، یعنی آیا میرے پاس زید درآنحالیکہ سوار تھا وہ اپنے گھوڑے پر، اس میں زیدٌ ذوالحال اور راکبًا صیغہ اسم فاعل اس کے لئے حال بن رہا ہے اور اس نے رفع دیا ہے اپنے ضمیر فاعل کو اور نصب دیا ہے اپنے مفعول بہ فرسَہ کو۔

(۵) حرف استفہام پر اعتماد ہو یعنی اس سے قبل کلام میں حرف استفہام موجود ہو جیسے أقائمٌ زیدٌ اس میں قائمٌ صیغہ اسم فاعل نے زیدٌ فاعل کو رفع دیا ہے۔

(٦) حرف نفی پر اعتماد ہو، یعنی اس سے قبل کلام میں حرف نفی موجود ہو جیسے ما قائمٌ زیدٌ یہاں بھی قائمٌ صیغہ اسم فاعل نے اپنے فاعل زیدٌ کو رفع دیا ہے۔

اب میرے عزیز طلبہ! یہ سمجھ لو کو ان چھ چیزوں پر اعتماد کی شرط کیوں لگائی ہے؟ تو خوب غور سے سنو کہ ان میں سے پہلے چار کی شرط تو اس لئے لگائی کہ وہ چاروں خود ترکیب میں مسند الیہ واقع ہوتے ہیں اور صیغہ اسم فاعل ان کے لئے مسند واقع ہو رہا ہے، اور فاعل بھی مسند ہوتا ہے لہذا دونوں کی مشابہت پائی گئی، اور آخری دو کی بھی شرط اس لئے لگائی کہ حرف نفی اور حرف استفہام اکثر فعل پر داخل ہوتے ہیں تو ان کے بعد اسم فاعل ہوگا، تو مشابہت مزید قوی ہو جائیگی۔

یہ جتنی تفصیل بیان ہوگئی یہ امام سیبویہؒ اور جمیع بصریین کا مذہب ہے جبکہ امام

اخفشؒ اور کوفیین فرماتے ہیں کہ اسم فاعل میں اعتماد والی یہ شرط اگر نہ بھی ہو تب بھی یہ عمل کرے گا مثلاً ضاربٌ زیدٌ عمروًا کہنا پہلے مذہب والوں کے ہاں تو صحیح نہیں ہے البتہ مذہب ثانی یعنی اخفش وکوفیین کے ہاں صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

درس (۳۰)

پانچ اہم مسائل کا بیان

فإن كان للماضي وجبت الإضافة معنًى خلافًا للكسائي، فإن كـانَ له معمولٌ آخرُ فبفعل مقدرٌ نحو: زيدٌ معطي عمرٍو درهمًا أمسِ، فـإن دخـلـت الـلام استوى الجميع، وما وُضع منه للمبالغة كضرَّابٍ، وضَروبٍ ومِضرابٍ، وعليم، وحَذِرٍ مثله، والمثنى والمجموع مثله، ويجوز حذف النون مع العمل والتعريف تخفيفًا.

تـرجـمـه: پس اگر اسم فاعل بمعنی ماضی ہو تو معنوی طور پر اضافت کرنا واجب ہے، اور یہ بات کسائی نحوی کے خلاف ہے جب اس (اسم فاعل) کا (مضاف الیہ کے علاوہ) کوئی معمول ہو تو (وہ معمول ہوگا) فعل مقدر کا جیسے زیـدٌ مـعـطي عـمـرٍو درهـمًـا أمسِ، اگر اسم فاعل پر الف لام داخل ہو تو اس وقت تمام برابر ہیں (خواہ زمانہ ماضی ہو یا مضارع یا حال اسم فاعل ہر صورت میں عمل کرے گا) اور وہ اسماء جو (اسم فاعل) سے مبالغہ کے لئے وضع کئے گئے ہوں جیسے ضَرّاب، ضُرُوْب، مِضْرَاب، عَلِيْمٌ، حَذِرٌ وغیرہ عمل کرنے میں اسم فاعل کی طرح ہیں اور تثنیہ وجمع شروط وعمل میں

اسم فاعل کی طرح ہیں، اور جائز ہے (اسم فاعل کے) نون کو حذف کرنا عمل کے ساتھ، اور لام تعریف کے ساتھ تخفیف کی غرض سے (جب کہ اسم فاعل عامل ہو اور معرفہ ہو)۔

تشریح: آج کے درس میں پانچ اہم مسائل ذکر فرما رہے ہیں:

پہلا مسئلہ: اضافت معنویہ اور امام کسائی کا قول

فإن كان للماضي وجبت الإضافة معنًى: پہلا مسئلہ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ اسم فاعل اگر ماضی کے معنی میں ہو تو اس کی اضافت معنویہ واجب ہوگی؛ کیونکہ اس کے عمل کے لئے جو پہلی شرط تھی وہ چونکہ نہیں پائی گئی اس لئے اس کے بعد والا اسم اس کا معمول نہیں رہے گا اور صیغہ صفت جب اپنے معمول کے بغیر کسی اور کی طرف مضاف ہو تو وہ اضافت معنویہ کہلاتی ہے لہذا یہ بھی اضافت معنویہ ہوگی، اور یہ اضافت واجب ہوگی جیسے **زيدٌ ضاربُ عمروٍ أمسِ**، جمہور علماء نحوؒ کے ہاں اس جملے کو ایسا ہی پڑھنا واجب ہے، اور اضافت کے بغیر **زيدٌ ضاربٌ عمرًا أمسِ** پڑھنا بالکل غلط اور ناجائز ہے، جبکہ امام کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **زيدٌ ضاربٌ عمرًا أمسِ** کہنا بالکل صحیح ہے، اور اگر ضاربٌ کی اضافت عمروًا کی طرف ہو بھی گئی تو اضافت لفظیہ ہوگی نہ کہ اضافت معنویہ، وجہ اس کی یہ ہے کہ امام کسائی رحمہ اللہ اسم فاعل کے عمل کے لئے زمانہ حال یا استقبال والی شرط ہی نہیں لگاتے بلکہ ان کے ہاں اسم فاعل ہر حال میں عمل کرتا ہے، لہذا مذکورہ مثال میں ان کے ہاں اسم فاعل اب بھی اپنے معمول کے طرف مضاف ہے اور صیغہ صفت معمول

کی طرف مضاف ہو تو وہ اضافت لفظیہ ہی کہلاتی ہے، اس لئے یہ بھی اضافت لفظیہ ہوگی، اور اس کو اضافت کے بغیر بھی استعمال کرنا جائز ہے کیونکہ جب انہوں نے پہلی شرط لگائی نہیں ہے تو نہ تو اس کے پائے جانے سے کوئی فرق پڑے گا اور نہ اس کے مفقود ہونے سے، بلکہ جملہ علی حالہا رہے گا۔

دوسرا مسئلہ: اسم فاعل کے بعد دو یا تین مفعول آنا

فإن كان له معمولٌ آخرُ فبفعلٍ مقدرٍ: فرماتے ہیں کہ اسم فاعل جس اسم کی طرف مضاف ہے اس کے بعد بھی اگر کوئی اسم ہو یعنی یہ اسم فاعل متعدی بدو یا بسہ مفعول والے فعل کا اسم فاعل ہو تو ایسی صورت میں اسم فاعل کے ساتھ متصل اسم تو اضافت کی وجہ سے مجرور ہوگا، اور ظاہر بات ہے کہ ماضی کے معنی میں ہونے کی وجہ سے یہ عامل باقی نہیں رہے گا، تو اب سوال یہ ہے کہ مضاف الیہ کے بعد والا ایک اسم یا دو اسم جو منصوب ہیں انہیں کس نے نصب دیا ہوگا، بظاہر تو ہمیں اسم فاعل کے علاوہ دوسرا کوئی عامل ناصب نظر نہیں آتا اور اسم فاعل کو تو آپ عامل نہیں مانتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ میرے عزیز! یہ اسم فاعل کی وجہ سے نہیں بلکہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہوگا مثلاً **زيدٌ معطي عمروٍ درهمًا أمسِ** میں **درهمًا** کو **أعطى** فعل مقدر نے نصب دیا ہے نہ کہ **معطي** صیغہ اسم فاعل نے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب یہ بات سننے میں آئی کہ **زيدٌ معطي عمروٍ** یعنی زید نے عمرو کو دیا، تو ایک دم طالب علموں کی آوازیں اُٹھ گئی کہ حضرت! زید نے عمرو کو کیا دیا؟ کوئی ایسی چیز تو نہیں دی ہے جسے سن کر حاتم طائی صاحب کو بھی قبر میں

شرمندگی محسوس ہو، لہذا جب یہ سوال اُٹھا تو جواب میں کہا گیا: **أعطى درهمًا** یعنی ایک ہی درہم دیا، چونکہ سوال میں **ما أعطى** مذکور تھا اس لئے جواب میں بھی یہی **أعطى** لے کر آ گئے کیونکہ قاعدہ ہے کہ **المذكور في السؤال كالموعود في الجواب**۔

تیسرا مسئلہ: اسم فاعل کا مطلقاً عمل کرنا

فإن دخلت اللام استوى الجميع: فرماتے ہیں کہ ابھی تک جو تفصیل آپ حضرات نے ملاحظہ فرمائی وہ تب تھی جب اسم فاعل کا صیغہ نکرہ تھا، لیکن جب اس پر الف لام داخل ہو جائے تو پھر اسم فاعل ماضی حال اور استقبال میں سے جس معنی میں بھی ہو ہر صورت میں عمل کرے گا جیسے **مررتُ بالضارب أبوه زيدًا الآن أو غدًا أو أمسِ**؛ کیونکہ اس صورت میں اسم فاعل بالکل فعل حقیقی کی طرح بن جائے گا اس لئے کہ اسم فاعل کے شروع والا الف لام **الذي** کے معنی میں ہوگا، اور **ضاربٌ** صیغہ اسم فاعل **ضرب** کے معنی میں ہو کر اس کے لئے صلہ بنے گا، اور فعل چونکہ ہر صورت میں عمل کرتا ہے اس لئے یہ بھی ہر صورت میں عمل کرے گا۔

چوتھا مسئلہ: اسم فاعل کے مبالغہ اور دیگر صیغوں کا عمل

وما وضع منه للمبالغة كضُرَّابٍ وضَروبٍ: میرے عزیز طلبہ! یہاں ایک بڑے اہم بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جس کی طرف عام طور پر ذہن نہیں جاتا، فرماتے ہیں کہ مبالغہ کے صیغے چاہے مفرد ہوں یا تثنیہ یا جمع، یہ سب اسم فاعل میں شمار ہوتے ہیں اسی طرح اسم فاعل کے تثنیہ اور جمع کے جو صیغے ہوتے ہیں وہ

بھی کچھ عمل کرتے ہیں یا نہیں، اگر کرتے ہیں تو کیا عمل کرتے ہیں؟ چنانچہ اس کو بیان کرتے ہوئے صاحب کتاب لکھتے ہیں کہ یہ سارے صیغے چاہے اسم فاعل کے تثنیہ اور جمع کے ہوں، مکسر کے ہوں یا جمع سالم کے، یا مبالغہ کے صیغے ہوں یہ بعینہ وہی عمل کرتے ہیں جو اسم فاعل کا عمل بیان ہوا، اور بعینہ ان شرائط کے ساتھ عمل کرتے ہیں جو شرائط اسم فاعل کے لئے بیان ہوئے جیسے زیدٌ ضُرَّابٌ أبوه عمروًا الآن أو غدًا، ومررتُ بزيدِ الضُّرَّابِ عمروًا الآن أو غدًا أو أمسِ، اور تثنیہ کی مثالیں جاء ني الزيدان ضاربان عمروًا الآن أو غدًا، اور جاء نی الزيدان الضاربان عمروًا الآن أو غدًا أو أمس، اسی طرح جمع کی مثالیں جاء ني الزيدون ضاربون عمروًا الآن أو غدًا، اور جاء ني الزيدون الضاربون عمروًا الآن أو غدًا أو أمس۔

پانچواں مسئلہ: نون تثنیہ اور جمع کو حذف کرنا

ويجوز حذف النون مع العمل والتعريف تخفيفًا: پانچواں اور آخری مسئلہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اسم فاعل یا مبالغہ کے تثنیہ اور جمع کے صیغوں سے نون تثنیہ اور نون جمع گرانا جائز ہے دو شرطوں کے ساتھ:

(۱) ایک یہ کہ یہ صیغے عمل کر رہے ہوں۔

(۲) دوسری یہ کہ یہ صیغے معرف باللام ہوں جیسے ﴿والمقيمي الصلاة﴾ غور کیجئے یہاں اسم فاعل معرف باللام بھی ہے اور عامل بھی ہے، تو اس لئے والمقيمين سے ﴿والمقيمي الصلاة﴾ بن گیا، لیکن اس آیت مبارکہ

میں یہ حکم تب جاری ہوگا جب اس کو اسی طرح نصب والی قرأت کے ساتھ پڑھی جائے۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ حذف نون کے لئے جواز کا حکم تب ہوگا جب یہ مضاف نہ ہو ورنہ تو اضافت کے وقت اس کا حکم وجوبی ہوگا، اور دوسری بات یہ سمجھ لو کہ اضافت کے بغیر اس نون کو کیوں حذف کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض تخفیف کے لئے اور صلہ کی طوالت کو مختصر کرنے کے لئے اسے حذف کیا گیا ہے؛ کیونکہ اسم فاعل کے شروع میں الف لام بمعنی الذي ہے اور اس کے بعد خود اسم فاعل کا صیغہ اور اس کا معمول یہ سب مل کر صلہ بنیں گے تو درمیان میں کم از کم اتنی تخفیف کر لی کہ نون تثنیہ کو حذف کر دیا جس طرح کہ ﴿وخضتم كالذي خاضوا﴾ میں الذین سے نون جمع کو حذف کیا گیا ہے، اس لئے کہ یہ اصل میں ﴿وخضتم كالذين خاضوا﴾ تھا۔

درس (۳۱)

اسم مفعول کا بیان

اسم المفعول: ما اشتق من فعلٍ لمن وقع عليه، وصيغته من الثلاثي المجرد على مفعولٍ، ومن غيره على صيغة الفاعل بفتح ما قبل الآخر كمستخرَجٍ، وأمره في العمل والاشتراط كأمر الفاعل، مثل: زيدٌ معطًى غلامُه درهمًا.

ترجمہ: اسم مفعول وہ اسم ہے جو مشتق ہو فعل سے اس ذات کے لئے جس پر فعل واقع ہو، اور اس کا صیغہ ثلاثی مجرد سے مفعول کے وزن پر آتا ہے اور غیر ثلاثی مجرد سے اسم فاعل کے صیغہ کی طرح آتا ہے لیکن آخر سے ماقبل فتحہ لگانے کے ساتھ، اور اسم مفعول کا حکم عمل میں اور شرطوں میں اسم فاعل کے حکم کی طرح ہے جیسے زیدٌ مُعطًی غلامُه درهمًا.

تشریح: عزیز طلبہ! اگر اسم فاعل کا بحث آپ لوگوں نے صحیح سمجھ لیا ہو اور یاد بھی کر لیا ہو تو آج کا سبق انتہائی آسان لگے گا، چنانچہ آج کے درس میں صرف تین باتیں ہیں:

(۱) اسم مفعول کی تعریف۔

(۲) اسم مفعول کے اوزان اور بناء کا طریقہ۔

(۳) اسم مفعول کا عمل اور ضروری مسائل۔

پہلی بات: اسم مفعول کی تعریف

لغوی اعتبار سے اس میں وہی تحقیق ہے جو اسم فاعل میں گذرا ہے، پھر اس کی تقدیری عبارت اس طرح ہوگی اسم الذي فُعل الفعل عليه، یعنی اس آدمی کا نام جس پر فعل واقع ہوا ہو، اور اسم مفعول کو بھی مفعول اس لئے کہتے ہیں کہ اس پر بھی فاعل کا فعل واقع ہو چکا ہوتا ہے جیسے زیدٌ مُعطًی غلامُه درهمًا یعنی زید دیا گیا ہے اس کے غلام کو ایک درہم، دیکھئے معطیً صیغہ اسم مفعول يُعطى فعل مضارع مجہول سے نکلا ہوا ہے، اور اس کا دیا جانا اس کے نائب فاعل غلامُه پر واقع ہو چکا ہے۔

اور اصطلاحی اعتبار سے اس کی تعریف کرتے ہوئے صاحب کافیہ فرماتے

ہیں کہ ما اشتقَّ من فعلٍ لمن وقع علیہ یعنی اسم مفعول وہ اسم ہے جسے فعل سے نکالا گیا ہو اس شخص کے واسطے جس پر یہ واقع ہو چکا ہو۔

مذکورہ تعریف میں فوائد و قیود

یہاں اسم مفعول معرف اور باقی عبارت اس کی تعریف ہے، تعریف میں ما جنس کے درجہ میں ہے، جو سب کے سب اسماء کو شامل ہے اشتقَّ فصل اول ہے جس کے ذریعہ تمام اسماء جامدہ خارج ہو گئے، اور بصریین کے مذہب کے مطابق چونکہ مصدر مشتق منہ ہے اور مشتق نہیں ہے اس لئے وہ بھی خارج ہو گیا، من فعلٍ اس کے ساتھ صاحب ہدایۃ النحو نے ایک صفت لگائی ہے اور وہ ہے متعدٍّ کی، لہذا ان دونوں کو ملا کر تو یہ فصل ثانی بنے گا جس کے ذریعے وہ سارے اسماء مشتقہ بھی خارج ہو گئے جو افعال لازمہ سے مشتق ہوں، لمن وقع علیہ فصل ثالث ہے اس کے ذریعے اسم فاعل، صفت مشبہ اور اسم تفضیل بھی نکل گئے؛ کیونکہ فعل ان پر واقع نہیں ہوتا بلکہ یہ فعل کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔

دوسری بات: اسم مفعول کے اوزان اور بنانے کا طریقہ

وصیغتہ من الثلاثي المجرد علی مفعولٍ: ثلاثی مجرد کے چھ ابواب میں سے پہلے والے پانچ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان سے اسم مفعول مفعولٌ کے وزن پر آئے گا، جیسے ضرب یضربُ سے مضروبٌ سمع یسمع سے مسموعٌ وغیرہ، اور ان کے علاوہ باقی سارے ابواب سے (بشرطیکہ وہ لازم نہ ہو) اسی باب کے فعل مضارع مجہول کے وزن پر آئے گا مگر تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ، وہ یہ کہ علامت

مضارع کو ہٹا کر اس کی جگہ میم مضمومہ لگادیں گے اور آخر میں تنوین تمکن لگادیں گے، اور ماقبل اخیر تو پہلے سے مفتوح ہوتا ہے جیسے استخرجَ یستخرجُ سے مستخرَجٌ، أکرمَ یکرمُ سے مُکرَمٌ وغیرہ، اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں میں فرق معلوم کرنا ہوتو وہ صرف ماقبل اخیر والی حرکت سے معلوم ہوسکتا ہے، کہ اسم فاعل کا ماقبل آخیر مکسور اور اسم مفعول کا ماقبل آخیر مفتوح ہوتا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اسم مفعول اور مفعول میں کیا فرق ہے؟ تو اس کے لئے عرض ہے کہ جو جو فرق آپ نے اسم فاعل اور فاعل کے درمیان پڑھے ہیں وہی بالکل یہاں بھی سمجھ لو، ولانعیدھا ھھنا لخوف التکرار والتطویل۔

تیسری بات: اسم مفعول کا عمل اور ضروری مسائل

وأمرہ في العمل والاشتراط کأمر الفاعل: فرماتے ہیں کہ اسم مفعول کا معاملہ عمل اور عمل کے لئے شرائط میں تمام مسائل گذرے ہیں ان سب میں بعینہ وہی ہے جو آپ حضرات نے اسم فاعل میں پڑھے ہیں، ہاں صرف عمل میں یہ فرق ہے کہ وہ فاعل کو رفع اور مفعول بہ کو نصب دیا کرتا تھا، جبکہ اسم مفعول فاعل کے بجائے مفعول بہ کو نائب فاعل بنا کر اسے رفع اور مفعول بہ ثانی وثالث اور دیگر مفاعیل اربعہ کو نصب دیتا ہے جیسے زیدٌ معطیً غلامُہ درھمًا، معطیً صیغہ اسم مفعول نے أشیاء ستہ میں سے زیدٌ مبتداء پر اعتماد کرتے ہوئے غلامُہ مفعول اول کو نائب فاعل ہونے کی حیثیت سے رفع دیا ہے، اور درھمًا مفعول ثانی کو مفعول بہ ہونے کی وجہ سے نصب دیا ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

اور جس طرح آپ حضرات اسم فاعل میں پڑھکر آرہے ہوں کہ جب اس پر الف لام داخل ہوتو اس میں پھر تمام زمانے برابر ہوتے ہیں، حال یا استقبال کی اس میں کوئی شرط نہیں ہوتی، بالکل اسی طرح جب اسم مفعول پر الف لام داخل ہوتو بھی اس میں سارے زمانے برابر ہوتے ہیں اس میں جو بھی زمانہ پایا جائے ہر زمانے میں یہ اپنا عمل کرے گا، والمسائل الأخرى أيضًا على هذا القياس، فتفكر وتدبر أيها الطالب البارع۔

درس (۳۲)

صفت مشبہ کا بیان

الصفة المشبهة: ما اشتق من فعلٍ لازمٍ لمن قام به على معنى الثبوت، وصيغتها مخالفة لصيغة الفاعل على حسب السماع، كحسنٍ وصعبٍ وشديدٍ، وتعمل عمل فعلها مطلقًا، وتقسيم مسائلها أن تكون الصفة باللام أو مجردةً، ومعمولها مضافًا أو باللام أو مجردًا عنهما، فهذه ستةٌ، والمعمول في كل واحدٍ منها مرفوعٌ ومنصوبٌ، ومجرورٌ، فصارت ثمانية عشر، فالرفع على الفاعلية، والنصب على التشبيه بالمفعول في المعرفة وعلى التمييز في النكرة، والجر على الإضافة.

ترجمہ: صفت مشبہ وہ (اسم) جو فعل لازم سے مشتق ہو (تاکہ دلالت کرے)

اس ذات پر جس کے ساتھ فعل قائم ہو ہمیشہ کے لئے، اور اس کے صیغے اسم فاعل کے صیغوں کے خلاف ہیں سماع کے مطابق ہیں جیسے حسنٌ صعبٌ اور شدیدٌ اور یہ اپنے فعل جیسا عمل کرتی ہے مطلقا، اور اس کے مسائل کی تقسیم (اٹھارہ قسموں کی طرف ہوتی ہے) وہ اس طرح کہ صفت مشبہ یا تو معرف باللام ہوگی یا معرف باللام سے خالی ہوگی، (تقدیر پر) اس کا معمول مضاف ہوگا یا معرف باللام، یا دونوں سے خالی ہوگا، پس یہ چھ قسمیں بن گئیں ان میں سے ہر ایک کا معمول مرفوع ہوگا یا منصوب ہوگا یا مجرور، پس (چھ کو تین سے ضرب دینے سے اٹھارہ صورتیں بن گئیں) پس رفع فاعلیت کی بناء پر ہوگا اور نصب مفعول کے ساتھ مشابہت کی بناء پر ہوگا، معرفہ میں اور نکرہ ہونے کی صورت میں نصب تمیز ہونے کی بنا پر ہوگا اور جر اضافت کی بناء پر۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) صفت مشبہ کی تعریف۔

(۲) صفت مشبہ کے اوزان۔

(۳) صفت مشبہ کا عمل اور شرائطِ عمل۔

(۴) صفت مشبہ کی اٹھارہ صورتیں۔

پہلی بات: صفت مشبہ کی تعریف

لغوی اعتبار سے الصفة موصوف ہے اور المشبهة شبّہَ یشبّہ تشبیهًا باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اس کے شروع میں الف لام بمعنی الذی ہے، اور یہ خود اس کے لئے صلہ ہے اس لئے تقدیری عبارت اس طرح ہوگی الصفة

التي تُشبَّه باسم الفاعل یعنی وہ صیغہ صفت جس کو اسم فاعل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو، تثنیہ، جمع اور مذکر ومؤنث ہونے میں، اور اصطلاحی اعتبار سے اس کی تعریف صاحب کافیہ کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ الصفة المشبهة ما اشتق من فعلٍ لازمٍ لمن قامَ به علی معنی الثبوت، یعنی صفت مشبہ وہ اسم ہے جسے فعل لازم سے بنایا گیا ہوتا کہ یہ دلالت کرے اس ذات پر جس کے ساتھ یہ صفت قائم ہو ثبوتی اور دوامی طور پر نہ کہ عارضی اور حدثی طور پر۔

مذکورہ تعریف میں فوائد وقیود

الصفة المشبهة معرَّف، اور اس کے بعد اخیر تک اس کی تعریف ہے، تعریف میں ما جنس کے درجہ میں ہے جو معرف اور غیر معرَّف سب کو شامل ہے، اشتق فصل اول ہے جس کے ذریعے اسم جامد خارج ہوگیا، من فعلٍ لازمٍ فصل ثانی ہے، جس کے ذریعے اسم مفعول خارج ہوگیا، لمن قام به فصل ثالث ہے، اس کی وجہ سے اسم ظرف اور اسم آلہ خارج ہوگئے؛ کیونکہ یہ دونوں اس ذات پر دلالت نہیں کرتے جس کے ساتھ فعل قائم ہو، اور اسم فاعل ابھی تک شامل تھا، لیکن جب علی معنی الثبوت کی فصل قائم کی تو اس کی وجہ سے وہ بھی خارج ہوگیا۔

دوسری بات: صفت مشبہ کے اوزان

وصيغتها مخالفةٌ لصيغة الفاعل: فرماتے ہیں کہ صفت مشبہ کے اوزان سَماعی ہوتے ہیں یعنی ان کے لئے کوئی قاعدہ اور قانون نہیں ہے کہ یہ ان اوزان پر آجائے بلکہ جیسے عرب سے سنے گئے یا ان کی کتابوں میں دیکھے گئے اسی طرح

استعمال ہوں گے وہ جن اُوزان پر بھی ہوں، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ان کے اوزان اسم فاعل کے اوزان پر نہیں آئینگے؛ کیونکہ وہ قیاسی ہیں اور یہ سماعی جیسے حسَنٌ، صَعْبٌ، اور شدیدٌ۔

نوٹ: صاحب کافیہ کے قول: مخالفةٌ لصیغة اسم الفاعل کا مطلب غالبًا یہ ہے کہ ان دونوں کے مفرد، تثنیہ اور جمع سالم کے صیغے ایک دوسرے کے مخالف ہوں گے، ورنہ دونوں کے جمع مکسر کے بعض صیغے ایک جیسے ہیں۔ واللہ اُعلم بالصواب۔

صفت مشبہ اور اسم فاعل میں فرق

صفت مشبہ اور اسم فاعل میں کئی اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے مثلاً:

(۱) اسم فاعل تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے یعنی اس میں عارضی صفت ہوتی ہے جیسے ضاربٌ اس شخص کو کہا جاتا ہے جس میں مارنے کی صفت پہلے نہیں تھی بلکہ اب پیدا ہوگئی، اور کچھ دیر بعد پھر ختم ہو جائے گی، لیکن صفت مشبہ دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے، یعنی صفت مشبہ کا صیغہ اس شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں وہ صفت ہمیشہ پائی جاتی ہو۔

(۲) اسم فاعل فعل لازم اور متعدی دونوں سے بنتا ہے جبکہ صفت مشبہ صرف فعل لازم سے بنتا ہے۔

(۳) اسم فاعل کے اوزان قیاسی ہوتے ہیں اور صفت مشبہ کے سماعی۔

(۴) اسم فاعل چھ چیزوں پر اعتماد کرتا ہے جبکہ صفت مشبہ پانچ چیزوں پر دلالت کرتا

ہے؛ اس لئے کہ اس کے شروع میں داخل ہونے والا الف لام الذي کے معنی میں نہیں ہوتا۔

تیسری بات: صفت مشبہ کا عمل مع شرائط

وتعمل عمل فعلها مطلقًا: صفت مشبہ بھی اسماء عاملہ میں سے ہے اس لئے اس کے عمل کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ہمیشہ کے لئے اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے، یعنی چونکہ اس کا فعل صرف لازم ہوتا ہے متعدی نہیں ہوتا، اور فعل لازم صرف اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے، اس لئے یہ بھی صرف اپنے فاعل کو رفع دے گا اور بس، مطلقًا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا عمل اسم فاعل یا اسم مفعول کے عمل کی طرح کسی زمانے کے ساتھ مشروط نہیں ہے؛ کیونکہ اس کا تعلق کسی خاص زمانے کے ساتھ نہیں ہوتا، بلکہ اس میں دوام اور استمرار ہوتا ہے اس لئے حال اور استقبال والی شرط اس کے لئے نہیں ہوگی، ہاں دوسری شرط جو اعتماد والی ہے وہ یہاں بھی ہے، البتہ یہاں پانچ چیزوں میں سے کسی ایک پر اعتماد شرط ہے **کما مرّ**۔

چوتھی بات: صفت مشبہ کی اٹھارہ صورتیں

وتقسيم مسائلها أن تكون الصفة باللام أو مجردةً، ومعمولها مضافًا أو باللام أو مجردًا عنهما، فهذه ستة: عزیز طلبہ! آج صاحب کافیہ اپنے خزانہ الفاظ میں سے درجہ ثالثہ والوں پر خوب خرچہ کر کے صفت مشبہ کی اٹھارہ صورتیں بیان فرمارہے ہیں، خلاصہ ان کا یہ ہے کہ صفت مشبہ یا تو معرف باللام ہوگا، جیسے الحسنُ، یا غیر معرف باللام ہوگا جیسے حسنٌ، پھر ان دونوں میں ہر ایک کا

معمول بھی یا تو معرف باللام ہوگا جیسے الحسن الوجه وحسنُ الوجه، یا مضاف ہوگا جیسے الحسن وجهه، وحسن وجهه، یا دونوں (الف لام، واضافت) سے خالی ہوگا، جیسے الحسنُ وجهٌ وحسنَ وجهٌ۔

صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ فهذه ستة کہ یہ کل چھ صورتیں ہوگئیں، پھر آگے فرماتے ہیں والمعمول في كل واحدٍ منهما مرفوعٌ ومنصوبٌ ومجرور: یعنی ان چھ صورتوں میں سے ہر ایک معمول یا تو مرفوع ہوگا، یعنی چھ کے چھ صورتیں ہوں گی، یا منصوب ہوگا یعنی چھ کے چھ صورتیں منصوب ہوں گی، یا مجرور ہوگا یعنی چھ کے چھ صورتیں مجرور ہوں گی تو یہ کل اٹھارہ صورتیں ہوگئیں، آگے صاحب کافیہؒ ان کے مرفوع ومنصوب ومجرور ہونے کی وجوہات اور علتیں بیان فرما رہے ہیں، فالرفع على الفاعلية یعنی ان کا معمول جب مرفوع ہوگا تو وہ اسی صفت مشبہ کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔

والنصب على التشبيه بالمفعول: اگر منصوب ہو تو پھر دیکھیں گے کہ وہ معرفہ ہے یا نکرہ، اگر نکرہ ہو تو الحسن کے اندر ضمیر سے تمیز واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا جیسے الحسن وجهًا وحسنُ وجهًا، اور اگر معرفہ ہو تو مفعول بہ کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا، مشابہ اس لئے کہا کہ صفت مشبہ جو اس کا عامل ہوتا ہے وہ بنتا ہی فعل لازم سے ہے، اور جس طرح فعل لازم مفعول بہ کا تقاضا نہیں کرتا، اسی طرح صفت مشبہ بھی مفعول بہ کا تقاضا نہیں کرتا، ہاں اس کو مفعول بہ کا مشابہ کہہ سکتے ہیں وہ اس طرح کہ صفت مشبہ کی مشابہت ہے اسم فاعل کے ساتھ اور اسم فاعل مفعول بہ کا تقاضا کرتا ہے تو اس کے مفعول بہ کے ساتھ صفت مشبہ کے مفعول

بہ کومشابہ قرار دیا جیسے الحسن الوجہَ اور حسنُ الوجہَ۔

والجر علی الإضافة: اور اگر صفت مشبہ کا معمول مجرور ہو تو صفت مشبہ کے مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہوگا جیسے الحسن الوجہِ وحسن الوجہ، والحسن وجہٍ وحسن وجہٍ۔

درس (۳۳)

اٹھارہ صورتوں کی تفصیل اور ایک اہم ضابطہ

وتفصیلها حسن وجهه ثلاثةٌ، وكذلك حسن الوجه وحسن وجه الحسن وجهه الحسن الوجه الحسن وجهٌ، اثنان منها ممتنعان، مثل: الحسن وجهه الحسن وجهٍ، واختُلف في حَسَنِ وجهه، والبواقي ما كان فيه ضميرٌ واحدٌ منها أحسن، وما كان فيه ضميران حسنٌ، وما لا ضمير فيه قبيحٌ، ومتى رفعت بها فلا ضمير فيها، فهي كالفعل، وإلا ففيها ضمير الموصوف فتؤنث وتثنى وتجمع، واسما الفاعل والمفعول غير المتعديين مثل الصفة فيما ذكر.

ترجمہ: اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ حَسَنُ وَجْهه تینوں طرح، اسی طرح حسن الوجہ اور حسن وجہ اور الحسن وجهه اور الحسن الوجہ اور الحسن وجهٌ، دو صورتیں ممتنع ہیں الحسن وجهه، الحسن وجه، اور اختلاف کیا گیا ہے حسن وجهه میں، اور باقی صورتیں جن میں ایک ضمیر ہے ان صورتوں میں سے، وہ

احسن ہیں اور جن میں دو ضمیریں ہوں وہ حسن ہیں اور جس صورت میں ضمیر نہیں وہ قبیح ہے اور جب رفع دیا جائے گا صفت مشبہ کی وجہ سے تو اس میں ضمیر نہیں ہوگی پس یہ فعل کی طرح ہوگی وگرنہ اس میں ضمیر موصوف ہوگی پس صفت مشبہ مؤنث لایا جائے گا اور تثنیہ اور جمع لایا جائے گا اور اسم فاعل اور اسم مفعول جب متعدی نہ ہوں تو صفت مشبہ کی طرح ان تمام صورتوں میں جو ذکر کی گئی ہیں۔

تشریح: آج کے درس میں صفت مشبہ کی اٹھارہ صورتوں کی تفصیل اور ضمیر کے حذف ہونے یا نہ ہونے کے متعلق ایک اہم ضابطے کا ذکر فرما رہے ہیں:

مذکورہ اٹھارہ قسموں کی تفصیل

وتفصیلها: یہاں پہلے مذکورہ ساری صورتوں کی مثالیں ایک ساتھ دی ہیں، پھر ان اٹھارہ قسموں کو حکم کے اعتبار سے پانچ قسموں میں تقسیم فرمایا ہے یعنی ممتنع، مختلف فیہ، اَحسن، حسن اور قبیح، چنانچہ پہلے مثالیں ملاحظہ ہوں:

حسنُ وجهِهِ، وجهَهِ، وجهُهُ، تین یہ ہوگئیں۔

اسی طرح حسنُ الوجهُ، الوجهَ، الوجهِ، تین یہ ہوگئیں۔

حسنُ وجهٌ، وجهً، وجهٍ، تین صورتیں یہ ہوگئیں۔

الحسنُ وجهُهُ، وجهِهِ، وجهَهُ، تین صورتیں یہ ہوگئیں۔

اسی طرح الحسنُ الوجهُ، الوجهَ، الوجهِ، یہ بھی تین ہوگئیں۔

الحسنُ وجهٌ، وجهً، وجهٍ، یہ بھی تین ہوگئیں، یہ کل اٹھارہ صورتیں ہوگئیں اب ان کو پانچ قسموں میں تقسیم کر رہے ہیں۔

پہلی صورت ممتنع

الحسنُ وجهِهِ اورالحسنُ وجهِ: مذکورہ جملہ مثالوں میں سے ان دونوں مثالوں کا کلام عرب میں استعمال کرنا سرے سے صحیح نہیں ہے، پہلی مثال الحسنُ وجهِهِ میں صیغہ صفت معرف باللام ہے، اوراپنے معمول کی طرف مضاف ہے، اور پھر وہی معمول بھی مضاف ہے ایسی ضمیر کی طرف جو صیغہ صفت کے موصوف کی طرف لوٹ رہی ہے، اس کی پوری عبارت اس طرح ہوگی جاء ني زيدٌ الحسنُ وجهِهِ، یہ صورت اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس کی اضافت ہوئی ہے اپنے معمول کی طرف، لیکن اضافت کی وجہ سے اس میں کوئی تخفیف نہیں ہوئی، حالانکہ تخفیف تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں ضرور ہوتی ہے، یا تو تنوین کے حذف کے ساتھ، جیسے حسنُ وجهِهِ، یا نون تثنیہ اورنون جمع کے حذف کے ساتھ جیسے جاء ني الزيدان حسنا وجهِهِما، یا صیغہ صفت کے موصوف کی طرف لوٹنے والی ضمیر کو حذف کرنے کے ساتھ، جیسے جاء ني زيدٌ الحسنُ وجهِ، جو اصل میں الحسن وجهه تھا، اضافت کی وجہ سے وجهِه کی ضمیر حذف کر کے الحسنُ میں مستتر کردی گئی، یہ ہوگئیں تخفیف کی صورتیں، لیکن میرے عزیز طلبہ! اگر آپ مذکورہ مثال کو غور سے دیکھیں گے تو اس میں کسی بھی صورت کی کوئی تخفیف نہیں ہوئی، اس لئے یہ اور جتنی بھی اس جیسی مثالیں ہیں وہ ساری ممتنع ہیں۔

دوسری مثال الحسنُ وجهِ: اس میں صیغہ صفت معرف باللام ہے اور مضاف ہے اپنے معمول کی طرف جو کہ مجرد عن اللام والإضافة ہے، یہ بھی

ممتنع ہے؛ اس لئے کہ یہ اضافت مفید تخصیص نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں معرفہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہوئی ہے اور یہ چونکہ اضافت معنویہ میں ناجائز ہے اس لئے اضافت لفظیہ میں بھی اس کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے یہ بھی ممتنع ہوگی، خلاصہ یہ ہوا کہ پہلی مثال مفید تخفیف نہیں تھی اور یہ دوسری مثال مفید تخصیص نہیں ہے، اس لئے ناجائز ہیں۔

دوسری صورت مختلف فیہ

واختلف في حَسَنِ وجهِهِ: یعنی ہر وہ صورت جس میں صیغہ صفت غیر معرف باللام مضاف ہو اپنے معمول کی طرف اور وہ معمول بھی مضاف ہو صیغہ صفت کے موصوف کی طرف، تو ایسی صورت میں کوفیین اور بصریین وامام سیبویہ کے درمیان اختلاف ہے۔

بصریین اور امام سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ یہ صورت قبیح ہے اس لئے کہ اضافت لفظیہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور تخفیف اعلیٰ درجہ کی ہونی چاہئے جبکہ مذکورہ مثال میں اگرچہ حذف تنوین من المضاف کے ساتھ کچھ نہ کچھ تخفیف ضرور ہوئی ہے لیکن کمال درجہ کی تب ہوتی جب مضاف الیہ میں ماقبل کی طرف لوٹنے والی ضمیر بھی حذف ہوجاتی، اور اس کے حذف کرنے سے کوئی مانع بھی نہیں تھا پھر بھی حذف نہ کرنے کیوجہ سے یہ صورت قبیح ہوگئی۔

اور کوفیین حضرات فرماتے ہیں کہ بھائی! اگرچہ اعلیٰ درجہ کی تخفیف تو نہیں ہوئی لیکن کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوئی ہے، اس لئے یہ صورت جائز ہے۔

تیسری، چوتھی اور پانچویں صورت

والبواقي ما كان فيه ضميرٌ واحدٌ منها أحسن، وما كان فيه ضميران حسنٌ، وما لا ضمير فيه قبيحٌ: فرماتے ہیں کہ باقی جو پندرہ صورتیں بچ گئیں، ان میں سے وہ صورتیں اور وہ مثالیں جن میں صرف ایک ہی ضمیر ہو خواہ وہ ضمیر صیغہ صفت میں ہو یا اس کے معمول میں، ایسی مثالیں کل نو ۹ ہیں، یہ ساری احسن یعنی بہت اچھی اور بہت بہتر مثالیں کہلاتی ہیں؛ اس لئے کہ ماقبل موصوف کے ساتھ ربط دینے کے لئے ایک ضمیر کافی ہوتی ہے، اور جن مثالوں میں دو دو ضمیریں ہیں ایسی کل دو ۲ مثالیں ہیں یہ دونوں حسن یعنی بہتر اور اچھی یعنی درمیانے درجہ کی مثالیں شمار ہوتیں ہیں، اس لئے کہ ربط دینے کے لئے ایک ہی ضمیر کافی تھی لیکن دوسری ضمیر جو زائد ہے اس کی وجہ سے یہ اُحسن کے درجہ سے اتر کر حسن پر آگئی، اور جن مثالوں میں کوئی ضمیر ہی نہیں، ایسی کل چار مثالیں ہیں یہ ساری قبیح ہیں، اس لئے کہ صیغہ صفت میں ایسی کوئی چیز نہیں رہی جس کے ذریعے ہم اس کا ماقبل موصوف کے ساتھ ربط جوڑ دے۔

ضمیر کے حذف ہونے یا نہ ہونے کے لئے ایک ضابطہ

ومتى رفعت بها فلا ضمير فيها: صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ صفت مشبہ کے ذریعے جب آپ آگے والے اسم ظاہر کو اس کا معمول بنا کر رفع دیں گے تو ایسی صورت میں صفت مشبہ میں کوئی ضمیر نہیں ہوگی؛ کیونکہ اس کا فاعل اب وہی اسم ظاہر ہوگا، اگر اس میں ضمیر بھی لائی جائے تو فاعل کا تعدد لازم آئے گا، جو کہ صحیح نہیں ہے، اور **فهي كالفعل** کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح فعل کا فاعل اسم ظاہر ہو تو ہمیشہ

کے لئے فعل کو مفرد لایا جاتا ہے، تو اسی طرح صفت مشبہ کا فاعل اگر اسم ظاہر ہو تو صفت مشبہ کو بھی ہمیشہ مفرد لایا جائے گا، لیکن جس وقت صیغہ صفت کا فاعل ضمیر ہو تو ضمیر کے موافق صیغہ صفت کو ہمیشہ افراد تثنیہ جمع اور تذکیر و تانیث میں ماقبل موصوف کے مطابق لایا جائے گا، یہی مطلب ہے **وإلا ففیها ضمیر الموصوف فتؤنث وتذکر وتجمّعُ** کا، اور جب یہ اپنے معمول کو نصب یا جر دے تو اس میں ایک ضمیر فاعل ہوگی جو ماقبل موصوف کی طرف لوٹے گی، یہی مطلب ہے **وإلا ففیها ضمیر الموصوف** کا۔

اسم فاعل اور اسم مفعول کا حکم

واسما الفاعل والمفعول غیر المتعدیین: فرماتے ہیں کہ فعل لازم کا اسم فاعل اور متعدی بیک مفعول والا اسم مفعول بالکل صفت مشبہ کی طرح ہے جس طرح ہم نے اس کی اٹھارہ صورتیں بنائی تھی اسی طرح ان دونوں کی بھی بنے گی، اور جس طرح وہاں کچھ ممتنع کچھ اُحسن، اور کچھ حسن وقبیح تھیں اسی طرح یہاں بھی وہی حکم ہوگا، اور پھر اس میں ضمائر کی تعداد اور اپنے معمول کو رفع دینا یا اسم ضمیر کو، یہ سب آپ نے یہاں صفت مشبہ میں سمجھ لی ہیں تو یہ دونوں بھی اسی تفصیل پر قیاس کرلیں۔ واللہ أعلم بالصواب

درس (۳۴)

اسم تفضیل کا بیان

اسم التفضيل: ما اشتقَّ من فعلٍ لموصوف بزيادة على غيره، وهو أفعلُ، وشرطه: أن يبنى من ثلاثي مجردٍ ليمكن منه، وليس بلون ولا عيبٍ؛ لأن منهما أفعل لغيره مثل: زيدٌ أفضل الناس، فإن قُصدَ غيره تُوُصِّل إليه بأشدَّ، مثل: هو أشدُّ منه استخراجًا وبياضًا وعمًى، وقياسه للفاعل، وقد جاء للمفعول، نحو: أعذر والومُ وأشغلُ وأشهرُ.

ترجمہ: اسم تفضیل وہ اسم ہے جو فعل سے مشتق ہو (تا کہ دلالت کرے) موصوف پر کچھ زیادتی کے ساتھ اپنے غیر کے مقابلے میں، اور وہ أفعلُ کے وزن پر ہے، اور اس کی شرط یہ ہے کہ یہ بنایا جاتا ہے ثلاثی مجرد سے تا کہ ممکن ہو اس سے بنا نا (اور اس کے غیر سے ممکن نہیں) اور شرط یہ ہے کہ اس میں لون اور عیب کے معنی نہ ہو؛ اس لئے کہ ان دونوں (لون اور عیب) سے أفعلُ کا صیغہ غیر اسم تفضیل کیلئے آتا ہے جیسے زیدٌ أفضل الناس، اور اگر قصد کیا جائے اس کے غیر (غیر ثلاثی مجرد اور لون عیب سے اسم تفضیل بنانے) کا تو اس کی طرف پہنچا جائے گا أشد کے ساتھ، یا اس کے ساتھ ملایا جائے گا لفظ أشد جیسے ھو أشد منہ استخراجا وبیاضا وعمی، اسم فاعل کا قیاس یہ ہے کہ فاعل کے لئے ہو اور کبھی مفعول کے لئے بھی آتا ہے جیسے أعذَرُ والوم وأشغل وأشھر۔

تشریح: عزیز طلبہ! آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) اسم تفضیل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔

(۲) اسم تفضیل کے اوزان وشرائط۔

(۳) غیر ثلاثی مجرد سے اسم تفضیل بنانے کا طریقہ۔

پہلی بات: اسم تفضیل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

تفضیل فضَّلَ یفضِّلُ تفضیلا باب تفعیل کا مصدر ہے بمعنی فضیلت دینا، جس کو فضیلت دی جائے اسے مفضَّل اور جس پر فضیلت دی جائے اسے مفضَّل علیہ کہا جاتا ہے جیسے زیدٌ أفضلُ من عمرٍو میں زیدٌ مفضَّل اور عمرو مفضل علیہ ہے، اور اصطلاحی اعتبار سے اس کی تعریف صاحب کافیہ ان الفاظ میں کرتے ہیں: مااشتقَّ من فعلٍ لموصوفٍ بزیادة علی غیرہ یعنی اسم تفضیل وہ اسم ہے جسے نکالا گیا ہو فعل لغوی یعنی مصدر سے بصریین کے ہاں، اور فعل حقیقی سے کوفیین کے ہاں، ایسے موصوف پر دلالت کرنے کے لئے جس میں اس کے غیر سے مصدری معنی (معنی فاعلیت) زیادتی کے ساتھ پایا جائے جیسے زیدٌ أفضلُ الناس میں زیدٌ میں بھی فضیلت والا معنی پایا جاتا ہے اور الناس میں بھی، لیکن زیدٌ موصوف میں یہ معنی الناس کے مقابلے میں کچھ زیادتی کے ساتھ پایا جارہا ہے۔

مذکورہ تعریف میں فوائد وقیود

اسم التفضیل: ما اشتقَّ من فعلٍ لموصوفٍ بزیادة علی غیرہ: اس عبارت میں اسم تفضیل معرف اور باقی اس کی تعریف ہے، تعریف میں ما

جنس ہے جو کہ سارے اسماء کو شامل تھا، اشتقَّ من فعلٍ فصل اول ہے، اس کی وجہ سے اسم جامد نکل گیا، اور لموصوف فصل ثانی سے اسم ظرف اور اسم آلہ نکل گئے، اور بزیادۃ فصل ثالث سے اسم فاعل اور اسم مفعول نکل گئے، اور علی غیرہ فصل رابع کے ذریعے اسم مبالغہ نکل گیا۔

دوسری بات: اسم تفضیل کے اوزان وشرائط

وھو أفعلُ: قیاسی اور اصولی طور پر اسم تفضیل کے لئے ایک ہی وزن مشہور ہے اور وہ ہے أفعلُ جیسے أضربُ، أفتحُ، أسمع وغیرھا، لہٰذا وہ صیغے جو اسم تفضیل کے ساتھ بتائے جانے کے باوجود اس وزن پر نہیں ہوتے وہ اپنے اصل پر نہیں ہوتے بلکہ وہ تعلیل شدہ ہوتے ہیں، اگر ان کے اصل کو نکالا جائے تو وہ بھی اسی أفعلُ کے وزن پر ہوں گے جیسے خیرٌ اور شرٌّ اصل میں أخیرُ اور أشررُ تھے، وتعلیلاتھا قد درستموھا في السنتین الماضیتین۔

وشرطہ: بھائی! آپ حضرات نے پچھلے سال علم الصیغہ میں بھی اسماء مشتقہ کے بحث میں اسم تفضیل کی پوری تفصیل پڑھی ہے، شرائط بھی پڑھے ہیں، صاحب کافیہ اس کو یہاں تازہ فرمارہے ہیں، چنانچہ ہم آپ کے سامنے صاحب کافیہ اور صاحب علم الصیغہ دونوں حضرات کے بیان کردہ شرائط کچھ تفصیل سے ذکر کریں گے تاکہ اس کا استیعاب ہو جائے:

(۱) وشرطہ أن یبنی من ثلاثي مجرَّدٍ: پہلی شرط یہ ہے کہ اسم تفضیل صرف ثلاثی مجرد کے ابواب سے آئے گا غیر ثلاثی مجرد سے کبھی نہیں آئے گا، کیونکہ

جیسا اوپر آپ نے پڑھا کہ اسم تفضیل کے لئے قیاسی اور اصولی طور پر ایک ہی وزن أفعلُ قرر ہے جو کہ ثلاثی مجرد سے ہی آسکتا ہے، اس کے غیر سے نہیں آسکتا؛ کیونکہ اگر اس کے غیر سے لائیں گے تو ضرور یا تو ان کے تمام حروف کو برقرار رکھیں گے، یا کچھ کو حذف بھی کریں گے، اگر برقرار رکھتے ہیں تو وہ وزن نہیں بنے گا جیسے یستخرجُ سے أستخرجُ بروزن أستفعلُ ہے، حالانکہ ہم نے أفعلُ کے وزن پر لانا ہے، اور اگر کچھ حروف کو حذف کرتے ہیں تو پھر ثلاثی مجرد اور اس کے غیر کے اسم تفضیل میں فرق کرنا مشکل ہوگا، ایک دوسرے کے ساتھ ملتبس ہو جائیں گے، جیسے اسی یستخرجُ سے اگر حروف زائدہ کو حذف کر کے أخرجُ بنائینگے تو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ ثلاثی مجرد میں سے باب نصر کا اسم تفضیل ہے یا باب استفعال کا اسم تفضیل ہے، صاحب کافیہؒ نے مذکورہ تفصیل کو سمندر بکوز کی طرح چند حروف میں بیان فرمایا کہ لیمکنَ منه یعنی یہ شرط اس لئے لگائی تا کہ اس وزن کا بنانا ہمارے لئے ممکن رہے اور ظاہر بات ہے کہ یہ ثلاثی مجرد سے تو ممکن ہے اس کے غیر سے ناممکن ہے۔

(۲) **ولیس بلونٍ ولا عیبٍ**: دوسری شرط یہ ہے کہ ثلاثی مجرد میں سے بھی صرف ان ابواب سے آئے گا جن میں لون اور عیبِ ظاہری کا معنیٰ نہ ہو، اگر لون او رعیب والے کلمات ہوں تو ان سے اسم تفضیل نہیں آئے گا؛ اس لئے کہ ایسے کلمات سے أفعلُ کا وزن صفت مشبہ کے لئے استعمال ہوتا ہے، اب اگر اسم تفضیل کے لئے بھی اسی وزن پر لے کر آئینگے تو التباس بین الصفة المشبهة واسم التفضيل لازم آئے گا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اسم تفضیل

میں معنی مصدری کا قیام بطور حدوث ہوتا ہے اور صفت مشبہ میں بطور ثبوت واستمرار ہوتا ہے، لہذا لون اور عیب والے کلمات سے صفت مشبہ ہی آئے گا؛ کیونکہ لون اور عیب بھی بطور ثبوت اور استمرار کے ہوتے ہیں، مثلا اگر کسی کا رنگ کالا ہو تو اس کا کالا ہونا کچھ دیر کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ یہ رنگ بطور ثبوت اور استمرار کے پایا جاتا ہے، صاحب کافیہؒ اس کی وجہ مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ **لأنَّ منهما أفعل لغيره**، یعنی ان دونوں سے اسم تفضیل اس لئے نہیں آتا کہ أفعلُ کے وزن پر جو کلمہ ان افعال سے آتا ہے وہ اسم تفضیل کا صیغہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کے علاوہ صفت مشبہ کا صیغہ ہوتا ہے۔

اگر کوئی طالب علم یہ سوال کرے کہ جناب عالی! أجهلُ اور أحمقُ بھی ایسے کلمات ہیں جن میں عیب پایا جاتا ہے لیکن پھر بھی یہ اسم تفضیل کے لئے استعمال ہوتے ہیں؟۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں اگر چہ عیب کے معنی ہے لیکن ان عیوب کا تعلق انسان کے باطن سے ہیں اور ہم نے جن عیوب کی بات کی ہے ان سے عیوب ظاہری مراد ہیں۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ جن افعال سے ہم نے اسم تفضیل بنانا ہو وہ افعال ناقصہ اور افعال غیر متصرفہ نہ ہوں؛ کیونکہ اسم تفضیل ہمیشہ کے لئے صرف ایک اسم میں عمل کرتا ہے اور یعنی اسم ضمیر کو فاعلیت کی بناء پر رفع دیتا ہے، جبکہ افعال ناقصہ دو اسموں میں عمل کرتے ہیں پہلے والے کو رفع اور دوسرے والے کو

نصب دیتے ہیں، اور افعال غیر متصرفہ بمنزلہ اسماء جامدہ کے ہیں تو جس طرح اسم جامد سے کوئی گردان اور کوئی صیغہ نہیں بن سکتا، ایسا ہی اس سے بھی نہیں بن سکے گا۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ ایسا فعل نہ ہو جو کمی اور زیادتی کو قبول نہ کرتا ہو، جیسے ماتَ، طلعَ، غربَ وغیرہ؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ اسم تفضیل میں معنی کی زیادتی مقصود ہوتی ہے جبکہ یہ افعال کمی اور زیادتی کو قبول ہی نہیں کرتے۔

تیسری بات: فعل غیر ثلاثی مجرد سے اسم تفضیل بنانے کا طریقہ

فإن قُصدَ غيره تُوُصّل إليه بأشدَّ، مثل: هو أشدُّ منه استخراجًا وبياضًا وعمًى: فرماتے ہیں کہ ماقبل میں بعض ایسے افعال ایسے ذکر ہوئے جن سے اسم تفضیل قاعدہ کے رُو سے نہیں آسکتا، لیکن اگر انہیں افعال سے ہمیں اسم تفضیل کا معنی ادا کرنا مقصود ہو تو صاحب کافیہ فرماتے ہیں توصلُ إليه بأشد یعنی انہیں افعال کے مصادر کے ساتھ لفظ أشدُّ یا أكثر یا أزيدُ جیسے کلمات لگادیں گے تو اسم تفضیل والا معنی ادا ہو جائے گا، جیسے هو أشدُّ منه استخراجًا، هو أشدُّ منه بياضًا، اور هو أشدُّ منه عمى وغیرہ۔

فائدہ: وقياسه للفاعل: اسم تفضیل کی تعریف میں آپ نے پڑھا کہ اس میں معنی مصدری (فاعلیت کے معنی) کے زیادتی بیان کی جاتی ہے، تو فرماتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس میں فاعلیت ہی کا معنی پایا جائے؛ کیونکہ فاعل عام ہے بنسبت مفعول کے، اس لئے کہ فاعل لازم اور متعدی ہر دو فعل

سے آتا ہے، جبکہ مفعول صرف فعل متعدی سے آتا ہے، اب اگر اسم تفضیل کو معنی مفعولیت کے ساتھ خاص قرار دیا جائے تو بہت سارے افعال (یعنی افعال لازمہ) ایسے رہ جائینگے جن سے اسم تفضیل نہیں آسکے گا، لہٰذا اکثر طور پر اس میں فاعلیت کے معنی کی زیادتی بیان کی جاتی ہے، لیکن کبھی کبھی مفعولیت کے معنی کی زیادتی بھی بیان کی جاتی ہے، اور اس کے لئے کوئی خاص اوزان یا قاعدہ نہیں ہے بلکہ یہ سماع سے تعلق رکھتے ہیں جیسے أعذر صیغہ اسم تفضیل کا معنی ہے زیادہ معذور، اور ألوم کا معنی زیادہ ملامت خوردہ، اور أشغل کا معنی ہے زیادہ مشغول اور أشهر کا معنی ہے زیادہ مشہور۔

درس (۳۵)

اسم تفضیل کے استعمال کا بیان

ویستعمل علی أحد ثلاثة أوجهٍ: مضافًا، أو بمن أو معرَّفًا بالـلام، فلا یجوز: زید الأفضل من عمرو، ولا زیدٌ أفضل إلا أن یعلم، فإذا أضیف فله معنیان: أحدهما وهو الأکثر: أن تُقصد به الزیادة علی من أضیف إلیه، فیشترط أن یکون منهم، مثل: زیدٌ أفضل الناس، فلا یجوز: یوسف أحسنُ إخوته؛ لخروجه عنهم بإضافتهم إلیه، والثاني أن تُقصدَ زیادةٌ مطلقةٌ ویُضافُ للتوضیح، فیجوز یوسفُ أحسن إخوته، ویجوز في الأول الإفراد والمطابقة لمن هو له، وأما الثاني والمعرف

بِاللَّامِ، فَلا بُدَّ مِنَ المُطَابَقَةِ، وَالَّذِي بِمِنْ مُفْرَدٌ مُذَكَّرٌ لا غَيْرُ.

ترجمہ: اسم تفضیل استعمال ہوتا ہے تین طریقوں میں سے ایک طریقے پر، اضافت کے ساتھ، یا من کے ساتھ، یا الف لام کے ساتھ، پس جائز نہیں ہے زید ن الأفضل من عمرو اور نہ ہی جائز ہے زید ن الأفضل مگر یہ کہ قرائن سے معلوم کیا جائے جب اسم تفضیل کی اضافت کی جائے تو اس کے دو معنی ہوتے ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ اور وہ اکثر ہے کہ ارادہ کیا جائے (اسم تفضیل) کے ساتھ زیادتی کا اس پر جس کی طرف اضافت کی گئی ہے پس شرط یہ ہے کہ ان میں سے ہو جیسے زید أفضل النا س پس جائز نہیں ہے کہ یوسف أحسن إخوته بوجہ اس کے نکلنے کے ان (بھائیوں) سے بوجہ ان کی اضافت کے اس کی طرف، دوسرا معنی یہ کہ قصد کیا جائے زیادتی کا اور اضافت کی جائے توضیح کے لئے، پس جائز ہے یو سف أحسن إخوته، اور جائز ہے اول صورت میں اسم تفضیل کو مفرد لانا، اور اسم تفضیل کو مطابق لانا اس اسم کے جس کے لئے اسم تفضیل ہو، بہر حال دوسری صورت اور معرف باللام تو ان میں مطابقت ضروری ہے، اور جو اسم تفضیل من کے ساتھ ہو تو اس اسم تفضیل کو مفرد مذکر لایا جائے گا نہ کہ اس کے علاوہ۔

تشریح: آج کے درس میں صرف دو باتیں ہیں:

(۱) صیغہ اسم تفضیل کے استعمال کے طریقے۔

(۲) ہر ایک طریقے کا حکم۔

پہلی بات: صیغہ اسم تفضیل کے استعمال کے طریقے

ویستعمل علی أحد ثلاثة أوجهٍ: فرماتے ہیں کہ اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں:

(۱) یا تو من کے ساتھ استعمال ہوگا، جیسے **زیدٌ أفضلُ من عمرٍو۔**

(۲) یا الف لام کے ساتھ استعمال ہوگا جیسے **جاء ني زید الأفضل۔**

(۳) یا معرف باللام کی طرف مضاف ہوگا جیسے **زید أفضل القوم۔**

یہی تین طریقے ہیں، پس اسم تفضیل نہ تو ان تینوں طریقوں سے یکسر خالی ہوگا اور نہ ان میں سے کسی دو کے ساتھ استعمال ہوگا، **فلا یجوز زید االأفضل من عمرٍو،** مذکورہ اصول کی روشنی میں یہ دو تفریعی مثالیں دی ہیں، پہلی مثال **زید الأفضل من عمرو** یہ صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ یہ بیک وقت دو طریقوں کے ساتھ استعمال ہوا ہے یعنی الف لام کے ساتھ بھی اور منْ کے ساتھ بھی، جبکہ اِن میں سے کوئی ایک بھی کافی تھا۔

دوسری مثال **ولا زیدٌ أفضل،** یعنی **زیدٌ أفضل** کہنا بھی صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ مذکورہ تینوں طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ پر بھی یہ مستعمل نہیں ہے، لیکن جہاں مفضل علیہ معلوم ہو بایں طور کہ یا تو انداز کلام ایسا ہو، یا سیاق وسباق سے پتہ چل رہا ہو، یا عرف عام میں مشہور ہو، تو ایسی صورت میں اگر چہ وہ مذکورہ طریقوں میں سے کسی بھی طریقے سے مستعمل نہ ہو وہ پھر بھی صحیح ہوگا؛ کیونکہ مقصود ان کے بغیر حاصل ہوجائے گا، جیسے **اللہ أکبر،** أی: **اللہ أکبر من کل شيءٍ یا من کل کبیرٍ،**

اسی طرح زیدٌ کریمٌ وعمروٌ أکرمُ، أي: أکرم من زیدٍ۔

فإذا أضیفَ فله معنیان: فرماتے ہیں کہ مذکورہ تین طریقوں میں سے جب یہ اضافت کے ساتھ مستعمل ہو تو اس کے دو معنی ہوتے ہیں:

(۱) **أحدهما وهو الأکثر: أن تُقصد به الزیادة علی من أضیف إلیه:** پہلا معنی جو زیادہ مشہور ہے وہ یہ کہ اسم تفضیل کے موصوف کی زیادتی بیان کرنا مقصود ہو، مضاف الیہ کے مقابلے میں، بالفاظ دیگر مفضل کو مفضل علیہ کے مقابلے میں ترجیح دینا مقصود ہو، لیکن اس کے لئے صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ **فیشترط أن یکون منهم** یعنی بشرطیکہ مفضَّل مفضَّل علیہ میں سے ہو اور اس کے مفہوم میں داخل ہو جیسے **زیدٌ أفضلُ الناس**، یعنی زید سارے لوگوں میں سے بہتر ہے۔

(۲) **والثاني أن یقصد زیادةٌ مطلقةٌ:** اضافت والی صورت میں دوسرا معنی یہ مراد لیا جاتا ہے کہ اسم تفضیل کے موصوف کی زیادتی مطلق طور پر بیان کی جاتی ہے، پہلے معنی کی طرح مضاف الیہ پر زیادتی مقصود نہ ہو، اور اس صورت میں یہ اضافت صرف برائے توضیح وتخصیص ہوگی نہ کہ مضاف کی مضاف الیہ پر کوئی زیادتی وغیرہ بتانے کے لئے، لہذا **یوسف أحسنُ إخوته** جو پہلے معنی میں صحیح نہیں تھا، اِس معنی میں صحیح ہو جائے گا۔

دوسری بات: قسم اول کا حکم

ویجوز في الأول الإفراد والمطابقة لمن هو له: الأول سے مراد

یہاں وجوہ ثلاثہ میں سے پہلا (جو مستعمل بالإضافة ہو) بھی ہوسکتا ہے، اور ابھی جو دو معنی بیان فرمائے ان میں سے پہلا والا بھی مراد ہوسکتا ہے؛ کیونکہ وہ بھی مستعمل بالإضافة ہوتا ہے جیسا کہ محشی صاحب نے مراد لیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسم تفضیل اگر اضافت کے ساتھ مستعمل ہو تو اسے اپنے ماقبل موصوف کے مطابق لانا بھی جائز ہے جیسے زیدٌ أفضل القوم اور الزیدان أفضلا القوم اور الزیدون أفضلوا القوم، اور هندٌ فضلى القوم، الهندان فُضليا القوم، الهندات فضليات القوم، ماقبل لمن هو له کے مطابق لانا اس لئے جائز ہے کہ اسم تفضیل کی یہ قسم حقیقت میں صفت ہے ماقبل موصوف کے لئے، اور موصوف صفت میں مطابقت ہوا کرتی ہے اس لئے یہ دونوں بھی آپس میں مطابق ہوسکتے ہیں۔

عام طور پر موصوف صفت میں مطابقت ضروری ہوتی ہے لیکن مذکورہ صورت میں ضروری نہیں صرف جائز ہے؛ اس لئے کہ اس کی مشابہت مستعمل بہ من کے ساتھ ہے کمامرَّ۔

اور ہر حال میں اس کو مفرد لانا بھی جائز ہے جیسے زیدٌ أفضل القوم، الزیدان أفضل القوم، اور الزیدون أفضل القوم، مفرد لانا اس لئے جائز ہے کہ اس صورت کی مشابہت ہے اسم تفضیل مستعمل بہ من کے ساتھ، اور جس طرح اسم تفضیل مستعمل بہ من کے ساتھ مفضَّل علیہ مذکور ہوتا ہے اسی طرح اس کے ساتھ بھی مذکور ہوتا ہے، لہٰذا وہاں چونکہ مفرد ہی لایا جاتا ہے، اس لئے یہاں بھی مفرد لانا جائز ہے۔

قسم ثانی کا حکم

وأما الثاني والمعرف باللام فلا بدَّ من المطابقة: فرماتے ہیں کہ

رہی قسم ثانی یعنی اسم تفضیل جب مضاف ہو اور مراد اس سے مطلقا زیادتی ہو، اسی طرح اسم تفضیل جب معرف باللام ہو تو ان دونوں صورتوں میں اسم تفضیل کو افراد تثنیہ اور جمع میں تذکیر اور تانیث میں اپنے ماقبل موصوف کے مطابق لانا ضروری ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ دونوں آپس میں موصوف صفت ہیں، اور ان دونوں کا آپس میں مطابقت ضروری ہے، جیسے **زیدٌ الأفضل، الزیدان الأفضلان** اور **الزیدون الأفضلون، هندٌ الفضلی، الهندان الفضلیان، الهندات الفضلیات.**

قسم ثالث کا حکم

والذي بِمن مفردٌ مذكرٌ لاغير: اسم تفضیل جب مِنْ کے ساتھ مستعمل ہو تو اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں صیغہ اسم تفضیل کو ہمیشہ کے لئے مفرد مذکر کی صورت میں لائینگے، اس لئے کہ اس صورت میں من صیغہ اسم تفضیل کا گویا کہ ایک جزء اور ایک حصہ ہے، اب دو صورتیں ہیں، یا تو علامت تثنیہ وجمع مِن سے قبل لے کر آئینگے، یا اس کے بعد، اگر اس سے قبل لے کر آتے ہیں تو صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ تثنیہ اور جمع کی علامات ہمیشہ کلمہ کے آخر میں آتی ہیں، اور مِن سے قبل لے کر آنا گویا کہ کلمہ کے تمام ہونے سے قبل درمیان میں لے کر آنا ہے، اور اس کے بعد بھی لے کر آنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ مِن کو اگر چہ ہم نے اس کا جزء قرار دیدیا، لیکن حقیقت میں یہ اس کا جزء نہیں ہے، لہذا ان کے بعد علامت تثنیہ یا جمع لے کر آنا گویا کہ صیغہ اصلی اور علامات کے درمیان فاصلہ لے کر آنا ہے، **وهذا لا يجوز في أية من الصور**، لہذا جب یہ بات متعین ہوگئی تو اس کا مفرد مذکر لانا ہی

ضروری ہوا جیسے زیدٌ أفضل من عمروٍ، الزیدان أفضل من عمروٍ، الزیدون أفضل من عمروٍ، وهكذا هندٌ أفضل من زينب، الهندان أفضل من زينب، الهندات أفضل من زينب، دیکھئے ان مثالوں میں اگرچہ موصوف تو بدلتا رہا، لیکن ایک اسم تفضیل ہی تھا جس نے زمین جنبد نہ جنبد گل محمد نہ جنبد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پوری ثابت قدمی دکھا کر ایک ہی صورت اپنا رکھی ہے۔

درس (۳٦)

اسم تفضیل کا اسم ظاہر میں عمل کرنا

ولا يعمل في مُظهرٍ إلا إذا كان صفةً لشيء، وهو في المعنى لمسببٍ مفضَّلٍ باعتبار الأول على نفسه باعتبار غيره منفِيًّا، مثل: ما رأيتُ رجلًا أحسن في عينه الكحلُ منه في عين زيدٍ؛ لأنه بمعنى حسن مع أنهم لو رفعوا لفصَّلوا بينه وبين معموله بأجنبيٍّ وهو الكحلُ، ولك أن تقول: أحسن في عينه الكحلُ من عَين زيدٍ، فإن قدَّمتَ ذكرَ العين قلتَ: ما رأيتُ كعين زيدٍ أحسن فيها الكحلُ، مثل ولا أرى في قعطةٍ:

مررتُ على وادي السبع ولا أرى
كوادي السباع حينَ يُظلم واديًا
أقلَّ بـه ركبٌ أتوه تأيَّةً
وأخوفَ إلا ما وقى الله ساريًا

ترجمہ: اور اسم تفضیل عمل نہیں کرتا اسم ظاہر میں مگر یہ کہ اسم تفضیل کسی شی کی صفت ہو، اور وہ معنی میں مسبب مفضل کے لئے ہو اول کے اعتبار سے، اور اپنے نفس پر ہو غیر کے اعتبار سے، اس حال میں کہ اسم تفضیل منفی ہو جیسے ما رأيت أحسن رجلا في عينه الكحل منه في عين زيد، اس لئے کہ أحسن حسنَ کے معنی میں ہے اس کے باوجود اگر وہ رفع دے تو فاصلہ کر دیں گے أحسن اور اس کے معمول کے درمیان اجنبی کے ساتھ اور وہ الكحل ہے، اور تجھے اختیار ہے اس طرح کہنے کا أحسن في عينه الكحل منه في عين زيد، اور اگر تو مقدم کر دے عین کے ذکر کو تو یوں کہے ما رأيتُ كعين زيد أحسن فيها الكحل، اور جیسے لا اری شاعر کے قول میں، میں درندوں کی وادی میں گزرا اور حال یہ ہے کہ میں نہیں دیکھتا ہوں وادی سباع کے مانند جب کہ اس کو تاریکی احاطہ کرتی ہے کوئی وادی کہ سواروں کا وہاں ٹھہرنا وادی سباع میں ٹھہرنے سے زیادہ کم ہو، اور سواروں کا وہاں خوف زدہ ہونا وادی سباع میں خوف زدہ ہونے سے زیادہ ہو مگر جب خدا تعالی کسی رات چلنے والی جماعت کی حفاظت فرمائے۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) اسم تفضیل کا اسم ظاہر میں عمل کرنا۔

(۲) ایک اشکال اور اس کا جواب۔

(۳) مذکورہ مثال کے متعلق صاحب کافیہ کی رائے۔

پہلی بات: اسم تفضیل کا اسم ظاہر میں عمل کرنا

ولا يعمل في مظهرٍ: دیکھو میرے عزیز! یہاں سے ایک بہت ہی

ضروری بات بیان فرمارہے ہیں اس کو خوب غور سے سنو، بات یہ ہے کہ عام طور پر اسم تفضیل ضمیر مستتر جو اس کا فاعل ہوتا ہے، اس میں عمل کرتا ہے، اسم ظاہر میں عمل نہیں کرتا، اس لئے کہ اسم تفضیل عامل ضعیف ہے اور اسم ظاہر ایک قوی قسم کا معمول ہوتا ہے، لہذا عاملِ ضعیف قوی قسم کے معمول میں عمل نہیں کرسکتا، ہاں اسم ضمیر جو کہ معمول ضعیف ہوتا ہے اسی میں عمل کرتا ہے بغیر کسی شرط کے، اور اسم ظاہر میں عمل کرنے کے لئے اس میں تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے جو یہ ہیں:

(۱) إذا كان صفةً لشيءٍ: یعنی اسم تفضیل اپنے ظاہری صورت کے اعتبار سے کسی ایک چیز کی صفت ہو، وهو في المعنى لمسبب اور معنوی اعتبار سے کسی اور چیز یعنی اس کے متعلق کی صفت ہو، اور وہ متعلق (الكحل) مفضل (عين زيد) اور مفضل علیہ (عين رجل) کے درمیان مشترک ہو یعنی ایک ہی سُرمہ ہے جو زید اور دوسرے آدمی نے استعمال کیا ہے لیکن وہی سرمہ زید کی آنکھوں میں زیادہ خوبصورت لگتا ہے جیسے مثال مذکور میں أحسن صیغہ اسم تفضیل ظاہری اعتبار سے رجلٌ کی صفت ہے لیکن حقیقت میں الكحل کی صفت ہے جو رجلٌ کے متعلق ہے، اور صفت واقع ہونے کا مطلب یہاں یہ ہے کہ وہ چاہے حقیقت میں صفت ہو یا چاہے خبر ہو یا حال، اور یہ شرط اس لئے لگائی تاکہ ان میں سے کوئی کسی ایک پر اسم تفضیل کا اعتماد ہو۔

(۲) مفضَّلٍ باعتبار الأول على نفسه باعتبار غيره: دوسری شرط یہ ہے کہ وہ متعلق ایک اعتبار سے مفضَّل اور دوسرے اعتبار سے مفضل علیہ ہو، الأول سے مراد مثال مذکور میں رجلاً ہے جو موصوف بن رہا ہے، تو فرماتے ہیں کہ یہی

الکحل جب رجلٌ یعنی کسی اور کی آنکھوں میں ہو تو یہ اتنا خوبصورت نہیں لگتا جتنا کہ زید کی آنکھوں میں اچھا لگتا ہے، اور یہ شرط اس لئے لگائی تا کہ اس اسم تفضیل اور اُس اسم تفضیل میں فرق ظاہر ہو جائے جو اسم ظاہر میں عمل نہیں کرتا؛ کیونکہ اس میں ایک ہی چیز مفضل اور مفضل علیہ نہیں بن سکتا۔

عزیز طلبہ! شاید آپ میں سے کسی کو اشکال ہو رہا ہوگا کہ کتاب میں تو باعتبار اول والے (یعنی کحل في عین رجل) کو مفضل بتایا ہے، علی نفسه باعتبار غیره بعینه اسی سرمہ پر جبکہ یہ اس کے علاوہ کسی اور (زید) کی آنکھوں میں ہو پر، اور آپ نے اس کا برعکس بتا دیا یعنی اول کو مفضل علیہ اور ثانی کو مفضل بتا دیا؟۔

تو میرے عزیز! یہ اس لئے کہ صاحب کافیہ نے اس کے ساتھ ابھی تک ما نافیہ کا معنی ملایا نہیں ہے، اور ہم نے پہلے سے ما نافیہ کا معنی ملا کر تشریح کی ہے۔

(۳) منفیًا: تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اسم تفضیل تحت النفی واقع ہو اور یہ شرط اس لئے لگائی تا کہ اسم تفضیل کی مشابہت فعل کے ساتھ ہو جائے، اسی کو صاحب کافیہ نے بیان کیا ہے کہ لأنه بمعنی حسن: یعنی أحسن یہاں پر حَسُنَ فعل کے معنی میں ہو جائے گا۔

صاحب کافیہ نے اس کی مثال دی ہے ما رأیتُ رجلاً أحسنَ في عینه الکحل منه في عین زیدٍ، اس مثال کو مذکورہ شرائط کے تناظر میں دیکھ کر مختصر طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ أحسن اسم تفضیل ظاہری اعتبار سے ماقبل رجلاً کی صفت ہے، اور حقیقت میں اس کے بعد آنے والے متعلق یعنی الکحل کی صفت ہے، اور یہی

الکحل جب رجلاً کی آنکھ میں ہوتو مفضل علیہ اور جب زید کی آنکھوں میں ہوتو مفضل ہے، اور تحت النفی واقع ہے اس لئے جب ساری شرائط پائی گئیں تو اس نے الکحل اسم ظاہر میں عمل کر کے اس کو رفع دیدیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دوسری بات: ایک اشکال اور اس کا جواب

مع أنهم لو رفعوا لفصّلوا بينه وبين معموله بأجنبيٍّ: یہاں سے ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں اشکال یہ ہے کہ جناب محترم! آپ نے کیوں اسم تفضیل جیسے ایک کمزور عامل کو اسم ظاہر جیسے قوی معمول میں عمل کرنے پر مجبور کر دیا، اس سے بہتر تو یہ تھا کہ آپ اسم تفضیل کو اپنے حال پر رہنے دے یعنی یہ اپنے اسم ضمیر ہی میں عمل کرتا رہے، اور الکحل کو مبتداء مؤخر ہونے کی وجہ سے رفع دیدیں، یعنی أحسن صیغہ اسم تفضیل اپنے ضمیر فاعل اور في عينه جار مجرور متعلق سے مل کر ماقبل رجلاً کے لئے صفت بنادو، پھر موصوف صفت دونوں کو ملا کر خبر مقدم بنادو، اور الکحل کو مبتداء مؤخر بنالو؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا کرنے سے اسم تفضیل یعنی أحسن اور اس کے معمول یعنی منہ کے درمیان اجنبی یعنی الکحل کا فاصلہ لازم آئے گا، جو کہ ناجائز ہے۔

تیسری بات: مذکورہ مثال کے متعلق صاحب کافیہ کی رائے

ولک أن تقولَ: أحسنَ في عينه الكحلُ من عين زيدٍ چونکہ صاحب کافیہ اختصار کے درپے ہوتے ہیں اس لئے یہاں طالبان علوم ختم نبوت پر شفقت فرما کر اپنی ایک رائے ذکر کر رہے ہیں کہ اگر آپ اس مثال کو تھوڑا مختصر کر کے

یوں بنادیں کہ ما رأيتُ رجلا أحسن في عينه الكحل في عين زيدٍ،اگر اس سے بھی زیادہ اختصار پیدا کرنا چاہتے ہو تو فإن قدَّمتَ ذكر العين قلت: یعنی صیغہ اسم تفضیل سے عینٌ کو مقدم رکھو اور یوں کہو: ما رأيتُ كعين زيدٍ أحسن فيها الكحلُ، میں نے زید کی آنکھ جیسی کوئی آنکھ نہیں دیکھی جس میں سرمہ خوبصورت لگتا ہو، دیکھئے! یہاں معنیٰ میں بھی کوئی فرق نہیں آیا بلکہ مطلب وہی ہے جو پہلی عبارت کا تھا، اور ترکیب میں بھی کوئی خرابی نہیں آتی، اور یہ امام سیبویہ کے شعر میں (لا أرى) کی طرح ہوگا، امام سیبویہ فرماتے ہیں:

مررتُ على وادي السبع ولا أرى
كوادي السباع حينَ يُظلم واديًا
أقلَّ به ركبٌ أتوه تأيَّةً
وأخوفَ إلا ما وقى الله ساريًا

یعنی میں اس وادی سے گذرا جو درندوں کی کثرت کی وجہ سے وادی سباع کے نام سے مشہور ہے، اور میں نے کوئی وادی نہیں دیکھی جس میں اس سے کم قافلے چلے جاتے ہوں اور وقوف کرتے ہوں، اور چلنے سے ڈرتے ہوں جبکہ وہ وادی اندھیری ہوتی ہے، ہاں جب اللہ کسی قافلے کو بچائے۔

مذکورہ اشعار کا شان ورود

کہا گیا ہے کہ وادی سباع نہر فرات پر واقع شہر رقّہ نامی شہر میں ہے، وائل بن قاسط نامی ایک شاعر اس وادی میں چل رہا تھا کہ اس کا گذر اسماء بنت وریم نامی

عورت پر ہوا، جب اس نے اسماء کو خیموں میں تنہا پایا تو اس سے بری خواہش پورا کرنے کا ارادہ کیا، اس عورت نے کہا کہ تو نے اگر ایسی کوئی حرکت کی تو میں اپنے درندوں کو بلالوں گی، اس نے کہا اس وادی میں مجھے تیرے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا، اس نے جواب دیا کہ اچھا پھر دیکھ، چنانچہ اس کی ایک ہی آواز پر کتے بھیڑیے چیتے اور ریچھ وغیرہ آن کی آن میں جمع ہو گئے، تو اس شاعر نے کہا کہ یہ تو درندوں کی وادی معلوم ہوتی ہے، اور پھر یہ شعر پڑھے۔

اس شعر میں کوادي السباع کو أقل به ركبٌ اسم تفضیل سے مقدم کیا ہے، اور ركبٌ أقل کا فاعل ہے، اور یہاں اسم تفضیل من کیساتھ مستعمل ہے، اصل عبارت یوں ہے: لا أرى واديًا أقل به ركبٌ منهم في وادي السباع، تو جس طرح اس شعر میں كوادي السباع کو اسم تفضیل اقل سے مقدم کیا گیا ہے، اسی طرح ما رأيتُ كعين زيد أحسنَ فيها الكحل میں كعين زيد کو اسم تفضیل أحسن سے مقدم کرنا جائز ہے۔

اب مذکورہ اشعار کی ترکیب ملاحظہ ہو:

مررتُ فعل، أنا ضمیر اس کا فاعل، علی حرف جار، وادي السباع مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور، جار مجرور ظرف لغو متعلق ہو گئے مررتُ فعل کے ساتھ، مررت فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، واو حرف عطف، لاأرى فعل نفی، أنا ضمیر اس کا فاعل، کاف حرف جر برائے تشبیہ، وادي السباع مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور، جار مجرور ظرف لغو متعلق ہوا لا أرى فعل کے ساتھ، حين مضاف، يظلم فعل، هو ضمیر مستتر اس کا فاعل راجع بسوئے وادی،

فعل اپنے فاعل سے مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ ہوا لا أری فعل کے لئے، وادیا موصوف، أقــل صیغہ اسم تفضیل، بہ جار مجرور ظرف لغو متعلق ہوا أقل صیغہ اسم تفضیل کے، ہر کبٌ موصوف، أتوہ فعل واو ضمیر بارز فاعل، ہ ضمیر مفعول بہ منصوب محلا، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر ممیز، تایۃ تمیز، ممیز اپنی تمیز سے مل کر أقل صیغہ اسم تفضیل کا فاعل، أقل اپنے فاعلؒ اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ، واو حرف عطف، أخــوف صیغہ اسم تفضیل، ہو ضمیر مستتر اس کا فاعل، إلا حرف استثناء، ما مصدریہ، وقــی فعل، لفظ اللہ فاعل، ســاریــا مفعول بہ، وقی فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر مضاف الیہ، وقــت مضاف محذوف کا، مضاف مضاف الیہ مل کر مستثنیٰ مفعول فیہ أخــوف کا، أخوف اسم تفضیل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر وادیا کی صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر لا أری کا مفعول، لا أری فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر معطوف، مــــررث معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔ (تہذیب الکافیہ ۲۷۵ وتقریر کافیہ ۱۱۰/۲)

انتھی بحث المبني بفضل اللہ سبحانہ وتعالی

یوم الجمعۃ ۱۳ ابریل ۲۰۱۱ بعد الظھر

بحث الفعل

درس (۳۷)

کلمہ کی دوسری قسم فعل کا بیان

الفعل: ما دلَّ علی معنًی فی نفسه مقترن بأحد الأزمنة الثلاثة، ومن خواصّه: دخول قد والسین وسوف والجوازم ولحوق تاء التأنیث ساکنةً ونحو تاء فعلتِ.

ترجمہ: فعل وہ (کلمہ) ہے جو دلالت کرے معنی مستقل پر اور مقترن ہو تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ، اور اس کے خاصوں میں سے قد اور سین اور سوف اور حروف جوازم کا داخل ہونا اور تائے تانیث ساکنہ کا لاحق ہونا اور تاء فعلت کی مثل کا داخل ہونا ہے۔

تشریح: عزیز طلبہ! آپ حضرات نے سال کے بالکل شروع میں اس کتاب کے ابتدائی دروس میں پڑھا تھا کہ وهي اسمٌ وفعلٌ وحرفٌ یعنی کلمہ کی تین قسمیں ہیں اسم فعل اور حرف، چنانچہ اس وقت سے لیکر آج تک صاحب کافیہ ہمارے سامنے پہلی قسم یعنی اسم کی تفصیل بیان فرماتے رہے، اور آج اسی کلمہ کی دوسری قسم یعنی فعل کا بیان شروع فرما رہے ہیں، چنانچہ میرے سامنے مکتبۃ البشری کی مطبوعہ کافیہ ہے اس کے صفحہ ۱۵۰ سے لے کر صفحہ ۱۷۴ تک جو چوبیں صفحات کا دورانیہ ہے اس میں فعل کی

تفصیل کو بیان فرمایا ہیں، ان صفحات میں علامہ ابن حاجبؒ نے اولاً فعل کی تعریف پھر اس کی علامات اور پھر اس کی نو ۹ قسمیں بیان فرمائی ہیں، یہ ہو گیا پورے بحثِ فعل کا مختصر خلاصہ، اب ہم آہستہ آہستہ اس کی تفصیل پڑھتے رہیں گے ان شاء اللہ، لہذا آج کے درس میں ہم صرف دو باتیں پڑھیں گے:

(۱) فعل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔

(۲) فعل کی علامات۔

پہلی بات: فعل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

فعل کا لغوی معنی ہے کام، اس کی جمع فِعالٌ اور أفعالٌ آتی ہے، اور اصطلاحی معنی صاحب کافیہ ان الفاظ میں بیان فرما رہے ہیں کہ **ما دلَّ علی معنًی فی نفسه مقترن بأحد الأزمنة الثلاثة** یعنی فعل وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر بذات خود دلالت کرتا ہو، اور وہ معنی تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانے سے ملا ہوا ہو جیسے کتَبَ زیدٌ میں کتَبَ اپنے معنی (لکھنے) پر بھی دلالت کرتا ہے اور تینوں زمانوں میں سے ماضی کا زمانہ بھی اس میں پایا جاتا ہے۔

اس تعریف سے شاید کسی طالب علم کو اشکال ہو کہ استاذ محترم! صاحب کافیہؒ نے فرمایا کہ **بأحد الأزمنة الثلاثة** لہذا فعل مضارع کو یہ تعریف شامل نہیں ہوگی؛ کیونکہ اس میں تو حال اور استقبال دونوں زمانے پائے جاتے ہیں، لہذا یا تو ہمیں کوئی ایسی قید بڑھانی چاہئے جس کے ذریعے فعل مضارع اس تعریف میں شامل ہو جائے، یا صاف طور پر یہ کہنا چاہئے کہ مضارع فعل کی کوئی قسم نہیں ہے، بلکہ وہ اس سے خارج

ہے۔

میرے عزیز! اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں: پہلا یہ کہ فعل مضارع میں بیک وقت دو زمانے نہیں پائے جاتے بلکہ ایک ہی زمانہ ایک وقت میں پایا جاتا ہے، یعنی علی سبیل البدلیۃ حال کے لئے الگ اور استقبال کے لئے الگ اس کی وضع ہوئی ہے لہذا ایک ہی زمانہ پایا گیا دو نہیں پائے گئے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ فعل میں ایک زمانے کا پایا جانا تو کم از کم ہے اس سے زیادہ اگر کسی کلمہ میں پائے جائے تو اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

مذکورہ تعریف میں فوائد وقیود

مذکورہ عبارت میں الفعل معرَّف اور باقی اس کی تعریف ہے، پھر تعریف میں ما دلَّ علی معنیً جنس کے درجہ میں ہے، جو کلمہ کے تینوں قسموں کو شامل ہے، في نفسه فصل اول ہے اس کے ذریعے اس تعریف سے حرف خارج ہوا؛ کیونکہ جب تک اس کے ساتھ کوئی اور کلمہ ملا ہوا نہ ہو وہ بذات خود کسی معنی پر دلالت نہیں کرسکتا، مقترن بأحد الأزمنة الثلاثة فصل ثانی ہے جس کے ذریعے اس سے اسم خارج ہو گیا، کیونکہ وہ اگر چہ مستقل طور پر اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے لیکن اس میں کوئی زمانہ نہیں پایا جاتا، لہذا مذکورہ تعریف صرف فعل کے ساتھ خاص ہوگئی۔

دوسری بات: فعل کی علامات

یہاں تک تو فعل کی تعریف بیان ہوئی لیکن ہم اس کو پہچانیں گے کیسے آیا اس کی کوئی نشانی وغیرہ ہے یا نہیں، تو صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ ہم اس کی علامات

بتا دیتے ہیں جن کی مدد سے اس کے پہچاننے میں آسانی ہوگی جیسے آپ حضرات مختلف قسم کی گاڑیوں کو ان کی علامات یعنی ان کے نمبروں سے پہچان لیتے ہیں اسی طرح اس فعل کی بھی علامات ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ ومن خواصّہ، خواصُّ جمع ہے خاصَّۃ کی، اور خاصۃُ الشيء توجد فیه ولا توجد في غیرہ یعنی کسی چیز کا خاصہ اور علامت وہ چیز ہوتی ہے جو صرف اسی میں پائی جائے اور اس کے غیر میں نہ پائی جائے، لہذا اب جو علامات بتائیں گے وہ بھی صرف فعل میں پائے جائیں گی حرف یا اسم میں نہیں ہوں گی، ایسے تو فعل کے بہت سی علامات ہیں ان میں سے مشہور چھ ہیں جن کو صاحب کتاب نے یہاں بیان کیا ہیں۔

(۱) دخول قد: یعنی ایسا کلمہ ہو جس پر قد داخل ہو تو وہ فعل ہی ہوگا جیسے ﴿قد سمع الله قول التي تجادلک في زوجها﴾۔

یہ اس لئے فعل کی علامت ہے کہ قد آتا ہے فعل ماضی کو حال کے معنی میں کرنے کے لئے، یا فعل کے معنی میں تحقیق کے لئے اور یا تقلیل کے لئے، اور یہ تینوں چیزیں فعل کے ساتھ خاص ہیں۔

(۲) والسین: اسی طرح کسی کلمہ کے شروع میں سین ہو تو وہ بھی صرف فعل ہی ہوسکتا ہے جیسے ﴿کلا سیعلمون﴾۔

(۳) وسوف: کسی کلمہ کے شروع میں سوف ہو جیسے ﴿کلا سوف تعلمون﴾۔

یہ دونوں اس لئے فعل کی علامت ہیں کہ سین استقبال قریب کے لئے آتا ہے اور سوف استقبال بعید کے لئے اور استقبال کا زمانہ فعل میں ہوتا ہے۔

(۴) **والجوازم:** کسی کلمہ کے شروع میں حروف جوازم (إن، لم، لما، لام أمر، لائے نہی) میں سے کوئی داخل ہو جیسے ﴿فإن لم تفعلوا ولن تفعلوا﴾۔
یہ اس لئے فعل کی علامت ہیں کہ حروف جوازم یا تو فعل کی نفی کے لئے آتے ہیں جیسے لم اور لما، یا طلب کے لئے آتے ہیں جیسے لام امر، یا منع کرنے کے لئے آتے ہے جیسے لائے نہی، یا کسی چیز کو فعل کے ساتھ متعلق کرنے کے لئے آتے ہیں جیسے حروف شرط، اور یہ تمام چیزیں فعل کے کیساتھ خاص ہیں۔

(۵) **ولحوق تاء التأنيث ساكنة:** کسی کلمہ کے آخر میں تاء تانیث ساکنہ ہو یعنی واحدہ مؤنثہ غائبہ کا صیغہ ہو جیسے ﴿قالت رب إني وضعتها أنثى﴾۔
یہ اس لئے فعل کی علامت ہے کہ یہ اس کلمہ کے ساتھ لاحق ہوتی ہے جو فاعل کا تقاضا کرے اور فاعل کا تقاضا اکثر فعل ہی کرتا ہے۔

(۶) **ونحو تاء فعلتِ:** فعلتِ کے آخر میں جیسے ضمیر مرفوع متصل لگی ہوئی ہے اسی طرح کوئی بھی ضمیر مرفوع متصل کسی کلمہ کے آخر میں ہو تو یہ اس کے فعل ہونے کی نشانی ہے جیسے ﴿ما قلتُ لهم إلا ما أمرتني به﴾ میں قلتُ اور أمرتَ۔ اس کی وجہ وہی ہے جو تاء ساکنہ کی ہے۔ (تقریر کافیہ ۲/۱۱۲)۔

درس (۳۸)

فعل کی قسموں کا بیان

الماضي: ما دلَّ على زمان قبل زمانكَ، مبنيٌّ على الفتح مع

غیر الضمیر المرفوع المتحرّک والواو. المضارع: ما أشبهَ الاسمَ بأحدِ حروف نأیتُ لوقوعه مشترکًا وتخصیصه بالسین أو سوف فالهمزة للمتکلم مفردًا، والنون له مع غیره، والتاء للمخاطب مطلقًا، وللمؤنث والمؤنثین غیبةً، والیاء للغائب غیرهما، وحروف المضارعة مضمومةٌ في الرباعي، ومفتوحةٌ فیما سواه.

ترجمہ: ماضی وہ ہے جو دلالت کرے اس زمانے پر جو تیرے زمانے سے پہلے ہو اور یہ مبنی بر فتح ہوتا ہے ضمیر مرفوع متحرک اور واو کے علاوہ کے ساتھ، اور مضارع وہ ہے جو اسم کے مشابہ ہو اور نایت کے حروف میں سے کسی ایک کے ساتھ ملتبس ہو بوجہ واقع ہونے اس کے (اسم کے ساتھ) حال اور استقبال میں مشترک، اور بوجہ اس کے خاص ہونے سین یا سوف کے ساتھ، پس ہمزہ مفرد متکلم کیلئے آتا ہے اور نون اس کے لئے (متکلم کیلئے) اس کے غیر کے ساتھ، اور تاء حاضر کے لئے ہے مطلقا، اور واحد مؤنث اور تثنیہ غائب کیلئے بھی آتی ہے اور یا غائب کے لئے آتی ہے ان دونوں (واحد مؤنث غائب تثنیہ مؤنث غائب) کے علاوہ اور حروف مضارع مضموم ہوتے ہیں رباعی میں، اور مفتوح ہوتے ہیں اس کے ماسوا میں۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) فعل کی قسمیں۔

(۲) فعل مضارع کی اسم فاعل کے ساتھ مشابہت۔

(۳) ماضی چہار حرفی والے ابواب کے متعلق ایک قاعدہ۔

پہلی بات: فعل کی قسمیں

بھائی فعل کی تین قسمیں ہیں جنہیں آپ حضرات نے پچھلے سال ہدایۃ النحو اور علم الصیغہ میں پڑھی ہیں یہاں تازگی پیدا کرنے کے لئے صاحب کافیہ دوبارہ انہیں بیان فرمارہے ہیں:

(۱) الماضي: لغوی اعتبار سے ماضی اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی گذرنے والا، اور پچھلے زمانے کو بھی ماضی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ گذر گیا ہوتا ہے، اور اصطلاحی معنی صاحب کافیہ بیان فرماتے ہیں کہ ما دلَّ علی زمانٍ قبل زمانک یعنی ماضی وہ فعل ہے جو ایسے زمانے پر دلالت کرے جو اے مخاطب آپ کے ساتھ بات کرنے سے پہلے کا ہو، جیسے سافر زیدٌ إلی الحرمَین الشریفین زادھما اللہ شرفًا و کرامةً۔

مبنيٌّ علی الفتح: صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ عزیز طلبہ! اگر آپ حضرات غور فرمالیں تو ماضی کے کل چودہ ۱۴ صیغے ہوتے ہیں ان میں سے چار (ضربَ ضربَا ضربتْ ضربتا) کے بارے میں تو یہ حکم ہے کہ مبني علی الفتح مع غیر الضمیر المرفوع المتحرک والواو: یعنی وہ صیغے جن کے ساتھ فاعل کی ضمیر مرفوع متحرک نہ ہو تو وہ سارے مبنی بر فتح ہوں گے، باقی دس رہ گئے، ان میں سے ایک صیغہ (ضربوا) مبنی بر ضمہ ہوگا اور باقی سارے مبنی بر سکون ہوں گے۔

(۲) المضارع: یہ فعل کی دوسری قسم ہے، لغوی اعتبار سے مضارع باب مفاعلہ

سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھنے والے، چونکہ یہ اور اسم فاعل ایک دوسرے کے ساتھ بچند وجوہ مشابہت رکھتے ہیں، اس لئے اس کو مضارع کہتے ہیں، اور اصطلاحی تعریف بھی اسی کے قریب قریب صاحب کافیہ بیان فرمارہے ہیں کہ ما أشبه الاسمَ یعنی فعل مضارع وہ فعل ہے جو اسم کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو حروف اُتین میں سے کسی ایک کے بڑھانے کے ساتھ جیسے یکتبُ یقرأُ وغیرہ۔

دوسری بات: مشابہت مضارع باسم الفاعل

یہ مشابہت کیا ہے اور کن چیزوں میں ہوتی ہے اس کی ایک اجمالی جھلک تو آپ حضرات نے اسم فاعل کے بحث میں دیکھی ہوگی یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ ملاحظہ ہو، وہ یہ کہ فعل مضارع کی اسم فاعل کے ساتھ پانچ وجوہ سے مشابہت ہے:

(۱) پہلی مشابہت اسم فاعل کے ساتھ اس کی تعداد حروف میں ہے یعنی جتنے حروف اسم فاعل میں ہوتے ہیں اتنی ہی حروف فعل مضارع میں ہوں گے جیسے ضـــاربٌ میں چار حروف ہیں تو یـــضـــرب میں بھی چار ہی ہیں، مستعملٌ میں چھ ہیں تو یستعملُ میں بھی یہی چھ حروف ہیں۔

(۲) دوسری مشابہت تعداد حرکات وسکنات میں ہے جیسے مذکورہ مثالوں میں دیکھیں جتنی حرکات اسم فاعل میں ہوں گی اتنے ہی فعل مضارع میں بھی ہوں گی، اور جتنے سکون اسم فاعل میں ہوں گے اتنے ہی فعل مضارع میں بھی ہوں گے۔

(۳) تیسری مشابہت لام تاکید کے داخل ہونے میں ہے یعنی جس طرح اسم فاعل پر لام تاکید داخل ہوتا ہے ایسا ہی فعل مضارع پر بھی داخل ہوتا ہے جیسے واللہ إنَّ زیدًا لقائمٌ اور إنَّ زیدًا لیقوم۔

(۴) جس طرح اسم فاعل میں عمل کے لئے ہم نے شرط لگائی تھی کہ بمعنی حال یا استقبال ہو تب عمل کرے گا تو ایسے ہی فعل مضارع میں بھی حال یا استقبال کا معنی پایا جاتا ہے۔

(۵) وتخصیصه بالسین أو سوف: پانچویں مشابہت یہ ہے کہ جس طرح اسم نکرہ پر الف داخل کر کے وہ ایک متعین فرد پر دلالت کرتا ہے اور لفظ عینٌ جو کئی معنوں میں مشترک ہے لیکن کوئی قرینہ موجود ہو تو ایک خاص چیز پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح فعل مضارع بھی حال اور استقبال میں مشترک ہے لیکن اس پر اگر سین یا سوف داخل کیا جائے تو وہ استقبال کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے، جیسے ﴿کلا سیعلمون﴾ اور ﴿کلا سوف تعلمون﴾۔

ان ساری مشابہتوں کی طرف صاحب کافیہ نے بڑے مختصر الفاظ میں اشارہ کر کے یوں کہہ دیا کہ لوقوعه مشترکاً یعنی یہ اور اسم فاعل آپس میں مذکورہ چیزوں میں مشترک ہیں۔

فالهمزة للمتكلم: ماقبل میں فرمایا تھا کہ فعل مضارع کے شروع میں حروف نأیت یا بالفاظ دیگر حروف أتین میں کوئی ایک ہو، پس اگر وہ ہمزہ ہو، تو صاحب کافیہ فرماتے ہیں فالهمزة للمتكلم مفردًا یعنی واحد متکلم مذکر و مؤنث کی دلیل ہے۔

والنون له مع غیره: فرماتے ہیں کہ نون بھی اسی طرح متکلم کے لئے ہے بشرطیکہ اس (واحد متکلم) کے ساتھ اس کا غیر بھی ہو، اگر اس کا غیر ایک ہو تو یہ تثنیہ متکلم کے لئے ہوگا اور اگر دو اس کے علاوہ ہو تو یہ جمع متکلم کا صیغہ ہوگا مذکر ومؤنث دونوں کے لئے جیسے نقرأ نطالع وغیرہ۔

والتاء للمخاطب مطلقًا: اگر اس کے شروع میں تاء ہو تو یہ ہر مخاطب کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے تقرأ، تقرء ان، تقرؤون، تقرئین، تقرء ان،

وللمؤنث والمؤنثين غيبة فرماتے ہیں کہ یہی تاء مخاطب کے علاوہ واحد مؤنث اور تثنیہ مؤنث غائب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے تقرأ، تقرء ان۔

والياء للغائب غيرهما: اور یاء واحد مؤنث اور تثنیہ مؤنث غائب کے علاوہ دیگر غائب کے صیغوں میں آئی گی جیسے یکتب یکتبان یکتبون یکتبنَ۔

تیسری بات: ماضی چار حرفی والے ابواب کے متعلق ایک قاعدہ

وحروف المضارعة مضمومة في الرباعي ومفتوحة فيما سواه: عزیز طلبہ! آپ حضرات نے ارشاد الصرف میں ایک قانون پڑھا تھا ماضی چار حرفی کے نام سے، صاحب کافیہ آج اسی قانون کو دہرا رہے ہیں کہ ہر وہ باب جس کے ماضی کے پہلے صیغے میں چار حرف ہوں تو ایسے ابواب کے مضارع معلوم میں بھی علامت مضارع مرفوع ہوگی، اور ایسے کل چار ابوب ہیں: افعال، تفعیل، مفاعلہ اور فعللۃ، اوراس کے ملحقات ہیں جیسے یُکرمُ یُصرِّفُ یضاربُ اور یُدحرِجُ وغیرہ، اوران ابواب کے علاوہ سارے ابواب میں علامت مضارع مفتوح ہوگی جیسے یفتح

يستعمل يحمرُّ وغیرہ۔

درس (۳۹)

فعل مضارع کا اعراب

ولا يُعربُ من الفعل غيره إذا لمْ يتصل به نونُ تأكيدٍ، ولا نون جمع مؤنثٍ، وإعرابه: رفعٌ ونصبٌ وجزمٌ، فالصحيح المجرد عن ضمير بارزٍ مرفوعٍ للتثنية والجمع والمخاطب والمؤنث بالضمة والفتحة والسكون، مثل: يضربُ ولن يضربَ ولم يضربْ، والمتصل به ذلک بالنون وحذفها، مثل: يضربان ويضربون وتضربين، والمعتل بالواو والياء بالضمة تقديرًا، والحذف، ويرتفع إذا تجرد عن الناصب والجازم، نحو: يقوم زيدٌ، وينتصب بأن ولن وإذن وكَي، وبأن مقدَّرةً بعد حتَّى ولام كَي ولام الجحود، والفاء والواو وأو، فأن مثل: أزيد أن تُحسنَ إليَّ، ﴿وأن تصوموا خيرٌ لكم﴾.

ترجمہ: اور نہیں معرب ہوتا افعال میں سے کوئی سوائے اس (مضارع) کے جب کہ متصل نہ ہو اس کے ساتھ نون تاکید اور نون جمع مؤنث، اور اس (مضارع) کا اعراب رفع اور نصب اور جزم ہے پس صحیح جو خالی ہو اس ضمیر بارز مرفوع سے جو تثنیہ اور جمع اور واحد مؤنث حاضر کے لئے ہے (اس کا اعراب) ضمہ فتحہ اور سکون کے ساتھ آتا ہے جیسے یضربُ اور لن یضربَ اور لم یضربْ، اور وہ (فعل مضارع) جو

متصل ہو اس (ضمیر بارز) کے ساتھ (اس کا اعراب) نون اور اس کے حذف کرنے کے ساتھ ہے جیسے یضربان اور یضربون اور تضربین اور جو (فعل مضارع) معتل ہو واو اور یاء کے ساتھ (اس کا اعراب) ضمہ تقدیری اور فتحہ لفظی اور حذف (نون اعرابی) کے ساتھ آتا ہے اور (مضارع) معتل بالالف (کا اعراب) ضمہ تقدیری اور فتحہ تقدیری اور حذف (نون اعرابی) کے ساتھ ہے اور فعل مضارع مرفوع ہوتا ہے جب کہ خالی ہو عامل ناصب اور جازم سے جیسے یقوم زیدٌ اور منصوب ہوتا ہے اَنْ، لن، اور اذنْ اور کيْ کے ساتھ، اور ان کے ساتھ جو مقدر ہو حتی لام کيْ اور لام جحود اور فاء اور واو اور اَوْ کے ساتھ، پس ان کی مثال جیسے أريد أن تحسن إليَّ ﴿وأن تصوموا خير لكم﴾۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) فعل مضارع کا معرب ہونا اور معرب ہونے کی وجہ۔

(۲) فعل مضارع کا اعراب۔

(۳) فعل مضارع کے عوامل۔

پہلی بات: فعل مضارع کا معرب ہونا اور معرب ہونے کی وجہ

ولا يعرب من الفعل غيره: فرماتے ہیں کہ افعال میں سے صرف فعل مضارع ہی معرب ہے دیگر سارے افعال مبنی ہیں، اور فعل مضارع کے بھی سارے صیغے مراد نہیں ہیں بلکہ کل چودہ صیغوں میں سے جمع مؤنث غائب وحاضر دونوں کو نکال کر باقی بارہ صیغے معرب ہیں، بشرطیکہ ان کے ساتھ نون تاکید ثقیلہ یا خفیفہ نہ ہو،

صاحب کافیہ نے اس بات کو بڑے ہی مختصر الفاظ میں بیان فرمایا کہ فعل مضارع معرب ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ نون جمع مؤنث اور نون تاکید نہ ہو؛ کیونکہ مذکورہ نونات اور صیغہ مضارع کا آپس میں شدت اتصال ہوتا ہے، اور اس شدت کی وجہ سے گویا کہ یہ نونات جزء کلمہ بن گئے، اب اگر اس کو معرب بنا کر اس پر اعراب جاری کیا جائے تو لازمی طور پر یا تو انہیں نونات پر اعراب جاری کرینگے یا ان کے ماقبل لام کلمہ پر، اگر لام کلمہ پر جاری کرتے ہیں تو وسط کلمہ میں اعراب کا جاری کرنا لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے، اور اگر انہیں نونات پر جاری کرینگے تو حقیقت میں تو یہ جزء کلمہ ہے نہیں لہذا ایک کلمہ کے اعراب کا دوسرے کلمے پر جاری کرنا لازم آئے گا۔

دوسری بات: فعل مضارع کا اعراب

وإعرابه رفعٌ ونصبٌ وجزمٌ: فعل مضارع کے تین اعراب ہیں رفع نصب اور جزم، اعراب کی تفصیل سے قبل ایک تمہید سمجھ لیں، وہ یہ کہ فعل مضارع یا تو صحیح ہوگا یا معتل، پھر معتل میں یا تو ناقص واوی ہوگا یا ناقص یائی ہوگا یا ناقص الفی ہوگا، دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ فعل مضارع کو تین جماعتوں میں تقسیم کرلو، پہلی جماعت میں پانچ صیغے لے لو یعنی: یضربُ تضربُ تضربُ أضربُ نضربُ، اور دوسری جماعت میں سات صیغے لے لو یعنی یضربان تضربان تضربان تضربان یضربون تضربون تضربین، اور تیسری جماعت میں دو صیغے لے لو یعنی: یضربن وتضربنَ۔

اب اس کا اعراب سنیں، عزیز طلبہ! اگر آپ کے سامنے دوسری جماعت

کے صیغے ہوں تو چاہے وہ از قبیل صحیح ہوں یا معتل کی کسی بھی قسم کے ہوں بہر صورت یہ سب صیغے حالت رفعی میں اثبات نون کے ساتھ ہونگے جیسے یضربان تضربان تضربان تضربان یضربون تضربون تضربین، وکذا یغزوان تغزوان تغزوان تغزوان یغزون تغزونَ تغزین، وکذا یرمیان ترمیان إلخ، ویرضیان ترضیان إلخ، اورحالت نصبی وجزمی دونوں میں حذف نون اعرابی کے ساتھ ہونگے جیسے لن یضربا لن تضربا لن تضربا لن تضربا لن یضربوا لن تضربوا لن تضربي، اورلم یضربا لم تضربا لم تضربا لم تضربا لم یضربوا لم تضربوا لم تضربي، وکذا في یغزوان تغزوان تغزوان تغزوان یغزون تغزونَ تغزین

اور اگر پہلی جماعت کے صیغے ہوں تو پھر دیکھیں گے کہ وہ صحیح سے ہیں یا معتل سے، اگر صحیح سے ہوں تو حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ ہوں گے اور حالت نصبی میں فتح کے ساتھ اور حالت جزم میں سکون کے ساتھ جیسے هو یضربُ، لن یضربَ، لم یضرِبْ۔

اور اگر معتل میں سے ناقص واوی یا یائی کے ہوں تو حالت رفعی میں ضمہ تقدیری کے ساتھ ہوں گے اور حالت نصبی میں فتح لفظی کے ساتھ، اور حالت جزم میں حذف لام کے ساتھ جیسے هو یدعو ویرمي ولن یدعوَ ولن یرميَ ولم یدعُ ولم یرمِ وغیرہ، اسی کو صاحب کافیہ نے والمعتل بالواو والیاء بالضمة تقدیرًا والفتحة لفظًا والحذف سے بیان فرمایا ہے۔

اور اگر ناقص الفی سے ہوں تو حالت رفعی اور نصبی دونوں میں ضمہ تقدیری

کے ساتھ ہوں گے جیسے هو يرضى ويخشى ولن يرضى ولن يخشى ولم يرضَ ولم يخشَ، صاحب کافیہ یہی فرماتے ہیں کہ والمعتل بالألف بالضمة والفتحة تقديرًا والحذف، حذف کے ساتھ والجزم اس لئے نہیں لگایا کہ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حذف لام فقط حالت جزمی میں ہی ہوتا ہے۔

تیسری بات: فعل مضارع کے عوامل

ويرتفع إذا تجرد عن الناصب والجازم: عامل رافع کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ کوئی لفظی عامل نہیں ہوتا جو ظاہری طور پر نظر آرہا ہو بلکہ فعل مضارع کا صیغہ جب ہر قسم کے نواصب اور جوازم سے خالی ہو تو وہ مرفوع ہوگا کوفیین کے ہاں تو نواصب اور جوازم سے خالی ہونا ہی اس کے مرفوع ہونے کی علامت ہوتی ہے، اور بصریین حضرات فرماتے ہیں کہ یہ اسم کی جگہ واقع ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا، اور اسم جب عوامل سے خالی ہو تو مرفوع ہوتا ہے لہذا فعل مضارع بھی ایسی جگہ مرفوع ہوگا جیسے زيدٌ يضربُ میں زيدٌ مبتداء مرفوع ہے اور يضربُ اس کے لئے خبر ہے، اور ضاربٌ کی جگہ واقع ہے اور وہ مرفوع ہوتا ہے اس لئے یہ بھی مرفوع ہوگا۔

وينتصب بأن ولن وإذن وكي: فرماتے ہیں کہ فعل مضارع کو نصب دینے والے عوامل أن لن كي إذن ہیں، یعنی جب یہ فعل مضارع پر داخل ہو جائے تو وہ منصوب پڑھا جائے گا جیسے أريدُ أن تدرسَ، ولن أعيبَ عن الدرس، وإذن تفوزَ في ميادين السباق، وأتعلّمُ كي أخدمَ الإسلامَ والمسلمين.

مذکورہ سارے نواصب میں سے قوی عامل ناصب أن ہے، لہذا جس طرح

قوی آدمی کا رعب ودبدبہ دور دور تک پھیلا رہتا ہے چاہے وہ خود وہاں موجود ہو یا نہ ہو ، بالکل ایسا ہی کلمہ اَن جو قوی قسم کا عامل ناصب ہے، یہ چاہے لفظی طور پر موجود ہو تب بھی عمل کرے گا اور جہاں لفظاً موجود نہ ہو بلکہ کسی کلمہ کے آڑ میں چھپا ہوا ہو تب بھی اپنا عمل کرے گا، چنانچہ اب صاحب کافیہ وہ مقامات بتا رہے ہیں جہاں کلمہ اَن مقدر ہو کر گویا کہ دیوار کے پیچھے سے بھی اپنا اثر دکھاتا ہے، چنانچہ نحو میر میں آپ حضرات نے ایسے کل چھ مواقع پڑھے تھے جہاں اَن مقدر ہو رہا تھا:

(۱) حتی کے بعد جیسے مررتُ حتی أدخل البلدَ۔

(۲) لام کي کے بعد جیسے أسلمتُ لأدخل الجنةَ۔

(۳) ولام الجحود یعنی لام جحد کے بعد بھی اَن مقدر ہوتا ہے، جیسے ﴿وما کان اللہ لیعذبھم وأنت فیھم﴾۔

(۴) والفاء، نحو میر میں آپ نے یہ بھی پڑھا تھا کہ والفاء التي تقع في جواب ستة أشیاء یعنی وہ فاء جو چھ چیزوں کے جواب میں واقع ہوتا ہے، اس فاء کے بعد بھی اَن مقدر ہو کر عمل کرتا ہے، مثلاً اُمر کے جواب میں جیسے زُرني فاکرمکَ، نہی کے جواب میں جیسے لاتشتمني فاضربکَ، نفی کے جواب میں جیسے ماتأتینا فتحدثنا، استفہام کے جواب میں جیسے أینَ بیتکَ فأزورکَ، تمنی کے جواب میں جیسے لیت لی مالا فأنفقَه في سبیل اللہ، عرض کے جواب میں جیسے ألا تنزل بنا فتصیبَ خیرًا۔

(۵) والواو: اور واوصرف کے بعد بھی اَن مقدر ہوگا جیسے شاعر کے اس قول میں

لا تنهَ عن خلقٍ وتأتيَ مثله
عارٌ عليک إذا فعلتَ عظيمٌ

(٦) واو: اوراَو کے بعد بھی اَن مقدر ہوتا ہے، یہ وہ اَو ہے جس کے متعلق آپ نے نحومیر میں پڑھا تھا کہ اس اَو کے بعد بھی اَن مقدر ہوگا، جو واو اِلی یا اِلا کے معنی میں ہو جیسے لألزمنک أو تعطيني حقي، أو بمعنی اِلی یا اِلا کے متعلق ایک ضروری تنبیہ آگے آنے والی ہے۔

فإنَّ مثل: یہاں سے اَن کی دو مثالیں دی ہیں جیسے أريدُ أن تُحسِنَ إلي یہ پہلی جماعت کا صیغہ ہے جس کا نصب فتح لفظی کے ساتھ ہوتا ہے، دوسری مثال ﴿وأن تصوموا خيرٌ لكم﴾ یہ دوسری جماعت کا صیغہ ہے جو کہ حالت نصبی اور جزمی میں حذف نون اِعرابی کے ساتھ ہوگا جیسے مثال مذکور میں۔

درس (۴۰)

نواصب المضارع کی تحقیق

والتي تقع بعد العِلم هي المخففة من المثقلة وليست هذه، نحو: علمتُ أن سيقوم، وأن لا يقوم، والتي تقع بعد الظنّ ففيها الوجهان، ولَن، مثل: لن أبرح، ومعناها نفي المستقبل، وإذن، إذا لم يعتمد ما بعدها على ما قبلها وكان الفعل مستقبلا، مثل: إذن تدخل الجنة، وإذا وقعت بعد الواو والفاء فالوجهان، وكي، مثل: أسلمتُ

كي أدخل الجنةَ، ومعناها السببيةُ، وحتى إذا كان مستقبلا بالنظر إلى ماقبلها بمعنى كي أو إلى، مثل: أسلمتُ حتى أدخل الجنةَ، وكنتُ سرتُ حتى أدخل البلدَ، وأسيرُ حتى تغيب الشمسُ.

ترجمہ: اور وہ اَن جو علم کے بعد واقع ہوتا ہے وہ مخففہ من المثقلہ ہوتا ہے اور یہ (اَن مصدریہ) نہیں ہوتا جیسے علمت سیقوم وأن لا یقوم، اور وہ ان جو واقع ہو ظن کے بعد تو اس میں دو وجہیں ہیں، اور لن کی مثال ﴿لن أبرح﴾، اور معنی اس کا یہ ہے کہ یہ مستقبل کی نفی کرتا ہے، اور اِذن جب اس کے مابعد نے اپنے ماقبل پر اعتماد نہ کیا ہو، اور فعل مستقبل کا ہو جیسے اِذن تدخل الجنۃ، اور جب یہ (اِذن) واو اور فاء کے بعد واقع ہو تو دو وجہیں جائز ہیں، اور کي (کی مثال) جیسے أسلمت کَي أدخلَ الجنة، اور اس کا معنی سببیت کا ہوتا ہے، اور حتی جب کہ اس کا (مدخول) اس کے ماقبل کے لحاظ سے زمانہ مستقبل میں ہو تو حتی کے یا الی کے معنی میں ہوتا ہے جیسے أسلمت حتى أدخل الجنة، وكنت سرت حتى أدخل البلد، وأسير حتى تغيب الشمس.

تشریح: آج کے درس میں پانچ حروف ناصبہ کے متعلق تحقیقات ذکر فرما رہے ہیں:

پہلا حرف: اَنْ کی تحقیق

والتي تقع بعد العلم هي المخففة من المثقلة وليست

هذه: فرماتے ہیں کہ علمَ یعلمُ یا اس کے ہم معنی یا قریب المعنی لفظ کے مادے سے

کوئی صیغہ ہو اور اس کے بعد اَنْ آجائے تو وہ اَن مصدر یہ نہیں ہوتا جو فعل مضارع کو نصب دیتا ہے بلکہ مخففہ من المثقلہ ہوتا ہے جو یقین کے لئے مفید ہے؛ کیونکہ باب علمَ یعلمُ یقین کا فائدہ دیتا ہے جیسے علمتُ أن سیقومُ، وأن لا یقوم،اور قرآن مجید میں بھی ارشاد فرمایا کہ ﴿علم أن سیکونُ منکم مرضی﴾ غرض اس جیسی کوئی مثالیں ہوں تو آپ دیکھیں گے کہ اس کے بعد فعل مضارع کا صیغہ منصوب نہیں ہوگا بلکہ علی حالہ مرفوع ہی پڑھا جائے گا۔

والتي تقع بعد الظن ففیها الوجهان: دیکھو میرے عزیز! ظنَّ یظن کے دو معنی آتے ہیں، ایک گمان کرنا، یہ عام معنی ہے، اور دوسرا یقین کے معنی میں آتا ہے، یہ خاص معنی ہے، لہذا اگر ظنَّ یظنُّ کے مادے سے کوئی صیغہ ہو اور اس کے بعد اَن مع فعل مضارع آیا ہو تو پہلے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے اس اَن کو مصدر یہ ماننا اور اس کے بعد فعل مضارع کو عمل دینا ضروری ہوگا جیسے ظننتُ أن یقومَ زیدٌ، اور اگر اس سے دوسرا معنی مراد ہو تو وہ اَن مخففہ من المثقلۃ ہوگا، لہذا اس صورت میں اَن کے بعد ضمیر شان جو اَن کا اسم ہوگا، وہ محذوف ہوگا اور بعد والا جملہ اس کے لئے خبر بنے گا۔

دوسرا حرف: لَنْ کا معنی

ولنْ مثل: لن أبرحَ: حروف ناصبہ میں سے ایک لن بھی ہے جب یہ فعل مضارع پر داخل ہو جائے تو ایک تو اس میں نفی کی تاکید پیدا کرتا ہے اور دوسرا یہ کہ اس کو مستقبل کے ساتھ خاص کر دیتا ہے جیسے ﴿فلن أبرح الأرض﴾ یعنی میں ہرگز اس زمین کو نہیں چھوڑونگا۔

تیسرا حرف: إذن کی تحقیق

إذن بھی فعل مضارع کو نصب دینے والے حروف میں سے ایک حرف ہے، اس کا ماقبل اس کے مابعد کے لئے سبب اور وسیلہ ہوا کرتا ہے، اور یہ اپنا عمل تب کرے گا جب اس میں دو شرطیں پائی جائے:

(۱) اس کا مابعد اس کے ماقبل کے لئے معمول نہ ہو ورنہ تو ایک معمول پر دو عامل داخل ہوں گے جو کہ ناجائز ہے۔

(۲) اس کے بعد جو فعل مضارع آتا ہے مستقبل کے ساتھ خاص ہو جیسے کوئی کہے أسلمتُ پھر اس کو جواب میں کہا جائے إذنْ تدخل الجنة یہاں تدخل فعل مضارع میں دونوں شرطیں پائی جاتی ہیں، کیونکہ ایک تو یہ إذن سے پہلے کسی چیز کے لئے معمول نہیں ہے، اور دوسرا یہ کہ یہ استقبال کے معنی میں ہے کیونکہ دخول جنت حال میں نہیں ہوگا بلکہ استقبال ہی میں ہوگا، لہذا جب دونوں شرطیں پائی گئیں تو إذن نے تدخل میں عمل کر کے نصب دیدیا ہے۔

وإذا وقعت بعد الواو والفاء فالوجهان: فرماتے ہیں کہ واو یا فاء عاطفہ کے بعد إذن واقع ہو جائے تو إذن کو عامل ناصب بنا کر بعد والے فعل مضارع کو منصوب پڑھنا بھی جائز ہے اور اس کو شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے مہمل بنا کر بعد والے فعل مضارع کو اپنے حال پر رکھ کر مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے، جیسے کوئی طالب علم اپنے ساتھی سے کہے کہ أنا آتیکَ غدًا، اور وہ اس کے جواب میں کہے کہ إذن أکرمکَ تو أکرمکَ کو مرفوع و منصوب دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، مرفوع پڑھنا

تو اس لئے جائز ہے کہ إذن کے مابعد یعنی أکرمک کا إذن کے ماقبل معطوف علیہ پر اعتماد پایا جاتا ہے، حالانکہ ہم نے إذن کے عامل ہونے کے لئے شرط لگائی تھی کہ اس کے ماقبل میں اس کا کوئی اور عامل نہ ہو جس پر اس کا اعتماد ہو، یہ فاء کی مثال ہوگئی، اور واو کی مثال قرآن مجید کی آیت مبارکہ ﴿وإذا لایلبسون خلافک إلا قلیلا﴾ دیکھئے یہاں إذا نے ﴿لا یلبسون﴾ میں کوئی عمل نہیں کیا ہے؛ کیونکہ اس کا اعتماد کمزور ہی صحیح لیکن ماقبل پر پایا گیا اور اس کی وجہ سے ہماری پہلی شرط نہیں پائی گئی۔

اور نصب پڑھنا اس لئے جائز ہے کہ اس کا اعتماد اگر چہ ماقبل جملہ معطوف علیہ پر ہے لیکن یہ اعتماد کمزور ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں ہوگا؛ کیونکہ ماقبل میں معطوف علیہ پورا جملہ ہے اور یہ خود بھی پورا جملہ ہے تو دونوں الگ الگ مستقل جملے ہونگے اور جملہ من حیث الجملہ کسی اور چیز کا نہ محتاج ہوتا ہے اور نہ اس کا کسی اور چیز سے کوئی تعلق ہوتا ہے، لہذا ایسی صورت میں إذن کے مابعد کا اگر چہ اس کے ماقبل پر اعتماد ہے لیکن یہ اعتماد کامل نہیں ہے، اس لئے اس اعتماد کو کالعدم سمجھ کر فعل مضارع کو منصوب پڑھ لیں گے۔

چوتھا حرف: کي کی تحقیق

کي بھی ان حروف میں سے ہے جن کے بعد أن مقدر ہو کر مابعد میں عمل کرتا ہے، یہ بھی سببیت کے لئے آتا ہے، یعنی اس کا ماقبل اس کے مابعد کے لئے سبب اور ذریعہ بنتا ہے جیسے أسلمتُ کي أدخل الجنةَ دیکھئے قبول اسلام دخول جنت کا ذریعہ ہے۔

پانچواں حرف: حتی کی تحقیق

وحتى إذا كان مستقبلا بالنظر إلى ماقبلها: حتی بھی ان کلمات میں سے ہے جن کے بعد أن مصدر یہ ناصبہ مقدر ہوتا ہے، لیکن یہ أن مقدرہ فعل مضارع کو تب نصب دے گا جب یہ فعل مضارع حکایۃً مستقبل کے معنی میں ہو، یعنی جس وقت بات ہو رہی ہو اس وقت کے اعتبار سے چاہے وہ استقبال کے معنی میں ہو یا نہ ہو صرف حتی کے ماقبل والے جملے کے اعتبار سے اس میں استقبال کا معنی پایا جا رہا ہو تو اس وقت یہ حتی کي یا إلی کے معنی میں ہوگا، یعنی حتی سے قبل جس فعل کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ یا تو حتی کے مابعد والے فعل کے لئے ہوگا یا اس تک ہوگا، اگر اس کے لئے ہو تو یہ کي کے معنی میں ہوگا، اور اس تک ہو تو یہ إلی کے معنی میں ہوگا جیسے حتی بمعنی کیٔ کی مثال أسلمت حتى أدخل الجنة، اس میں أدخل الجنة حقیقت میں مستقبل کے معنی میں ہے، اور حتی بمعنی إلی کی مثال كنت سرت حتى أدخل البلد، یعنی میں چلتا رہا یہاں تک کہ شہر میں داخل ہو گیا، دیکھئے میرے عزیز! حتى أدخل البلد حقیقت میں استقبال کے لئے نہیں ہے، کیونکہ یہ تو آج سے قبل وجود میں آچکا ہے لیکن اپنے ماقبل یعنی سرت کے اعتبار سے استقبال کے معنی میں ہے؛ کیونکہ پہلے چلنے کا عمل وجود میں آیا ہے پھر اس کے بعد دخول بلد کا عمل ہوا ہے، وأسير حتى تغيب الشمس یعنی میں چلتا رہوں گا حتی کہ سورج غروب ہو جائے، اس مثال میں حتی کا ماقبل و مابعد اگر چہ دونوں استقبال کے لئے ہیں لیکن مابعد والے میں ماقبل والے کی بنسبت استقبال کا معنی زیادہ اور حقیقی طور پر پایا جاتا ہے۔

درس (۴۱)

حتی کی مزید تحقیق

فإن أردت الحالَ تحقيقًا أو حكايةً كانت حرف ابتداءٍ فترفع، وتجب السببية، مثل: مَرِضَ حتى لا يرجونه، ومن ثم امتنعَ الرفعُ في كان سيري حتى أدخلها في الناقصة، وأسِرتَ حتى تدخلها؟ وجازَ في التامة كان سيري حتى أدخلها، وأيُّهم سارَ حتّى يدخلها؟ ولام كي مثل: أسلمتُ لأدخل الجنة، ولام الجحود لام تأكيدٍ بعد النفي لِكانَ، مثل: ﴿وما كان الله ليعذِّبهم﴾ والفاء بشرطين أحدهما السببية، والثاني أن يكون قبلها أمرٌ أو نهيٌ أو استفهامٌ أو نفي أو تمنٍّ أو عرضٌ، والواو بشرطين: الجمعية، وأن يكون قبلها مثل ذلك، وأو بشرط معنى إلى أن أو إلا أن، والعاطفة إذا كان المعطوف عليه اسمًا، ويجوز إظهار أن مع لام كي، والعاطفة، ويجب مع لا في اللام عليها،

ترجمہ: پس اگرتو (حتی کے مابعد سے) حال کا ارادہ کرے بطور تحقیق کے یا بطور حکایت کے تو یہ حرف ابتداء ہوگا، پس یہ رفع دے گا اور سببیت کا معنی واجب ہوگا جیسے مرض حتی لایرجو نہ اور اس وجہ سے ممتنع ہے رفع دینا کان سیری حتی أدخلها ناقصہ میں (جب کہ کان ناقصہ ہو)، أسرت حتی تدخلها، اور جائز ہے

تامہ میں کان سیری حتی أدخلها اورأیهم سا ر حتی ید خلها، لام کي کی مثال جیسے أسلمت لأد خل الجنة، اورلام جحد لام تاکید ہوتا ہے کان کی نفی کے بعد جیسے ﴿وما کان الله لیعذ بهم﴾ اورفاء (جس کے بعدان مقدر ہوتا ہے) مشروط ہے دوشرطوں کے ساتھ، ان میں ایک شرط یہ ہے کہ سببیت کے معنی پر دلالت کرے، اوردوسری اس فاء سے پہلے امر یا استفہام یا نفی یا تمنی یا عرض ہو، اورواو کے بعد (بھی ان مقدر ہوتا ہے) دوشرطوں کے ساتھ، پہلی شرط یہ ہے کہ وہ واؤ معیت کے معنی میں ہو (دوسری شرط یہ ہے) کہ اس واؤ سے پہلے اس کی مثل ہو (کہ مذکورہ چھ چیزوں میں سے ایک ہو) اوراو کے بعدان مقدر ہوتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ أو إلـــی أن یـــا إلا أن کے معنی میں ہواورحرف عطف (کے بعد بھی اَنْ مقدر ہوتا ہے) جب کہ معطوف علیہ اسم ہواور جائز ہے ان کو ظاہر کرنا لام کي اورحروف عاطفہ کے ساتھ، اورواجب ہے (ان کو ظاہر کرنا) لائے نفی کے ساتھ لام میں۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) تین فروعی مثالیں۔

(۲) اَن مقدرہ کے علامات۔

(۳) ایک ضروری تنبیہ۔

(۴) اَن کے مقامات اظہار وجوبا وجوازا۔

پہلی بات: تین فروعی مثالیں

فإن أردت الحالَ تحقیقًا أو حکایةً کانت حرف ابتداءٍ:

فرماتے ہیں کہ اگر حتی کے مابعد سے مراد حال ہو چاہے حقیقتاً ہو یا حکایۃً، تو ایسی صورت میں حتی ابتدائیہ کہلاتی ہے جارہ یا ناصبہ یا عاطفہ نہیں کہلاتی، یعنی یہ وہ حتی ہوگی جس سے نیا کلام شروع ہوتا ہے، آگے فرماتے ہیں فتــرفــع یعنی حتی ابتدائیہ کے بعد جو فعل مضارع ہوگا وہ منصوب نہیں ہوگا بلکہ مرفوع پڑھا جائے گا، وتجب السببية اور اس کا ماقبل مابعد کے لئے سبب بنے گا، جب یہ قاعدہ سامنے آگیا تو اب اس پر وجودی اور عدمی طور پر کچھ فروعی مثالیں پیش فرما رہے ہیں۔

پہلی مثال مرضَ حتی لایرجونه:

یعنی وہ اتنا بیمار ہوا کہ لوگوں کی اس سے امید ختم ہوگئی، دیکھئے یہاں فعل مضارع لا یرجونه سے حال مراد ہے اور ماقبل مابعد کے لئے سبب بھی ہے اس لئے لا یرجوه نہیں فرمایا بلکہ لا یرجونه مرفوع ذکر فرمایا؛ کیونکہ اس کے بعد اَن مقدر نہیں اس لئے کہ اَن وہاں مقدر مانا جاتا ہے جہاں مابعد والا فعل مضارع استقبال کے معنی میں ہو لیکن یہاں حال کے معنی میں ہے۔

دوسری مثال: كان سيري حتى أدخلها:

فرماتے ہیں کہ ومن ثم یعنی اسی (ماقبل والے قاعدہ کی) وجہ سے كان سيري حتى أدخلها میں جب کان کو فعل ناقص مانا جائے تو اس میں أدخلها کو مرفوع نہیں پڑھا جاسکتا، وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر اس کو مرفوع پڑھیں گے تو اس سے قبل حتی کو ابتدائیہ ماننا پڑھے گا اور یہ صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ حتی ابتدائیہ کا اپنے ماقبل کے ساتھ کوئی ترکیبی جوڑ نہیں ہوتا لہٰذا اب اگر آپ حضرات اس مثال کی ترکیب کریں گے تو وہ صحیح

نہیں ہوگی؛ کیونکہ کان فعل ناقص ہے اور سیري مضاف مضاف الیہ دونوں مل کر اس کا اسم ہے اب یہاں کلام ختم ہو کر حتی ابتدائیہ سے دوسرا کلام شروع ہوگا، اور اس کا ماقبل سے کوئی ربط نہیں ہوگا لہذا ماقبل (کان سیري) والے جملے میں کان فعل ناقص بغیر خبر کے رہ جائے گا، اور میرے عزیز طلبہ! افعال ناقصہ کو بغیر اسم یا خبر کے چھوڑ دینا ایسا ہے جیسے عام افعال کو بغیر فاعل یا نائب فاعل کے ذکر کرنا، اور افعال کو بغیر فاعل کے ماننا ہم مسلمانوں کا عقیدہ نہیں ہے، بلکہ یہ دہریوں کا ایک ناپاک قسم کا گندہ عقیدہ ہے۔

ایک مولانا صاحب کا دلچسپ واقعہ

عزیز طلبہ! آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ ایک مرتبہ دہریوں کے ایک پیشوا کا ہمارے ایک مولانا صاحب سے ملاقات ہوئی، اُس نے کہا کہ ہمارا دعوی اور عقیدہ ہے کہ یہ پوری کائنات اور یہ پورا کارخانہ خود بخود وجود میں آیا ہے اور خود بخود بغیر کسی کے چلانے کے چل رہا ہے، لیکن عزیز طلبہ! آپ سب جانتے ہیں کہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ خالق کائنات نے پیدا فرمایا ہے اور کیوں ایسا نہ ہو کہ ہم سب جانتے ہیں کہ یہاں کوئی معمولی حرکت بھی بغیر اس کے محرک کے نہیں ہو سکتی اور کوئی معمولی سے معمولی کام بھی اس کے فاعل کے بغیر نہیں ہو سکتا، آپ حضرات نے ہدایۃ النحو میں ایک قاعدہ پڑھا تھا کہ وکلُّ فعلٍ لا بدَّ له من فاعلٍ، یعنی ہر فعل کے لئے اس کے فاعل کا ہونا ضروری ہے، تو لازمی بات ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنی والی اور اس کو چلانے والی بھی کوئی ذات ہوگی، اور وہ اللہ تعالی جل شانہ کی ذات ہے، مولانا صاحب چونکہ بڑے ذہین اور عقلمند انسان تھے فرمانے لگے جناب! یہاں

ہماری کیا بات ہوگی کل دو پہر کو فلاں میدان میں آپ اور آپ کے ساتھ سب دہری لوگ، اور ہم اور ہمارے سب مسلمان بھائی جمع ہو جائینگے اور اوپر اسٹیج پر بیٹھکر ان کے سامنے مناظرہ کریں گے، چنانچہ وقت اور جگہ کی تعیین ہوگئی وقت موعود پر سب مسلمان اور سب دہری اور دہریوں کا پیشوا پہنچ گئے ہیں لیکن مولانا صاحب کے آنے میں کچھ دیر لگی، سارے مسلمان انتظار میں ہیں اور دہری پیشوا اور ان کے متبعین خوشی کے مارے بغلیں اور تالیاں بجا رہے ہیں کہ مولانا صاحب ڈر کی وجہ سے نہیں آسکتے، کچھ دیر کے بعد دیکھا تو مولانا صاحب تشریف لا رہے ہیں سارے مسلمان بڑے خوش ہوئے اور بزبان حال کہہ رہے تھے:

لارے جارو کڑي په دے لار مجاهد زوان رازی
زمونگ إمام رازی---ورته وس ټنګ شي

جیسے ہی پہنچے اسٹیج پر تشریف لے گئے، دہری نے تاخیر کی وجہ پوچھی، مولانا صاحب فرمانے لگے کہ غریبوں کا کیا پوچھنا ہے، بات دراصل یہ ہوئی کہ میں سمندر کے اس پار رہتا ہوں یہاں آنا جانا ہو تو کشتی ہی کے ذریعے سے آتے ہیں لیکن آج جیسے ہی میں سمندر کے کنارے پر آیا تو کوئی کشتی نظر نہیں آئی، کافی دیر کھڑا رہا، بالآخر سمندر کے کنارے ایک درخت تھا وہ خود بخود گرا، پھر اس کے خود بخود تختے بنے، پھر تختوں سے خود بخود کشتی بنی، وہ میرے قریب آگئی، میں اس میں سوار ہوا وہ خود بخود چل پڑی یہاں تک کہ مجھے سمندر پار لگا دیا۔

دہری پیشوا نے یہ کہانی سنی تو کہنے لگے کہ بھائی! میں تو سمجھ رہا تھا کہ مسلمانوں کے ایک بڑے پیشوا اور امام سے میرا مناظرہ ہے وہ تو اب پتہ چلا کہ میں کسی

پاگل اور مجنون سے باتیں کررہا ہوں، یہ کیسے ممکن ہے کہ درخت خود بخود گر جائے پھر اس کے تختے بن جائے، اور پھر اس کی کشتی بن کر سمندر میں خود بخود چلنے لگ جائے، مولانا صاحب نے پوچھا کہ اس میں کیا تعجب کی بات ہے کیا ایسا ممکن نہیں ہے، اس نے جواب دیا کہ نہیں جی ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا، مولانا صاحب فرمانے لگے کہ جناب! اگر یہ معمولی سا کام خود بخود نہیں ہوسکتا، تو یہ پوری کائنات خود بخود کیسی بنی، اور کیسے خود بخود چل رہی ہے، یہ کہنا تھا کہ اللہ تعالی کے مبارک نام کی صدائیں گونجنے لگیں اور بے شمار قسم کے دہری سربسجود ہوکر اور کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔

عرض میرے عزیز طلبہ! اگر حتی کو ابتدائیہ مانیں گے تو کان فعل ناقص بغیر خبر کے رہ جائے گا، اس لئے حتی ابتدائیہ نہیں ہوگا، بلکہ ان کے بعد اُن مقدرہ مان کر بعد والے فعل مضارع کو منصوب پڑھیں گے جیسے کان سیری حتی أدخلها، اس کے آخر میں في الناقصة کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر کان تامہ ہو تو ایسی صورت میں حتی کو ابتدائیہ مانا جاسکتا ہے؛ کیونکہ کان تامہ اپنے فاعل پر تمام ہوکر آگے کسی اور چیز کی اس کو ضرورت نہیں ہوتی، لہذا حتی کو ابتدائیہ مان کر اس کے بعد فعل مضارع مرفوع ہوگا، اسی کو صاحب کافیہ نے بیان فرمایا ہے کہ وجاز في التامة کان سیري حتی أدخلها۔

تیسری مثال: أسرتَ حتی تدخل البلد؟

اس مثال میں بھی حتی ابتدائیہ نہیں ہوسکتا کیونکہ ابھی ہم نے پڑھا کہ حتی ابتدائیہ کا ماقبل مابعد کے لئے سبب ہوتا ہے جبکہ یہاں سبب ماننا مشکل ہوگا، کیونکہ اس

پر ہمزہ استفہام داخل ہے، جس کی وجہ سے شک کا معنی پیدا ہو جائے گا اور جب سیر میں شک ہے تو اس پر دخول بلد کا یقینی حکم کیسے مرتب ہوگا، لہذا معلوم ہوا کہ یہ حتی ابتدائیہ نہیں ہے جس کے بعد ہم فعل مضارع کو مرفوع پڑھیں بلکہ حتی کے بعد أن مقدر مانا جائے گا جس کی وجہ سے فعل مضارع منصوب پڑھا جائے گا، لیکن **وأيهم سار حتى يدخلها؟** فرماتے ہیں کہ اس مثال میں حتی ابتدائیہ ہے جس کے بعد أن مقدر نہیں ہوسکتا، لہذا بعد والا فعل مضارع مرفوع ہوگا۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ **أيهم** بھی اگرچہ استفہام کے لئے ہے لیکن یہ وہ استفہام نہیں ہے جس کی وجہ سے سیر جو سبب ہے اس میں شک پڑھ جائے بلکہ اس میں یہ بات تو یقینی ہے کہ سیر ہوا ہے لیکن صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ سیر کس نے کیا ہے، اور پھر بلد میں داخل ہوا ہے۔

دوسری بات: أن کے مقامات مقدرہ

ولام كي: أن کے مقدر ماننے کا ایک اور مقام بتا رہے ہیں کہ لام كي کے بعد بھی أن مقدر ہوگا، جیسے **أسلمت لأدخل الجنة أي: لأن أدخل الجنة،**

میرے عزیز! اس میں دو باتیں سمجھ لیں:

(۱) اس لام کو لام كي اس لئے کہتے ہیں کہ یہ كي کے معنی میں ہوتا ہے، یعنی اس کے ماقبل والے فعل کو اس کے مابعد کے واسطے کیا جاتا ہے۔

(۲) اس لام کے بعد أن اس لئے مقدر مانا جاتا ہے کہ لام حروف جارہ میں سے ہے اور حروف جارہ اسم پر تو داخل ہوتے ہیں لیکن فعل پر کبھی داخل نہیں

ہوتے، اس لئے ہم اس کے بعد اُن مقدر مان کر فعل مضارع کو بتاویل مصدر بنادیں گے تاکہ حرف جر کا اس پر داخل ہونا صحیح ہو جائے۔

ولام الجحود: فرماتے ہیں کہ لام جحد کے بعد بھی اُن مقدر ہوگا، لام جحد کونسا لام ہے تو اس کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ **لام تاکید بعد النفي لکان** یعنی یہ وہ لام ہے جو کان منفیہ کے بعد تاکید کے لئے اس کی خبر پر داخل ہوتا ہے جیسے ﴿**وما کان الله لیعذبهم**﴾ یہاں بھی اُن مقدر ماننے کی وجہ وہی ہے جو لام کي میں گذر گئی۔

والفاء: فرماتے ہیں کہ فاء کے بعد بھی اُن مقدر ہو کر مابعد والے فعل مضارع کو نصب دے گا لیکن ہر فاء کے بعد نہیں بلکہ وہ فاء جس میں دو شرطیں پائی جائے: **أحدهما السببية** ایک شرط یہ ہے کہ اس کا ماقبل مابعد کے لئے سبب بن رہا ہو، **والثاني أن یکون قبلها أمرٌ....:** دوسری شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے چھ چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور واقع ہو اور یہ فاء ان کے جواب پر داخل ہو وہ چھ چیزیں مثالوں سمیت یہ ہیں:

(۱) **أمرٌ** جیسے **زرني فأکرمک، أي: زرني فأن أکرمک۔**

(۲) **نهيٌ** جیسے ﴿**ولا تطغوا فیحل علیکم غضبي**﴾ **أي: فأن یحل علیکم غضبي۔**

(۳) **استفهام** جیسے **هل عندکم ماءٌ فأشربَه، أي: فأن أشربه۔**

(۴) **نفيٌ:** جیسے ﴿**لا یقضی علیهم فیموتوا**﴾ **أي: لا یقضی علیهم فأن یموتوا۔**

(۵) تمنٍّ جیسے ﴿یالیتني کنتُ معهم فأفوز فوزًا عظیمًا﴾ أي: فأن أفوز فوزًا عظیما۔

(۶) عرضٌ جیسے ألا تنزل بنا فتصیب خیرًا، أي: فأن تصیب خیرا۔

والواو بشرطین: أن کے مقدر ماننے کے لئے ایک اور مقام بتارہے ہیں اور وہ ہے واو، لیکن واو بھی ہر واو نہیں بلکہ وہ واو جس میں دو شرطیں پائی جائیں:

(۱) الجمعیة: یعنی وہ واو اپنے ماقبل اور مابعد کو ایک زمانے میں جمع کرنے کے لئے ہو جیسے لا تأکل السمک وتشرب اللبن، أي: وأن تشرب اللبن۔

(۲) دوسری شرط وہی ہے جو ماقبل فاء میں گذری، یعنی چھ چیزوں میں سے کوئی ایک ان سے پہلے واقع ہو اور یہی واو ان کے جواب پر داخل ہو، اس کی مثالیں وہی سمجھ لو جو فاء میں گذر گئی ہیں بس صرف فاء کے بجائے واو لگادیں۔

وأو: یہ ایک اور مقام ہے جہاں أن کو مقدر مان کر اس کے بعد والے فعل مضارع کو منصوب پڑھا جائے گا جیسے لألزمنک أو تعطیني حقي لیکن ہر أو کے بعد أن مقدر نہیں ہوگا بلکہ اس أو کے بعد ہوگا جس میں ایک شرط پائی جائے جس کو صاحب کافیہ نے بیان کیا ہے کہ بشرط معنی إلی أن أو إلا أن یعنی وہ أو اگر إلی أن یا إلا أن کے معنی میں ہو تو اس کے بعد أن مقدر ہوگا، یعنی جمہور علماء نحو کے ہاں إلی أن کے معنی میں ہو اور امام سیبویہ کے ہاں إلا أن کے معنی میں ہو۔

تیسری بات: ایک ضروری تنبیہ

عزیز طلبہ! آپ حضرات درجہ اولی سے یہ بات پڑھکر آرہے ہو کہ یہ أو إلی أن یا إلا أن کے معنی میں ہو، حالانکہ صحیح تر بات یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے کہ یہ أو یا تو إلـــی کے معنی میں ہوگا جیسے جمہور کا قول ہے، یا إلا کے معنی میں ہوگا جیسا کہ امام سیبویہ کا قول ہے، اگر اس کو إلـی أن یـا إلا أن کے معنی میں لیں گے تو جب تقدیری عبارت نکالیں گے تو اس وقت أن کا تکرار لازم آئے گا مثلاً لألـزمنک أو تُعطیني حقي اس میں کلمہ أو کو آپ نے إلـــی أن یـا إلا أن کے معنی میں لیا ہے، لہذا اب عبارت بنے گی لألـزمـنّک إلی أن تعطیني حقي پھر آپ نے کہا کہ اس إلی أن یـــا إلا أن کے بعد أن مقدر ہوگا اب اگر تقدیری عبارت نکالیں گے تو اس طرح ہوگی لألزمنّک إلی أن أن تعطیني حقي اور یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس کو صرف إلی یا إلا کے معنی میں لے لیں گے۔

والـعـاطـفـة إذا کان المعطوف علیه اسمًا: فرماتے ہیں کہ کسی کلام میں فعل مضارع کا عطف اسم پر پڑ رہا ہو تو حرف عطف کے بعد أن کا مقدر ماننا ضروری ہے تا کہ فعل مضارع بتاویل مصدر کے ہوکر ماقبل اسم پر اس کا عطف صحیح ہوسکے ورنہ بصورت دیگر فعل کا عطف اسم پر اور جملے کا عطف مفرد پر لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے، جیسے مثال مطابقی أعـجـبـنـي ضـربـک زیدًا وتشتمَ أو فتشتمَ أو ثم تشتمَ، وأعجبني قیامُک وتخرُجَ وغیرہ۔

چوتھی بات: اَن کے مقامات اِظہار وجوبًا وجوازًا

ویجوز إظهار أن مع لام كي والعاطفة: صاحب کافیہ ماقبل میں وہ مقامات بتارہے تھے جن میں اَن مقدر ہوکر مابعد والے فعل مضارع کو نصب دیتے تھے اب انہیں مقامات میں سے ایسے بعض مقامات بتارہے ہیں جن میں اَن کو ظاہر کرنا یا تو صرف جائز ہے یا صرف جائز نہیں بلکہ واجب ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ لام کي اور حرف عطف (جو بظاہر فعل کا عطف اسم پر ڈال رہا ہو) کے بعد اَن کا ظاہر کرنا جائز ہے جیسے أتعلم لأن أخدمَ الإسلامَ والمسلمينَ، اور أعجبني ضربک زيدًا وأن تشتِمَ۔

ويجب مع لا في اللام عليها: جب لام کَي لائے نافیہ پر داخل ہو تو وہاں ان دونوں کے درمیان اَن کا ظاہر کرنا واجب ہوگا، تاکہ دولامات کا جمع ہونا لازم نہ آئے جیسے ﴿لئلا يعلم أهل الكتاب﴾۔

درس (۴۲)

جوازم المضارع کا بیان

وينجزم بلم ولمَّا ولام الأمر ولا في النهي، وكلم المجازاة، وهي إن ومهما وإذا ما وإذما وحيثما وأين ومتى وما ومَن وأيٌّ وأنّى وأمّا مع كيفما وإذا فشاذٌّ، وبإن مقدرةً، فلم لقلب المضارع ماضيًا ونفيه ولـمَّا مثلها، وتختصُّ بالاستغراق، وجواز حذف الفعل ولام

الأمر المطلوب بها الفعل وهي مكسورةٌ أبدًا، ولا النهي المطلوب بها الترك.

ترجمہ: اور (فعل مضارع) مجزوم ہوتا ہے لم اور لما لام امر اور لائے نہیں اور کلم مجازات کے بعد اور وہ یہ ہیں: إن، مهما، إذ، إما، حيثما، أين، متى، ما، من، أيٌّ، أنى، اور بہر حال کیفما اور اذا کے ساتھ فعل مضارع کا مجزوم ہونا شاذ ہے اور ان مقدرہ کی وجہ سے (فعل مضارع مجزوم ہوتا ہے) پس لم مضارع کو بدلنے کے لئے آتا ہے ماضی منفی کے معنی میں اور لما میں بھی اسی کی مثل ہے، اور (لما) خاص ہوتا ہے استغراق کے ساتھ، اور (لما کے) فعل کو حذف کرنا جائز ہوتا ہے، اور لام امر مطلوب ہوتا ہے اس کے واسطے سے فعل، اور لام امر ہمیشہ مکسور ہوتا ہے، اور لائے نہی مطلوب ہوتا ہے اس کے ساتھ ترک فعل۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) جوازم المضارع اور کلم المجازات کا اجمالی ذکر۔

(۲) کیفما اور إذا کی تحقیق۔

(۳) لم اور لما میں فرق۔

(۴) لام امر اور لائے نہی کے معنی۔

پہلی بات: جوازم المضارع اور کلم المجازات کا اجمالی ذکر

نواصب مضارع کے بعد جوازم مضارع کو بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ ایسے جوازم جو ہمارے سامنے آئے گی ان کی تعداد کل پندرہ ہیں: إنْ، لَمْ، لَمّا، لام أمر،

لام نهي، اورکلم المجازات جیسے إن یضربُ، لم یضربُ، لِیضربُ، ولا یضرِبُ، ولما یضربُ، ان کی علاوہ کلم المجازاۃ یعنی کلمات شرطیہ بھی فعل مضارع کو جزم دیتے ہیں اور کلمات شرطیہ یہ ہیں إنْ، مهما، إذاما، إذما، حیثما، أین، متی، ما، من، أيّ، أنّی، ان میں سے جو اصل ہے اور شرط و جزاء کے لئے استعمال ہوتا ہے وہ اِنْ ہے، اس کے علاوہ باقی کلمات اگر چہ اپنے اصل کے اعتبار سے جازمہ نہیں ہیں لیکن ان سب میں اِن شرطیہ والا معنی پایا جاتا ہے، یعنی ایک تو یہ ان کی طرح شرط کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور دوسرا یہ کہ یہ سب بھی اِن کی طرح شک کے لئے آتے ہیں، یقین کے لئے نہیں آتے، اس لئے یہ بھی جازمہ شمار ہوتے ہیں باقی کلم المجازات کے متعلق چند باتیں ذہن نشین فرمالیں:

(۱) کَلِمٌ کلمةٌ کی جمع ہے یہاں چونکہ ایسے کلمات دو سے زیادہ تھے اس لئے ان کے لئے جمع کا لفظ استعمال فرمایا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ ان کو کَلِمٌ کہا اسم، فعل، حرف میں سے کسی ایک کی تعیین کر کے ان کو اس سے معنون نہیں کیا، یہ اس لئے کہ ان میں سے بعض حروف شرطیہ ہیں، اور بعض اسماء شرطیہ ہیں، لہذا اگر ایک کو متعین کر کے ان کا نام رکھدیتے تو ان کی صحیح ترجمانی نہ ہوتی بلکہ ایک قسم ضرور خارج ہو جاتی، لہذا صاحب کافیہ نے کلمٌ کا لفظ استعمال فرمایا تا کہ اسم فعل اور حرف میں سے ہر ایک پر بولا جاسکے۔

(۳) المجازاۃ: یہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے مذکورہ کلمات کو مجازاۃ کا نام اس لئے دیا کہ یہ دو جملوں پر داخل ہوتے ہیں پہلے جملے کو شرط اور دوسرے کو جزاء کہتے

ہیں، اور پہلا جملہ دوسرے والے کے لئے سبب بنتا ہے۔

دوسری بات: کیفما اور إذا کی تحقیق

وأما کیفما وإذا فشاذٌ: فرماتے ہیں کہ کیفما اور إذا کے ذریعے فعل مضارع کو جزم دینا شاذ ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ لفظ کیفما عام أحوال کے لئے وضع کیا گیا ہے لہذا اگر یوں کہا جائے کیفما تقرأ أقرأ، اور مراد اس سے شرط اور جزاء لئے جائے تو معنی یہ ہوگا کہ جس حال اور جس کیفیت اور ولولہ کے ساتھ آپ پڑھو گے انہیں کیفیات حالات اور جذبات کے ساتھ میں بھی پڑھونگا، تو یہ صحیح اس لئے نہیں ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ دو بندے بیک وقت ایک ہی کیفیت ایک ہی حالت اور ایک ہی جذبہ کے ساتھ تلاوت کریں، بلکہ ضرور کہیں نہ کہیں فرق نکل آئے گا، تو معلوم ہوا کہ یہ کلمات شرطیہ میں نہیں ہے جبکہ یہ کلمات تو شرط ہی کی وجہ سے عمل کررہے تھے، لہذا جب شرط کا معنی فوت ہوگیا تو اس کا عمل بھی نہیں رہا۔

اور إذا کے ذریعے سے بھی فعل مضارع کو عمل دینا شاذ ہے جبکہ دیگر کلمات شرط اس لئے جزم دیتے ہیں کہ ان کی مشابہت ہوتی ہے إنْ شرطیہ کے ساتھ، وہ اس طرح کہ إنْ بھی شک کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ماقبل والے کلمات شرط بھی اسی طرح شک کے لئے استعمال ہوتے ہیں لیکن کلمہ إذا یقین کے لئے استعمال ہوتا ہے، لہذا ان کی مشابہت ان کے ساتھ نہ رہی، اس لئے یہ فعل مضارع کو جزم نہیں دے سکے گا۔

وبیان مقدرةً: جیسا کہ ماقبل میں بتایا گیا ہے کہ جوازم میں اصل جازم إنْ شرطیہ ہے، لہذا چاہے یہ ملفوظ ہو یا مقدر ہر دو حالتوں میں اپنا عمل کرے گا۔

بھائی یہاں تک تو جوازم کا اجمالا ذکر ہوا، اب صاحب کافیہ ہر ایک کی تفصیل بیان فرمائینگے:

تیسری بات: لم اور لما میں فرق

فلم لقلب المضارع ماضيًا ونفيه ولما مثلها، وتختصُّ بالاستغراق، وجواز حذف الفعل: فرماتے ہیں کہ لم اور لما دونوں فعل مضارع پر داخل ہوکر اسے ماضی منفی کے معنی میں کر دیتے ہیں جیسے **لم يحضُر زيدٌ ولما يحضر**، البتہ ان دونوں میں چار طرح سے فرق پایا جاتا ہے:

(۱) **لما** نفی استغراق کے لئے آتا ہے جیسے **لما أضرب** یعنی میں نے ابھی تک نہیں مارا، اور لم مطلق نفی کے لئے آتا ہے جیسے **لم أضرب** میں نے نہیں مارا۔

(۲) لما کے بعد فعل کا حذف کرنا جائز ہے اور لم کے بعد فعل کا حذف کرنا جائز نہیں جیسے **شارفت المدينة ولما** کہنا درست ہے لیکن **شارفت المدينة ولم** کہنا درست نہیں ہے۔

(۳) لم کے اوپر ادوات شرط کا داخل کرنا جائز ہے جبکہ لما پر داخل کرنا جائز نہیں ہے جیسے **من لم يشكر الناس لم يشكر الله**، کہنا درست ہے لیکن **من لما يشكر الناس** کہنا درست نہیں ہے۔

(۴) **لما** کے بعد اکثر فعل متوقع ہوتا ہے یعنی جو ابھی تک ہوا نہ ہو، لیکن ہونے کی امید ہو جیسے **قدم الأمير ولما يركب**، اور لم میں اس طرح نہیں ہوتا۔

(تقریر کافیہ ۲/۱۲۸)۔

چوتھی بات: لام امر ولائے نہی کے معنی

ولام الأمر المطلوب بها الفعل: فرماتے ہیں کہ لام امر جوازم میں سے ہے اس کو فعل مضارع کے صیغے پر داخل کرنے سے معنی یہ ہوگا کہ متکلم کا کسی سے کوئی کام طلب کرنا جیسے لِیکتُبْ چاہئے کہ لکھے وہ ایک مرد۔

وهي مكسورة أبدًا: فرماتے ہیں کہ لام امر ہمیشہ کے لئے مکسور ہی ہوگا، یہ اس لئے ضروری قرار دیا تاکہ بعض صیغوں کے شروع میں جو لام تاکید یہ ابتدائیہ داخل ہوتی ہے اس کے ساتھ اس کا التباس نہ ہو، مثلاً لَیــــضــــربُ کا التباس نہ ہو لِیضربْ کے ساتھ۔

ولا النهي المطلوب بها لها: لائے ناہیہ بھی کلمات جازمہ میں سے ہے، جب یہ فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اس کا معنی بنتا ہے متکلم کا کسی کو کسی کام سے روکنا اور منع کرنا جیسے **لا تلعب وقتَ دراستک**۔

درس (۴۳)

کلم المجازاۃ کی تفصیل

وكلمُ المجازاة تدخل على الفعلين لسببية الأول ومسببية الثاني، ويسمَّيان شرطًا وجزاءً، فإن كانا مُضارعَين أو الأول فالجزم، وإن كان الثاني فالوجهان، وإذا كان الجزاء ماضيًا بغير قد لفظًا أو معنًى لم يجزِ الفاء، وإن كان مضارعًا مُثبتًا أو منفيًا بلا فالوجهان، وإلا

فالفاء.

ترجمہ: اور کلم مجازات (کلمات شرط اور جزاء) داخل ہوتے ہیں دو فعلوں پر، بوجہ پہلے کے سبب ہونے کے اور دوسرے کے مسبب ہونے کے، ان کا نام شرط اور جزاء رکھا جاتا ہے اگر دونوں فعل مضارع ہوں یا پہلا (فعل مضارع ہو)، پس جزم (واجب) ہے، اور اگر دوسرا (فعل مضارع ہو) تو دو وجہیں جائز ہیں، اور جب جزاء ماضی ہو بغیر قد کے لفظاً یا معناً تو فاء جائز نہیں اور اگر مضارع مثبت ہو یا منفی ہو لا کے ساتھ تو دو صورتیں ہیں وگرنہ تو فاء واجب ہے۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) کلم المجازاۃ اور ان کے معمول۔

(۲) کلم المجازاۃ میں شرط اور جزاء کی چار صورتیں۔

(۳) جزاء پر فاء داخل کرنے کا بیان۔

پہلی بات: کلم المجازاۃ اور ان کے معمول

وکلم المجازاۃ تدخل علی الفعلین لسببیۃ الأول ومسببیۃ الثاني: یہ بات ماقبل میں گذر گئی ہے فرماتے ہیں کہ حروف شرطیہ اور اسماء شرطیہ دو جملوں پر داخل ہوتے ہیں، یہ اس لئے تاکہ پہلا جملہ سبب بنے اور ثانی مسبب، اور ان سے پہلے والے کو شرط اور دوسرے والے کو جزاء کہتے ہیں جیسے إنْ تُكرِمْ أُكرِمْ۔

دوسری بات: کلم المجازاۃ میں شرط اور جزاء کی چار صورتیں

(۱/۲) **فإن کانا مضارعین أو الأول فالجزم**: یعنی اگر شرط اور جزاء یا تو

دونوں فعل مضارع ہو یا صرف شرط فعل مضارع ہو تو پہلی صورت میں شرط اور جزاء دونوں کو اور دوسری صورت میں صرف شرط کو مجزوم کرنا واجب ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ دونوں جگہ فعل مضارع ہیں جو کہ معرب ہے اور اس سے پہلے حرف جازم بھی موجود ہے اور اس کے عمل سے کوئی مانع بھی نہیں ہے اس لئے دونوں جگہ یہ مجزوم ہوں گے جیسے إنْ تـزرني أزرک، اور إنْ تـضـربْ ضربتُ۔

(۳) وإن كـان الشـاني فالوجهان: اگر شرط اور جزاء دونوں میں سے صرف فعل مضارع ہو تو اس کو مرفوع اور مجزوم دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، مرفوع پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ حرف شرط اس میں عمل نہیں کرے گا، اور عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عامل اور اس کے معمول کے درمیان میں اجنبی کا فصل آ گیا، یا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو فعل حرف شرط کے ساتھ متصل ہے جب اس میں عمل نہیں کیا تو فعل مضارع جو منفصل ہے اس میں بدرجہ اولی عمل نہیں کر سکے گا جیسے إنْ ضربتُ أضربُ۔

اور مجزوم پڑھنا بھی جائز ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ فعل مضارع معرب ہے، اور جوازم میں سے ایک جازم بھی ہمارے پاس موجود ہے اور عمل کرنے سے کوئی مانع وجوبی بھی نہیں پایا جاتا، لہذا اس کو مجزوم پڑھنا بھی جائز ہے جیسے إنْ ضربتَ أضربْ۔

(۴) چوتھی صورت جو صاحب کافیہ نے ذکر نہیں کی لیکن ہدایۃ النحو میں آپ لوگوں نے پڑھی ہے کہ شرط اور جزاء دونوں اگر فعل ماضی ہوں تو اس صورت میں

حرف جازم لفظی طور پر کوئی عمل نہیں کرے گا کیونکہ وہ دونوں مبنی ہیں، البتہ معنوی عمل یہ ہوگا کہ دونوں کو مستقبل کے معنی میں کردے گا جیسے إنْ ضربتَ ضربتُ۔

تیسری بات: جزاء پر فاء داخل کرنے کا بیان

دیکھو میرے بھائی! آپ نے یقیناً دیکھا ہوگا کہ بسا اوقات جزاء پر فاء داخل ہوتی ہے اور بسا اوقات داخل نہیں بھی ہوتی، تو کیا اس کو ہر طالب علم کے اپنے ہی اختیار پر چھوڑا ہے یا اس کے لئے کوئی قاعدہ اور قانون بھی ہے؟ تو صاحب کافیہ قدس اللہ سرہ نے یہاں کل پانچ صورتیں پیش فرمائی ہیں، ان میں سے پہلی دو صورتوں میں جزاء پر فاء کا داخل کرنا سرے سے منع ہے، اور اس کے بعد والی دو صورتوں میں اختیار ہے، اور ان چار صورتوں کے علاوہ باقی جو بھی کوئی صورت ہو تو اس میں فاء کا داخل کرنا واجب ہے، اب ان کی تفصیل سنئے:

(۱) **وإذا كان الجزاء ماضيًا بغير قد لفظًا:** فرماتے ہیں کہ جب جزاء لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے ماضی کا صیغہ ہو اور اس پر قد داخل نہ ہو تو اس پر فاء کا داخل کرنا ممنوع ہے جیسے إن تكرمني أكرمتكَ۔

(۲) **أو معنًى:** دوسری صورت یہ ہے کہ جزاء اگرچہ لفظی اعتبار سے مضارع کا صیغہ ہو لیکن معنوی اعتبار سے ماضی کا صیغہ ہو یعنی فعل مضارع پر لم جازمہ داخل ہو اور اس کے شروع میں قد نہ ہو تو اس پر بھی فاء کا داخل کرنا ممنوع ہے جیسے إنْ خرجتَ لم أخرُجْ۔

ان موقعوں میں فاء جزائیہ کا لانا اس لئے ناجائز قرار دیا کہ فاء جزائیہ شرط اور جزاء کے درمیان ربط پیدا کرنے کے لئے لائی جاتی ہے، لہذا جہاں ربط کی ضرورت ہوگی وہاں تو لائی جائیگی لیکن جہاں پہلے سے ربط موجود ہو وہاں اس کی ضرورت نہیں ہوگی، اور ماضی بغیر قد میں بھی ربط پہلے سے موجود ہوتا ہے، وہ اس طرح کہ حرف شرط ماضی کے اس صیغے میں معنوی طور پر ایسا قوی اثر کر لیتا ہے کہ ماضی سے اس کو مضارع کے معنی میں کر لیتا ہے، جب شرط اور جزاء میں اس طرح معنوی ربط پیدا ہو گیا تو لفظی ربط کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔

(۴/۳) **وإن كان مضارعًا مثبتًا أو منفيًا بلا:** اگر جزاء یا تو مضارع مثبت کا صیغہ ہو یا مضارع منفی کا صیغہ ہو یعنی اس کے شروع میں لائے نافیہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں اختیار ہے جیسے مضارع مثبت کی مثال: ﴿**إن يكن منكم ألف يغلبوا ألفين بإذن الله**﴾ اور دخول فاء کی مثال: ﴿**ومن عاد فينتقم الله منه**﴾، اور مضارع منفی کی مثال: ﴿**إن تدعوهم لا يسمعوا دعاء كم**﴾ اور دخول فاء کی مثال: ﴿**فمن يؤمن بربه فلا يخاف بخسًا ولا رهقًا**﴾۔

فاء کا لانا تو اس لئے جائز ہے کہ حرف شرط ایسے مضارع میں ایسا اثر نہیں کر سکتا جیسا کہ ماضی بغیر قد میں کیا تھا، لہذا جب علت یعنی تاثیر نہیں رہی تو معلول یعنی عدم دخول فاء علی الجزاء بھی نہیں رہے گا، اور فاء کا نہ لانا اس لئے جائز ہے کہ ایسا مضارع حرف شرط کیوجہ سے زمانہ استقبال کے ساتھ خاص ہو جائے گا جبکہ اس سے قبل اس میں دونوں زمانے پائے جاتے تھے، لہذا اگرچہ پوری

تاثیر تو نہیں پائی گئی لیکن کچھ نہ کچھ تو ضرور پائی گئی اس لئے فاء کا نہ لانا بھی جائز ہے، اور اگر نفس تاثیر کو دیکھے تو فاء کا نہ لانا جائز ہوا۔

ساری صورتوں کا خلاصہ یہ ہوگا کہ جہاں حرف شرط جزاء پر بالکل ہی اثر نہ کرے وہاں فاء کا لانا واجب ہے جیسے پہلی چار صورتیں بیان ہوئی، اور جہاں کچھ اثر کرے اور کچھ نہ کرے وہاں فاء لانے اور نہ لانے میں اختیار ہے اور جہاں پوری اثر کرے وہاں نہ لانا ہی واجب ہے اور تاثیر کا معنی جیسا کہ آپ نے پڑھا یہ ہے کہ حرف شرط جزاء والے فعل کو مستقبل کے معنی میں کردے۔

(۵) **وإلا فالفاء**: اور اگر ماقبل کی چار صورتوں کے علاوہ کوئی صورت ہو تو اس وقت جزاء پر فاء کا داخل کرنا واجب ہوگا مثلاً پہلی صورت کا عکس نکالو کہ جزاء ماضی قد کے ساتھ ہو تو واجب جیسے ﴿إن یسرق فقد سرق أخ له من قبل﴾ اس میں سرق فعل ماضی جزاء واقع ہے اور اس پر قد حرف تحقیق داخل ہے اس لئے اس پر فاء داخل کر کے **فقد سرق** فرمایا۔

یہاں فاء کا لانا اس لئے واجب ہ یکہ ماضی پر قد داخل ہو کر اس کو ماضی قریب کے معنی میں پکا کر لیتا ہے، لہذا ایسے ماضی پر حرف شرط کا کوئی ایسا اثر نہیں ہوسکتا جو دونوں کو رابطہ سے مستغنی کودے اس لئے رابطہ (فاء) کا لانا واجب ہوگا۔

اسی طرح اگر جزاء جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ ہو لیکن انشائیہ ہو یا مضارع پر سین یا سوف داخل ہو تو بھی فاء کا داخل کرنا واجب ہوگا جیسے جملہ اسمیہ کی مثال ﴿إن یمسسک بخیر فهو علی کل شيءٍ قدیر﴾، انشائیہ کی مثال: إن تکرمني فأکرمک الله، اور مضارع منفی بما کی مثال: إن لم یضربک أحدٌ فما

تضربه، اور مضارع منفی بلن کی مثال: ﴿وما يفعلوا من خير فلن يكفروه﴾ اور سوف کی مثال: ﴿ومن يقاتل في سبيل الله فيقتل أويغلب فسوف نؤتيه أجرًا عظيما﴾۔ (تقریر کافیہ بتغییر یسیر)۔

درس (۴۴)

دوفوائد مہمہ کا بیان

ويجيء إذا مع الجملة الاسمية موضعَ الفاء، وإن مقدرةٌ بعد الأمر والنهي والاستفهام والتمنّي والعرض إذا قُصد السببيةُ، نحو: أسلم تدل الجنة، ولا تكفر تدخل الجنة، وامتنع لا تكفر تدخل النارَ، خلافًا للكسائي؛ لأنَّ التقدير أن لا تكفر.

ترجمه: اورآتا ہے اذا جملہ اسمیہ کے ساتھ فاء کی جگہ اوران مقدر ہوتا ہے امر اور نہی اور استفہام اور تمنی اور عرض کے بعد جب کہ مقصود سببیت ہو جیسے أسلم تد خل الجنة ولا تكفر تد خل الجنة اور ممتنع ہے لا تكفر تد خل النار یہ بات کسائی نحوی کے خلاف ہے اسلئے کہ تقدیری عبارت یوں تھی أن لا تكفر۔

تشریح: آج کے درس میں دواہم فوائد کا ذکر ہے:

فائده۱: ويجيء إذا مع الجملة الاسمية موضع الفاء: جب جزاء جملہ اسمیہ ہوتو جس طرح آپ نے پڑھا کہ اس پر فاء لائی جائیگی، اب فرماتے ہیں کہ فاء کا لانا بھی رابطہ کے لئے ہوتا ہے جس طرح فاء تعقیب مع الوصل

کے لئے آتی ہے اسی طرح اِذا مفاجاتیہ بھی وصل ہی کے لئے لایا جاتا ہے جیسے ﴿وإن تصبهم سيئة بما قدمت أيديهم إذا هم يقنطون﴾ أي: فهم يقنطون۔

فائدہ۲: وإن مقدرة بعد الأمر.....: عزیز طلبہ! لگتا ہے صاحب کافیہ کو کتاب لکھتے وقت موت کی گھنٹیاں بجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، اس لئے شیخ کو یہ فکر دامنگیر تھی کہ دنیا سے جاتے ہوئے کسی کا کوئی حق اور ذمہ داری سر پر باقی نہ رہے خاص کر طالبان علوم ختم نبوت کا کوئی دینی قرضہ اور ذمہ داری تو سرے سے ہی نہ رہے، چنانچہ ماقبل ص ۱۵۹ میں انہوں نے فرمایا تھا کہ وبأن مقدرةً یعنی حروف جوازم میں سے اِن چونکہ سب سے قوی اور اصل جازم ہے اس لئے چاہے یہ لفظاً موجود ہو یا مقدر ہو بہر دوصورت یہ اپنا عمل کر کے دکھائے گا، تو سوال پیدا ہو رہا تھا کہ وہ کونسے مقامات ہیں جہاں اِن مقدر ہو تو صاحب کافیہ نے اخلاقی فریضہ پورا کرتے ہوئے اس کو بھی اپنے سر پر طالبان علوم نبوی کا ایک دینی قرضہ سمجھ کر جانے قبل ہی اتار دیا، اور فرمایا کہ امر، نہی، استفہام، تمنی اور عرض کے بعد اِنْ شرطیہ جازمہ مقدر ہوگی بشرطیکہ ان سب کے ماقبل والا جملہ ان کے لئے سبب بن رہا ہو، اور یہ اُن کے لئے مسبب بن رہے ہو جیسے امر کی مثال أسلِمْ تدخل الجنةَ، یہاں دیکھئے تــدخــل فعل مضارع مجزوم ہے حالانکہ کوئی حرف جازم نظر نہیں آ رہا، لیکن جب ہم نے مذکورہ قاعدہ کو دیکھا کہ اُمر وغیرہ کے بعد اِن مقدر ہوتا ہے، اور یہاں بھی شروع میں اُمر کا صیغہ ہے اور مابعد کے لئے سبب بننے کی صلاحیت

بھی رکھتا ہے اس لئے ہم نے کہا کہ یہاں اِن مقدر ہے جس کی وجہ سے تدخل مجزوم ہے، اور عزیز طلبہ! اگر آپ کچھ اور بھی حوصلہ رکھیں تو یہاں صرف اِن شرطیہ مقدر نہیں ہے بلکہ جملہ شرطیہ بھی مقدر ہے اور جملہ شرطیہ بعینہ وہی ماقبل والا صیغہ ہوگا مثلاً مذکورہ مثال کی پوری اور تقدیری عبارت اس طرح ہوگی أسلِمْ إنْ تسلم تدخل الجنة، یعنی آپ مسلمان ہو جاؤ؛ کیونکہ اگر آپ مسلمان ہو گئے تو جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

نہی کی مثال: لا تکفر تدخل الجنة، أي: لا تكفر إن لا تكفر تدخل الجنة، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ لا تکفر تدخل النار کہنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے ایسے مقامات میں اِن مقدرہ ماننے کے لئے شرط لگائی تھی کہ یہ اور ان کا ماقبل ایک دوسرے کے لئے سبب اور مسبب بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں، جبکہ اس مثال میں یہ شرط نہیں پائی جاتی؛ کیونکہ اس کی تقدیری عبارت اگر نکالی جائے تو جملہ اس طرح بنے گا: لا تکفر، إن لا تکفر تدخل النار، اور اس صورت میں معنی صحیح نہیں بنے گا، اور معنی اس کا یہ ہوگا کہ آپ کفر نہیں کرو؛ کیونکہ اگر آپ کفر نہیں کرو گے تو جہنم میں داخل ہو جاؤ گے۔

خلافًا للكسائي: امام کسائیؒ اس مسئلہ میں جمہور کے مخالف ہے وہ فرماتے ہیں کہ لا تکفر تدخل النار کہنا صحیح ہے؛ لأن التقدير: أن لاتكفر یعنی اس کی تقدیری عبارت اس طرح ہوگی أن لا تکفر تدخل النار یعنی خبردار کفر نہیں کرنا ورنہ جہنم میں داخل ہو جاؤ گے، استفہام کی مثال هل عندک

ماء أشربه؟ اس لئے کہ اس کی تقدیری عبارت یہ ہوگی: إن یکن عندک ماء أشربه، اور تمنی کی مثال لیت لی مالا أنفقه، اس کی تقدیری عبارت یہ ہوگی إن یکن لی مالا أنفقه، عرض کی مثال ألا تنزل بنا فتصیب خیرا، اس کی تقدیری عبارت یہ ہوگی إن تنزل بنا تصب خیرا. کما في حاشية الكتاب۔

درس (۴۵)

فعل کی تیسری قسم امر کا بیان

الأمر: صيغةٌ يُطلب بها الفعلُ من الفاعل المخاطب بحذف حرف المضارعة، وحكم آخره حكم المجزوم، فإن كان بعده ساكنٌ وليس برباعي زدتَّ همزة وصلٍ مضمومةً إن كان بعده ضمةٌ ومكسورةً فيما سواه، مثل: اقتُل واضربْ واعلَمْ، وإن كان رُباعيًّا فمفتوحةٌ مقطوعةٌ.

ترجمہ: امر وہ صیغہ ہے جس کے ذریعہ فاعل مخاطب سے فعل طلب کیا جائے علامت مضارع کو حذف کرنے کے ساتھ، اور اس کے آخر کا حکم مجزوم کے حکم کی طرح ہے (اگر اس علامت مضارع کو حذف کرنے) کے بعد والا حرف ساکن ہو، اور وہ صیغہ رباعی نہ ہو تو ہمزہ وصلی مضموم زیادہ کردیں گے اگر اس (ساکن) کے بعد والا حرف مضموم ہو، اور ہمزہ وصلی مکسور ہوگا اس کے ماسوا میں جیسے اُقتل اِضرب اِعلم،

اگر مضارع رباعی ہو پس (ہمزہ) مفتوحہ قطعیہ ہوگا۔

تشریح: بھائی آج کے درس میں ہم صرف تین باتیں کریں گے، یہ ساری باتیں آپ حضرات نے پچھلے سال ہدایۃ النحو میں پڑھ لئے ہیں آج کے درس میں کچھ انہیں باتوں کی تازگی ہو جائیگی اور ان کے ضمن میں کچھ ضروری چیزیں بھی بیان ہوگی جو مرکزی اور اساسی باتیں ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) امر کی تعریف۔

(۲) امر بنانے کا طریقہ۔

(۳) امر کے آخر کا حکم۔

پہلی بات: امر کی تعریف

الأمر صیغةٌ یُطلب بها الفعلُ من الفاعل المخاطب: لغوی اعتبار سے امر أمرَ یأمر مہموز الفاء سے باب نصر ینصر کا مصدر ہے، اس کا معنی ہے حکم دینا، اور نحویوں کی اصطلاح میں اس کی تعریف خود صاحب کافیہ بیان کرتے ہیں کہ صیغةٌ یطلبُ بها الفعل من الفاعل المخاطب، یعنی امر وہ صیغہ ہے جس کے ذریعے کام کرنے والے مخاطب سے کسی کام کا مطالبہ کیا جائے، جیسے اکتُبْ بمعنی لکھو، اور اقرأ بمعنی پڑھو۔

مذکورہ تعریف میں فوائد وقیود

الأمر صیغةٌ یُطلب بها الفعلُ من الفاعل المخاطب: مذکورہ عبارت میں الأمر معرَّف اور باقی اس کی تعریف ہے، تعریف میں صیغةٌ جنس اور

باقی اس کی فصول ہیں، چنانچہ صیغہ کہنے سے ہر قسم کے ماضی ومضارع مع اَخواتہ اور امر وغیرہ کے صیغے داخل ہوگئے، یُطلَبُ بِھا: فصل اول ہے اس کے ذریعے ماضی اور مضارع کے صیغے خارج ہوگئے؛ کیونکہ ان میں طلب نہیں ہوتی، الفعل، فصل ثانی ہے اس کے ذریعے نہی خارج ہوگئی؛ کیونکہ وہاں طلب نہیں ہوتا، بلکہ فعل کا ترک کرنا مقصود ہوتا ہے، من الفاعل، فصل ثالث ہے اس کے ذریعے فعل مجہول لِتُضرَبْ وغیرہ خارج ہوگئے؛ کیونکہ اس میں فاعل کوئی معلوم نہیں اس لئے یہاں مفعول بہ سے فعل کو طلب کیا جاتا ہے، اور المخاطب فصل رابع اور فصل اخیر ہے، اس کے ذریعے امر غائب معلوم اور متکلم کے صیغے نکل جائیں گے؛ کیونکہ ان میں مطالبہ مخاطب سے نہیں بلکہ غائب اور اپنے نفس سے ہوتا ہے، لہذا ان تمام قیودات کے لگانے کا مطلب یہ ہوا کہ امر کا صیغہ صرف وہی ہوتا ہے جس میں فاعل مخاطب سے کسی کام کا مطالبہ کیا جائے۔

میرے عزیز طلبہ! آپ حضرات کو یاد ہوگا کہ پچھلے سال جب آپ علم الصیغہ پڑھ رہے تھے تو صاحب علم الصیغہ مفتی عنایت اللہ کاکوروی شہید رحمہ اللہ نے امر کے صیغوں کو مضارع کے صیغوں سے الگ لکھنے کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی بیان فرمائی تھی کہ امر کے صیغے صرف مخاطب والے صیغوں پر بولے جاتے ہیں باقی صیغے (لتضربْ، لیَضربْ، لِیُضربْ) امر کے نہیں ہیں، تو صاحب کافیہ کی بیان کردہ تعریف میں ذکر کردہ قیود سے صاحب علم الصیغہ کے قول کو تقویت اور اعانت مل رہی ہے، جبکہ دیگر علماء صرف کے ہاں ایسا نہیں ہے، کما تعرفون بالصراحۃ۔

دوسری بات: امر بنانے کا طریقہ

بحذف حرف المضارعة، وحكم آخره حكم المجزوم، فإن كان بعده ساكنٌ وليس برباعي زدتَ همزة وصلٍ مضمومةً إن كان بعده ضمةٌ ومكسورةً فيما سواه، مثل: اقتُل واضربْ واعلَمْ، وإن كان رُباعيًا فمفتوحةً مقطوعةً: صاحب کافیہ یہاں آپ حضرات کو ایک قاعدہ اور ایک قانون یاد دلا رہے ہیں جو آپ حضرات نے ارشاد الصرف اور علم الصیغہ میں پڑھا ہے، بات ایک ہی ہے صرف اصطلاحات کا فرق ہے ارشاد الصرف میں آپ نے اس کو قانون کے نام سے اور پھر علم الصیغہ میں اسی بات کو قاعدہ کے نام سے پڑھا تھا اور آج اُسی بات کو بناء الأمر کے نام سے پڑھ رہے ہوں، کما قال الشاعر:

عبارا تنا شتی وحسنک واحد

وقال الآخر: منزل دہ ٹولو یو دے خو سفر جدا جدا

الغرض آپ اس کو آسان الفاظ میں یوں سمجھ لو کہ ہر امر حاضر معلوم کو اپنے باب کے مضارع معلوم کے صیغوں سے بنایا جاتا ہے، بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ شروع سے علامت مضارع کو حذف کر کے آخر کو جزم دیدیں گے، پھر اس کے بعد دیکھیں گے کہ علامت مضارع کو حذف کرنے کے بعد والا حرف ساکن ہے یا متحرک، اگر متحرک ہو تو اپنے حال پر چھوڑ دیں گے، جیسے تعدُ سے عِدْ، اور تقِي سے قِ، اور اگر ساکن ہو تو ماضی چہار حرفی والے باب یعنی باب افعال کے علاوہ دیگر ابواب میں اس کے شروع میں ہمزہ وصلی لگادیں گے اور ہمزہ پر حرکت عین کلمہ کی حرکت سے آئے گی

مثلاً اگر وہ مضموم ہوتو ہمزہ وصلی مضموم آئے گا جیسے تَنصُرُ سے اُنصُرْ، اور اگر مفتوح یا مکسور ہوتو ہمزہ وصلی مکسور آئے گا جیسے تفتح سے افتح، اور تضربُ سے اِضرِبْ۔

وإن كان رباعيًّا فمفتوحةٌ مقطوعةٌ: اگر ماضی چہار حرفی والا باب (افعال) ہوتو ہمزہ قطعی مفتوح (جو اس باب کا اپنا ہمزہ تھا اور تکرم میں طردًا للباب حذف ہوا تھا) کو واپس لا کر لگا دیں گے جیسے تُکرِمُ سے أکرِمْ، یہ اصل میں تُأکرِمُ تھا، أأکرمُ میں قانون جاری کرنے کی وجہ سے باقی سب صیغوں میں بھی طردً اللباب جاری کردیا، تو تُأکرِمُ سے تکرمُ بنا، جب اس سے علامت مضارع کو ہٹایا اور پھر ہمزہ قطعی مفتوح کو واپس لائے تو أکرِمْ بنا۔

تیسری بات: امر کے آخر کا حکم

وحكم آخره حكم المجزوم: فرماتے ہے کہ امر کے آخر کا حکم یہ ہے کہ وہ مجزوم ہوگا، مجزوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس صیغے کا آخر اگر صحیح ہوتو وہاں جزم سکون کے ساتھ آئے گا، جیسے تقرأُ سے اِقرأْ، اور اگر اس کے آخر میں نون اعرابی ہوتو اس کا جزم حذف نون کے ساتھ ہوگا جیسے اضربا، اضربوا، اور اگر اس کے آخر میں کوئی حرف علت ہوتو اس کا جزم حذف لام کے ساتھ ہوگا جیسے تدعُوْ سے اُدعُ، ترمِيْ سے ارمِ، اور تخشی سے اِخشَ۔

درس (۴۶)

مفعول مالم یسم فاعلہ کا بیان

فعل ما لم يسمَّ فاعله: هو ما حُذفَ فاعله، فإن كان ماضيًا ضُمَّ أوله وكُسرَ ماقبل آخره، ويُضمُّ الثالث مع همزة الوصل، والثاني مع التاء خوفَ اللبس، ومعتل العين الأفصح: قيل وبيع، وجاء الإشمام والواو، ومثله باب أُختير وانقيد دون أُستخير وأقيمَ، وإن كان مضارعًا ضُمَّ أوله وفُتح ما قبلُ آخره، ومعتل العين ينقلب فيه العينُ ألفًا.

ترجمہ: فعل مالم یسم فاعلہ وہ فعل ہے کہ حذف کیا گیا ہو اس کے فاعل کو اگر وہ ماضی ہے تو ضمہ دیا جائے اس کے اول کو اور آخر سے ماقبل کو کسرہ دیا جائے گا، اور تیسرے حرف کو ضمہ دیا جائے گا جب کہ ہمزہ وصلی اس کے ساتھ مقترن ہو، اور (جس ماضی کے شروع میں تاء ہو) تو دُوسرے حرف کو ضمہ دیا جائے گا، تاء کے ساتھ التباس کے خوف کی وجہ سے، اور معتل العین صحیح لغت کے مطابق قیل اور بیع پڑھیں گے اور اشمام اور واو کے ساتھ بھی آیا ہے اور اس کی مثل ہے باب اختیر اور انقید نہ کہ استخیر اور أقیم، اور اگر مضارع ہو تو ضمہ دیا جائے گا اس کے اول کو، فتحہ دیا جائے گا آخر سے ماقبل کو اور معتل العین میں بدل دیا جائے گا عین کلمہ کو الف کے ساتھ۔

تشریح: آج کے درس میں فعل مجہول کی تعریف اور اس کے متعلق چند اہم قواعد

ذکر فرمائینگے، یہی قواعد آپ لوگوں نے ارشاد الصرف میں چھ قوانین کی صورت میں پڑھے ہیں۔

پہلی بات: فعل مجہول کی تعریف

لغوی اعتبار سے فعل مالم یسم فاعلہ کا معنی یہ ہے کہ وہ فعل جس کے فاعل کا نام نہ لیا گیا ہے، یا وہ فعل جس کا فاعل متعین نہیں کیا گیا ہو، اور اصطلاح نحو میں فعل مالم یسم فاعلہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ فعل جس کے فاعل کو حذف کر دیا گیا ہو اور مفعول بہ کو اس کا نائب قرار دیا گیا ہو جیسے قرأ زیدُ الکتابَ سے قُرأ الکتابُ۔

پہلا قاعدہ ماضی مجہول کا

فإن کان ماضیًا ضُمَّ أولہ وکُسرَ ماقبل آخرہ، ویُضمُّ الثالث مع همزة الوصل، والثاني مع التاء خوف اللبس: عزیز طلبہ! ماضی مجہول کے لئے آپ نے ارشاد الصرف میں تین قوانین پڑھے تھے لیکن صاحب کافیہ ان تینوں کو ایک ہی ساتھ بڑے آسان الفاظ میں بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ اگر ماضی مجہول بنانا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ حرف اول کو ضمہ اور ماقبل اخیر کو کسرہ دیا جائے گا جیسے فتح سے فُتِحَ وغیرہ، اور اگر ایسے ابواب سے بنانا ہو جن کے ماضی کے شروع میں تاء زائدہ مطردہ ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں حرفوں کو ضمہ اور ماقبل اخیر کو کسرہ دیں گے جیسے تَصرَّف سے تُصُرِّف، تَضارَبَ سے تُضُورِبَ اور تَدحرجَ سے تُدُحرِجَ۔

اور حرف ثانی کو ضمہ دینے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ خوف اللبس تاکہ ان کا

التباس باب تفعیل، مفاعلہ اور فعللہ کے صیغوں کے ساتھ نہ آئے جیسے تُـصـرّف، تُـضـارب، اور یُـدحـرج، اگر حرف ثانی کوضمہ نہیں دیا تو یہ اور وہ دونوں آپس میں ملتبس ہو جائیں گے، اور اگر ضمہ دیا تو فرق واضح ہوگا جیسے تفعیل کی مثال صُـرّف اور تفعل کی مثال تُصُرّف وقس علی هذا۔

دوسرا قاعدہ قیل اور بیع کا

ومعتل العین الأفصح قیل وبیع: فرماتے ہیں کہ اُجوف سے ماضی مجہول تین وزن پر آتا ہے ا۔قیل بیعَ، ۲۔ قُولَ بُوعَ، ۳۔اشمام کے ساتھ، جاء الإشمام والواو سے یہی آخری دو صورتیں مراد ہیں، لیکن ان تینوں میں سے پہلی صورت زیادہ فصیح ہے۔

ومثلہ باب اُختیر واُنقید: اجوف سے باب افتعال اور انفعال کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے ماضی مجہول میں بھی یہی تینوں صورتیں جائز ہیں، لیکن زیادہ فصیح ان میں بھی وہی نقل حرکت یعنی اختیر اور انقیدَ والی ہے۔

دون اُستُخیر واُقیمَ: فرماتے ہیں کہ ماقبل والی تین صورتیں اجوف سے باب استفعال اور باب افعال کے ماضی مجہول میں جاری نہیں ہوں گی، اس کی مفصل وجہ آپ نے ارشاد الصرف اور علم الصیغہ میں پڑھی ہے یہاں مختصراعرض ہیکہ یہ اس لئے کہ استُخیر اور اُقیمَ میں نہ تو فُعلَ حقیقی کا وزن بن رہا ہے اور نہ فُعلَ حکمی کا، جبکہ مذکورہ قاعدہ صرف اسی کلمہ کے ساتھ خاص ہے جو فُعِلَ حقیقی یا حکمی کے وزن پر ہو۔

تیسرا قاعدہ مضارع مجہول کا

وإن كان مضارعًا ضُمَّ أوله وفُتح ماقبل آخره: فرماتے ہیں کہ ہر مضارع مجہول کو بناتے وقت حرف اول کو ضمہ اور ماقبل اخیر کو فتحہ دیا جائے گا جیسے يَضربُ سے يُضربُ، يكتبُ سے يُكتبُ اور يَستعملُ سے يُستعملُ۔

چوتھا قاعدہ يقال يُباع کا

ومعتل العين ينقلب فيه العينُ ألفًا: ماقبل مضارع مجہول والا قاعدہ جب معتل العین یعنی اجوف کلمہ میں جاری کریں گے تو يقول يبيعُ سے يُقوَلُ اور يُبْيَعُ بن جائے گا، پھر قالَ وباعَ کا قانون جاری کر کے اس کے عین کلمہ کو الف سے بدل دیں گے تو يُقالُ يُباعُ بن جائے گا۔

درس (۴۷)

فعل لازم اور فعل متعدی کا بیان

المتعدي وغير المتعدي: فالمتعدي ما يتوقف فهمه على متعلق كضرب، وغير المتعدي بخلافه كقعد، والمتعدي يكون إلى واحدٍ كضربَ، وإلى اثنين كأعطى وعلمَ، وإلى ثلاثة كأعلمَ وأرى وأنبأَ ونبَّأَ وأخبرَ وخبَّرَ وحدَّث، وهذه مفعولها الأول كمفعول أعطيتُ، والثاني والثالث كمفعولَي علمتُ.

ترجمہ: فعل متعدی اور غیر متعدی: فعل متعدی وہ ہے کہ موقوف ہو اس کا سمجھنا

متعلق پر جیسے ضرب، اور غیر متعدی وہ ہے جو اس کے خلاف ہو جیسے قعدَ، اور (فعل) کبھی متعدی ہوتا ہے ایک (مفعول) کی طرف جیسے ضرب، اور دو کی طرف جیسے أعطی، اور عَلِمَ، اور تین کی طرف جیسے أعلم اور أری اور أنبأ اور نبّأ اور أخبر خبّر اور حدّث، ان افعال کا مفعول اول باب أعطیتُ کے مفعول کی طرح ہے، اور ان کا دوسرا اور تیسرا مفعول علمت کے دو مفعولوں کی طرح ہے۔

تشریح: آج کے مختصر سے درس میں صرف دو باتیں ہیں:

(۱) فعل لازم اور فعل متعدی کی تعریف۔

(۲) فعل متعدی کی قسمیں۔

پہلی بات: فعل لازم اور فعل متعدی کی تعریف

بھائی! یہاں سے فعل کی ایک اور تقسیم بیان فرما رہے ہیں، جو اس کے معمول کے اعتبار سے ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ المتعدي وغیر المتعدي یعنی فعل کی اپنے معمول کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں، فعل متعدی اور فعل لازم۔

متعدی لغوی اعتبار سے تعدّٰی یتعدّٰی تعدّیًا فهو متعدٍّ ناقص سے باب تفعل کے اسم فاعل کا واحد مذکر کا صیغہ ہے، بمعنی تجاوز کرنے والا، اور اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے صاحب کافیہ اپنی عادت شریفہ کے موافق مختصر الفاظ میں فرماتے ہیں کہ ما یتوقف فهمه علی متعلَّق یعنی فعل متعدی وہ فعل ہے جس کا سمجھنا اپنے متعلَّق پر موقوف ہو، یا اس کو دوسری تعبیر میں بیان کرو تا کہ لغوی اور اصطلاحی معنی میں ایک حسین امتزاج پیدا ہو جائے، وہ یہ کہ فعل متعدی وہ فعل ہے جو اپنے فاعل

سے تجاوز کر کے مفعول بہ کا تقاضا بھی کر رہا ہو اور فاعل کو رفع دینے کے ساتھ ساتھ مفعول بہ کو نصب بھی دے رہا ہو جیسے ضربَ زیدٌ کا پورا معنی اس وقت سمجھ میں آئے گا جب اس کے ساتھ مفعول بہ بھی ملایا جائے جیسے ضربَ زیدٌ عمروًا۔

وغیر المتعدي بخلافه: اور فعل غیر متعدی یعنی فعل لازم وہ فعل ہے جو فعل متعدی کے مخالف ہو یعنی صرف فاعل پر تمام ہو، اور اس کو مفعول بہ کی ضرورت نہ ہو جیسے جلسَ زیدٌ۔

دوسری بات: فعل متعدی کی قسمیں

افعال متعدیہ میں سے بعض متعدی بیک مفعول ہوتے ہیں اور بعض متعدی بدو، اور بعض متعدی بسہ مفعول، چنانچہ انہیں کو صاحب کافیہ بیان فرما رہے ہیں:

(۱) والمتعدي يكون إلى واحدٍ كضربَ: یعنی بعض افعال صرف ایک مفعول چاہتے ہیں، اور اس پر ان کا معنی پورا ہو جاتا ہے جیسے ضربَ زیدٌ عمروًا۔

(۲) وإلى ثنتين: اور بعض افعال دو مفعول چاہتے ہیں لیکن ان دونوں میں سے ایک کو ذکر کر کے دوسرے کو چھوڑ دینا جائز ہوگا، اور یہ ہوگا باب أعطيتُ میں سے جیسے أعطى زيدٌ عمروًا درهمًا۔

(۳) وعَلِمَ: اور بعض افعال قسم دوم کی طرح دو مفعولوں کا تقاضا کریں گے لیکن دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفاء کر کے دوسرے کو چھوڑ دینا صحیح نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ یہ دونوں مفعول اصل میں مبتداء خبر ہوتے ہیں اور یہ دونوں

لازم اور ملزوم ہیں۔

(۴) وإلی ثلاثة: اور بعض افعال تین مفعولوں کا تقاضا کرتے ہیں، اور ایسے افعال باب أعلمتُ والے افعال کہلاتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں: أعلم، أری، أنبأ، نبّأ، أخبرَ، خبّر، حدَّث، اب ان کے مفاعیل کے متعلق فرمارہے ہیں کہ هذه مفعولها الأول کمفعول أعطیتُ، یعنی متعدی کی یہ جو قسم ہے ان کے مفاعیل میں پہلا مفعول باب أعطیتُ کے مفعول کی طرح ہے یعنی جس طرح باب أعطیتُ کے دو مفعولوں میں سے ایک کو حذف کرکے دوسرے والے کو ذکر کریں تو صحیح ہے اسی طرح یہاں بھی صحیح ہوگا۔

والثاني والثالث کمفعولي علمتُ: فرماتے ہیں کہ باب أعلمت کے مفاعیل ثلاثہ میں سے دوسرے اور تیسرے کی مثال باب علمتُ کے دونوں مفعولوں کی طرح ہے، یعنی جیسا باب علمت میں حذف نہیں کرسکتے کیونکہ وہ اصل میں مبتداء اور خبر تھے جو لازم وملزوم ہوتے ہیں ایسے ہی باب أعلمتُ کے مفعول ثانی وثالث آپس میں مبتداء خبر تھے تو اسی لازم وملزوم ہونے کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک کا حذف کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

درس (۴۸)

افعال قلوب کا بیان

أفعال القلوب: ظننتُ وحسبتُ وخِلتُ وزعمتُ وعلمتُ

ورأيتُ ووجدتُّ، تدخل على الجملة الاسمية لبيان ما هي عنه، فتنصب الجزئين، ومِن خصائصها أنّه إذا ذكر أحدهما ذُكر الآخر بخلاف باب أعطيتُ، ومنها جواز الإلغاء إذا توسَّطتْ أو تأخَّرت لاستقلال الجزئين كلامًا، ومنها أنَّها تُعلَّق قبل الاستفهام والنفّي واللام، مثل: علمتُ أزيدٌ عندک أم عمروٌ، ومنها أنها يجوز أن يكون فاعلها ومفعولها ضميرَين لشيءٍ واحدٍ، مثل: علمتني منطلقًا، ولبعضها معنًى آخرُ يتعدَّی به إلى واحدٍ، فظننتُ بمعنی اتَّهمتُ وعلمتُ بمعنی عرفتُ ورأيتُ بمعنی أبصرتُ ووجدتُّ بمعنی أصبتُ.

ترجمہ: افعالِ قلوب

ظننت اور حسبت اور خلت اور زعمت اور علمت اور رأیت اور وجدت ہیں، یہ داخل ہوتے ہیں جملہ اسمیہ پر، اس اعتقاد کو بیان کرنے کیلئے کہ جس سے یہ جملہ صادر ہورہا ہے پس یہ نصب دیتے ہیں دونوں جزؤں کو، اور ان کے خصائص میں سے یہ ہیں کہ جب ان میں ایک کو ذکر کیا جائے تو دوسرے کو بھی ذکر کیا جاتا ہے بخلاف باب أعطیت کے اور ان (خصائص) میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے عمل کو باطل کرنا جائز ہے جب افعال قلوب (دونوں مفعولوں کے) درمیان واقع ہو، یا (دو اسموں سے) مؤخر ہو دونوں جزء کلام بننے میں مستقل ہونے کی وجہ سے، اور ان (خصائص) میں سے ایک یہ ہے کہ جب یہ استفہام اور نفی اور لام ابتداء سے پہلے واقع ہوں تو معلق ہوجاتا ہیں (ان کا عمل باطل ہوجاتا ہے) جیسے علمت أزیدٌ

عندک أم عمروٌ، اوران (خصائص) میں سے ایک یہ ہے کہ جائز ہے یہ بات کہ ان کے فاعل اور مفعول دونوں ضمیریں ہوں ایک شی ء کی جیسے علمتُنی مطلقا، اور بعض افعال قلوب کے لئے دوسرے معانی بھی ہیں، ان کی وجہ سے یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتے ہیں، پس ظننتُ اتھمت کے معنی میں ہے اور علمت عرفت کے معنی میں ہے اور رأیت أبصرت کے معنی میں ہے اور وجدت أصبت کے معنی میں ہے۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) افعال قلوب کی تحقیق۔

(۲) افعال قلوب میں سے ہر ایک کی تفصیل اور خواص۔

(۳) افعال قلوب کی بعض خاصیتیں۔

پہلی بات: افعال قلوب کی تحقیق

کل کلام عرب میں افعال قلوب کل سات عدد ہیں جو یہ ہیں: ظننتُ، حسبتُ، خلت، زعمتُ، علمتُ، رأیتُ، وجدت، ان کو افعال قلوب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان افعال کا تعلق بدن کے ظاہری اعضاء کے ساتھ ہوتا بلکہ دل سے ہوتا ہے اور ان کو افعال یقین اور افعال شک بھی کہتے ہیں؛ کیونکہ ان میں بعض یقین کے لئے آتے ہیں، جیسے علمتُ، رأیتُ، وجدتُ، اور بعض شک کے لئے جیسے ظننتُ، حسبتُ، خلتُ، اور بعض مشترک ہوتے ہیں یعنی یقین اور شک دونوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں جیسے زعمتُ. (کمافی خیرالنحو: ۳۶۰)۔

اور یہ افعال متعدیہ کی تیسری قسم میں داخل ہیں یعنی دو مفعول چاہتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک پر اکتفاء جائز نہیں ہوتا۔

دوسری بات: افعال قلوب کا معمول اور عمل

تدخل علی الجملة الاسمية: فرماتے ہیں کہ افعال قلوب جملہ اسمیہ یعنی مبتداء اور خبر پر داخل ہوتے ہیں اور ان دونوں کو بناء بر مفعولیت نصب دیتے ہیں۔

لبیان ماهي عنده: فرماتے ہیں کہ یہ افعال جملہ اسمیہ پر اس لئے داخل ہوتے ہیں تا کہ اس بات کو بیان کریں کہ اس جملہ پر جو حکم لگا ہے وہ کس قبیل سے ہے، کیا وہ یقین کے قبیل سے ہے یا ظن غالب کے قبیل سے یا شک کے قبیل سے، مثلا آپ نے کہا **علمتُ زیدًا قائمًا**، اس میں زید کی طرف قیام کی نسبت یقینی طور پر ہوئی ہے، اور **ظننتُ عمروًا حاضرًا**، اس میں عمرو پر حاضری کا حکم ظن غالب کے درجے میں لگایا گیا ہے، اسی طرح **زعمتُ بكرًا نائمًا** میں نوم کی نسبت بکر کی طرف شک کے درجہ میں ہوئی ہے۔

تیسری بات: افعال قلوب کی بعض خاصیتیں

عزیز طلبہ! افعال قلوب کی تحقیق، عمل، اور معمول کے بعد اب ان کی چار خاصیتیں بیان فرمارہے ہیں:

(۱) **ومن خصائصها أنه إذا ذكر أحدهما ذكر الآخر:** پہلی خاصیت تو یہ ہے کہ ان کے دونوں مفعولوں کو ذکر کرنا ضروری ہے کسی ایک کو ذکر کر کے دوسرے کو چھوڑ دینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ دونوں اصل میں مبتداء اور

خبر تھے اور شدت اتصال کی وجہ سے دونوں بمنزلہ ایک ہی اسم کے ہیں، لہذا ایک اسم میں سے بعض کو ذکر کرنا اور بعض کو چھوڑ دینا مناسب نہیں ہوتا، اور دیکھئے صاحب حاشیہ نے اسی کی ایک اور وجہ بھی لکھی ہے لیکن زیادہ مناسب اور اقرب إلی الذہن یہی وجہ ہے۔

بخلاف باب أعطيتُ: باب أعطيتُ والے افعال بھی اگر چہ دو ہی مفعولوں پر داخل ہوتے ہیں لیکن وہ دونوں مفعول آپس میں مبتداء اور خبر نہیں ہوتے لہذا شدت اتصال نہیں پایا گیا اس لئے ان میں سے کسی ایک کو ذکر کر کے دوسرے کو چھوڑ دینا جائز ہوتا ہے۔

(۲) **ومنها جواز الإلغاء إذا توسطت أو تأخرت:** افعال قلوب کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ ان کے عمل کو لفظاً و معنًی دونوں طرح باطل کرنا جائز ہے بشرطیکہ یا تو یہ دونوں مفعولوں کے درمیان میں واقع ہوں یا دونوں کے بعد واقع ہوں، ان صورتوں میں اعمال اور اہمال تو دونوں جائز ہیں، لیکن اول صورت کیا ہے تو اس کے متعلق عرض ہیکہ جب یہ دونوں مفعولوں کے درمیان میں ہوں، مثلاً زیدٌ ظننتُ قائمٌ، تو اعمال و اہمال دونوں برابر ہیں، اور اگر آخر میں ہوں مثلاً زیدٌ قائمٌ ظننتُ تو اہمال اور اعمال دونوں جائز ہیں لیکن اہمال اولی ہے اعمال سے۔

اہمال تو اس لئے جائز ہے کہ یہ افعال کمزور عامل ہیں، اور کمزور عامل کے سامنے اگر اس کے معمول مرتب انداز میں ہوں تب تو وہ ان میں عمل کر سکتا ہے، ورنہ تو نہیں کر سکے گا، اور عمل دینا اس لئے جائز ہے کہ فعل کو من

حیث الفعل اگر دیکھا جائے تو وہ عامل قوی شمار ہوتا ہے، اس لئے وہ ایسی صورتوں میں بھی عمل کر سکے گا، تو چونکہ یہ بھی افعال ہیں اس لئے یہ بھی ایسی صورتوں میں عمل کر سکیں گے۔

لاستقلال الجزئین کلامًا: یہ بھی اہمال کی ایک وجہ بیان فرمائی کہ یہ دونوں جزء یعنی دونوں مفعول خود بھی ایک مستقل کلام ہے باین طور کہ ان میں **زیدٌ** کو مبتداء بنا کر **فاضلٌ** کو اس کی خبر بنا دیا جائے، تو یہ ایک مستقل کلام ہے، اور عامل اس کا ایک ضعیف قسم کا عامل ہے لہذا عامل ضعیف تو ضعیف معمول میں وجوبی طور پر عمل کر سکتا ہے لیکن یہاں عامل ضعیف قوی معمول میں وجوبی عمل نہیں کر سکتا بلکہ جب چاہے تو اس کو عامل بنا دے اور جب چاہے تو اس کو مہمل بنا دیا جائے۔

(٣) **ومنها أنّها تعلّق قبل الاستفهام:** تیسری خاصیت بیان کر رہے ہیں کہ جب یہ افعال ہمزہ استفہام یا نفی یا لام سے قبل واقع ہو جائے تو یہ معلق ہوں گے، یعنی لفظی طور پر بالکل عمل نہیں کریں گے، یعنی لفظاً اس کا عمل وجوبی طور پر باطل ہو جائے گا جیسے **علمتُ أزيدٌ عندک أم عمروٌ، وعلمتُ ما زيدٌ في الدار، وعلمتُ لزيدٌ قائمٌ۔**

ہمزہ استفہام وغیرہ سے قبل واقع ہو جائے تو لفظی طور پر مہمل ہوں گے، لیکن اگر ہمزہ استفہام وغیرہ کے بعد واقع ہو جائے تو ایسی صورت میں اس کو ملغی عن العمل بنانا صرف جائز ہوگا واجب نہیں ہو سکتا، جیسے **أيهم علمتَ زيدًا وزيدٌ۔**

(۴) ومنها أنها يجوز أن يكون فاعلها ومفعولها ضميرين لشيءٍ واحدٍ: فرماتے ہیں کہ عام افعال کے لئے تو قاعدہ یہ ہے کہ ایک شخص کی طرف لوٹنے والی دو ضمیریں فاعل اور مفعول نہیں بنائے جاسکتے جیسے ضربتُني، اور ضربتَک نہیں کہا جاسکتا، الا یہ کہ دونوں ضمیروں کے درمیان لفظ نفسؔ کا فاصلہ لایا جائے جیسے ضربتُ نفسي، اور ضربتَ نفسَک وغیرہ جائز ہیں، لیکن بغیر کسی فاصلہ ایک ہی چیز کی دو ضمیریں افعال قلوب کے لئے معمول بن سکتے ہیں بایں طور کہ ایک ان میں فاعل ہو اور دوم مفعول بہ جیسے علمتُني منطلقًا۔

ولبعضهما معنًى آخر يتعدى به إلى واحدٍ: فرماتے ہیں کہ مذکورہ افعال قلوب میں سے بعض دوسرے معنی میں استعمال ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں وہ متعدی بیک مفعول ہوں گے جیسے ظننتُ اتّهمتُ کے معنی میں اور علمتُ عرفتُ کے معنی میں اور رأیتُ أبصرتُ کے معنی میں اور وجدتُ أصبتُ کے معنی میں اگر لئے جائے تو متعدی بیک مفعول ہوں گے، اور ایسی صورت میں یہ افعال قلوب نہیں رہیں گے بلکہ عام افعال شمار ہوں گے۔

درس (۴۹)

افعال ناقصہ کا بیان

الأفعال الناقصة: ما وُضع لتقرير الفاعل على صفةٍ، وهي:

كان وصار وأصبح وأمسى وأضحى وظلَّ وباتَ وآضَ وعادَ وغدا وراحَ وما زالَ وما انفكَّ وما فتئَ وما برحَ وما دامَ وليسَ، وقد جاء ما جاءت حاجتك، وقعدتُ كأنَّها حربةٌ، تدخل على الجملة الاسمية لإعطاء الخبر حكم معناها، فترفع الأولَ وتنصب الثانيَ، مثل: كان زيدٌ قائمًا، فكانَ تكون ناقصةً لثبوت خبرها ماضيًا دائمًا أو منقطعًا، وبمعنى صار، ويكون فيها ضميرُ الشأنِ، وتكون تامَّةً بمعنى ثبتَ، وزائدةً.

ترجمہ: افعال ناقصہ وہ افعال ہیں جو وضع کئے گئے ہوں فاعل کو ثابت کرنے کے لئے کسی صفت پر اور وہ یہ ہیں کان اور صار اور أصبح اور أمسی اور أضحی اور آض اور غدا اور راح اور ما زال اور ما انفک اور ما فتی اور ما برح اور ما دام اور لیس اور تحقیق آیا ہے ما جاءت حاجتک میں کلمہ جاء تا اور قعدت کأنَّها حربة میں قعدت ناقصہ ہے، یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اپنے معنی کا حکم خبر کو دینے کے لئے آتے ہیں، پس رفع دیتے ہیں پہلے جزء کو اور نصب دیتے ہیں دوسرے جزء کو جیسے کان زیدٌ قائمًا، پس کان ناقصہ ہوتا ہے اپنی خبر کو ثابت کرنے کے لئے زمانہ ماضی میں، دائمی طور پر یا (کان) منقطع ہوتا اور بمعنی صار ہوتا ہے اور اس میں ضمیر شان ہوتی ہے، اور (کان) تامہ ہوتا ہے بمعنی ثبت کے اور زائدہ ہوتا ہے۔

تشریح: میرے عزیز! آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) افعال ناقصہ کی تعریف۔

(۲) افعال ناقصہ کا عمل۔

(۳) کانَ فعل ناقص کی قسمیں۔

پہلی بات: افعال ناقصہ کی تعریف

ما وضع لتقرير الفاعل على صفةٍ: الأفعال جمع ہے فعلٌ کی، اور **الناقصة** اسم فاعل کا واحد مؤنث کا صیغہ ہے، بمعنی وہ افعال جو ناقص ہوں، اور اصطلاح میں **ما وضع لتقرير الفاعل على صفة**، یعنی وہ افعال جنہیں فاعل کو کسی صفت پر ثابت کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہو، اور وہ یہ ہیں **كان، صار، ظلَّ، باتَ، أصبح، أمسى، أضحى، آض، عاد، غدا، راح، مازال، ما انفك، مافتئ، مابرح، مادام، ليس**، اوران کے علاوہ بھی دو افعال ہیں جو فعل ناقص شمار ہوتے ہیں:

(۱) **جاءَ**: جیسے **ما جاءت حاجتکَ**، یہاں **جاءت كانت** کے معنی میں ہے، اس میں ضمیر مستتر جاءَ کا اسم ہے، اور **حاجتکَ** مضاف مضاف الیہ مل کر اس کی خبر ہے، یہ خوارج کا مشہور قول ہے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے قاصد بن کر گئے تو انہوں نے کہا تھا، اس کی تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: **أيةُ حاجةٍ صارت حاجتک.**

(۲) **قعد**: جیسے **قعدتْ كأنَّها حربةٌ** میں **قعدتْ صارتْ** کے معنی میں ہے، اس کے اندر ضمیر اس کا اسم ہے اور **كأنَّها حربةٌ** پورا جملہ اس کی خبر ہے، اس کی تقدیری عبارت اس طرح ہوگی، **أرهف شفرته حتى قعدت كأنَّها**

حربة۔ (تقریر کافیہ ۲/۱۴۰)

دوسری بات: افعال ناقصہ کا عمل

تدخل على الجملة الاسمية: یہ سارے افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں جو ان کے داخل ہونے سے قبل آپس میں مبتداء اور خبر تھے، لإعطاء الخبر حكم معناها یعنی یہ افعال جملہ اسمیہ پر اس لئے داخل ہوتے ہیں تاکہ اپنے معنی کا اثر اپنے خبر کو دیدے جیسے صار زيدٌ غنيًا، یہ صارَ فعلِ ناقص کے داخل ہونے سے زيدٌ غنيٌّ تھا، جو آپس میں مبتداء اور خبر تھے، جب اس پر صارَ داخل ہوا تو اس نے زید کو حالت فقر سے حالت غنی طرف منتقل کر دیا کیونکہ صارَ انتقال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، وهكذا كان زيدٌ قائمًا۔

تیسری بات: کانَ کی قسمیں

یہاں سے صاحب کافیہ معنی کے اعتبار سے کانَ کی چار قسمیں بیان فرمارہے ہیں:

(۱) فكان تكون ناقصة: جہاں فاعل پر بات پوری نہ ہو رہی ہو بلکہ اس کے ساتھ خبر کی بھی ضرورت ہو تو ایسی صورت میں کانَ ناقصہ کہلاتا ہے جیسے كانَ زيدٌ قائمًا، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ دائمًا أو منقطعًا یعنی پھر اس کی دو قسمیں ہیں کان ناقصہ دائمی، اور کان ناقصہ منقطعہ۔

دائمی کا معنی یہ ہے کہ کان اپنی خبر کو اپنے اسم کے لئے زمانہ ماضی سے دائمی طور پر ثابت کر رہا ہو، اور بعد میں بھی اسی طرح دائمی ہو جیسے ﴿كان الله غفورا

رحیما﴾ تو اللہ تعالی کے لئے صفت غفور اور صفت رحیم پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے اور آیندہ بھی رہے گی۔

اور کان منقطعہ کا مطلب یہ ہے کہ کان اپنی خبر کو اسم کے لئے زمانہ ماضی میں ثابت کرے، لیکن دائمی طور پر نہیں جیسے کَانَ زیدٌ غنیًّا فافتقرَ، اس مثال میں زید کے لئے غنی کا ثبوت ہمیشہ کے لئے نہیں ہے۔ (تقریر کافیہ ۱۴۲/۲)

(۲) وبمعنی صار: کانَ کی دوسری قسم کان ناقصہ بمعنی صارَ ہے جیسے ﴿و کان من الکافرین﴾ ویکون فیها ضمیر الشان، فرماتے ہیں کہ ایسے کانَ میں جو بمعنی صار ہو کبھی اس میں ضمیر شان بھی ہوتی ہے جیسے کان زیدٌ قائمٌ، أي: کان الشان زیدٌ قائمٌ، اور علامہ جامیؒ نے اس موقع پر ایک شعر بھی پیش فرمایا ہیں:

إذا متُّ کان الناس صنفان شامتٌ

وآخر مثنٍ بالذي کنت أصنع

یعنی جب میں مرجاؤ گا تو لوگوں کی دو جماعتیں بن جائیگی، ایک جماعت تو میرے دشمنوں کی ہوگی جو میرے مصیبتوں اور میرے مرنے پر خوشیاں منائے گی، اور دوسری جماعت وہ ہوگی جو میرے کارناموں کی مدح سرائی کرے گی۔

محل استشہاد اس شعر میں کان الناس صنفان ہے اگر اس میں ضمیر شان اس کا اسم نہ ہوتی تو الناس اس کا اسم ہوکر اس کے بعد کا لفظ صنفین ہوتا، جو کانَ کی خبر ہوتی؛ کیونکہ کان کی خبر منصوب ہوتی ہے، لہذا معلوم ہوا کہ

الناس صنفان مبتداء خبر مل کر پورا جملہ کان کے لئے خبر ہے اور اسم اس کا ضمیر شان ہے۔

اور یہ انتقال کے لئے بھی آتا ہے چاہے وہ انتقال ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف ہو جیسے صار زیدٌ عالمًا أي: انتقل من صفة الجهل إلى صفة العلم، اور چاہے ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف ہو جیسے صار الطين حجرًا، اور چاہے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف ہو جیسے صارزيدٌ من قريةٍ إلى قريةٍ، اور چاہے ایک ذات سے دوسری ذات کی طرف ہو جیسے صار زيدٌ من خالدٍ إلى عمروٍ، لیکن آخر الذکر دو قسموں میں یہ ضروری ہے کہ صار إلى کے ذریعہ سے متعدی ہوگا۔

(۳) وتكون تامَّةً بمعنى ثبتَ: کان کی تیسری قسم کان تامہ ہے یعنی وہ کان جس کو کان ناقصہ کی طرح اسم اور خبر کی ضرورت نہ ہو بلکہ صرف اپنے فاعل پر ثبتَ اور وجدَ کی طرح تام ہو رہا ہو جیسے ﴿كن فيكون﴾ اس میں ماضی اور مضارع دونوں صیغے کان تامہ کی مثالیں ہیں۔

(۴) وزائدةً: کان کی چوتھی قسم کان زائدہ ہے، کان زائدہ کا مطلب یہ ہے کہ کلام میں اس کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہو جیسا کہ ایک ہاتھی کی کمر پر کوّا اجازت لئے بغیر بیٹھا ہوا تھا جب اڑنے لگا تو ہاتھی سے کہا کہ ہاتھی صاحب! معاف کرنا؛ میرے بیٹھنے سے آپ کو کافی تکلیف ہوئی ہوگی اور آپ کی کمر میں کافی درد آیا ہوگا، ہاتھی نے جواب دیا کہ آپ کا بڑا شکریہ، لیکن یہ سن لے مجھے تو نہ تیرے آنے کا پتہ چلا تھا اور نہ تیرے جانے کا پتہ چلے گا، بالکل ایسے

ہی کانَ زائدہ کی مثال ہے کہ کلام میں ہوتو بھی صحیح جیسے ﴿کیف نکلم من کان في المهد صبیًّا﴾ اور نہ ہوتو بھی صحیح جیسے کیف نکلم من في المهد صبیًّا۔

درس (۵۰)

باقی افعال ناقصہ کی تفصیل

وصار للانتقال، وأصبح وأمسی وأضحی لاقتران مضمون الجملة بأوقاتها، وبمعنی صار، وتکون تامةً، وظلَّ وبات لاقتران مضمون الجملة بوقتیهما، وبمعنی صار، وما زال وما برح وما فتیءَ وما انفکَّ لاستمرار خبرها لفاعلها مذ قَبِله، ویلزمها النفي، وما دام لتوقیت أمرٍ بمدَّة ثبوت خبرها لفاعلها، ومن ثَمَّ احتاجَ إلی کلامٍ؛ لأنه ظرف، ولیس لمضمون الجملة حالا، وقیل: مطلقًا.

ترجمہ: اور صار انتقال کے معنی میں ہوتا ہے اور أصبح اور أمسی اور أضحی یہ جملے کے مضمون کو ملانے کے لئے آتے ہیں اپنے اوقات کے ساتھ، اور صار کے معنی میں ہوتے ہیں اور ما زال اور ما برح اور ما فتیء اور ما انفکَّ اپنی خبروں کو اپنے فاعل کے لئے استمرار کے ساتھ ثابت کرنے کے لئے آتے ہیں، جب سے اس نے اسے قبول کیا اور ان کو نفی لازم ہے اور ما دام ایک امر کی توقیت کے لئے آتا ہے اس مدت کے ساتھ جس میں اس کی خبر کا ثبوت اس کے فاعل کے لئے ہو، اور اسی وجہ سے

محتاج ہوتا ہے کلام کی طرف؛ کیونکہ وہ ظرف ہے، اور لیس جملہ کے مضمون کی نفی کیلئے آتا ہے زمانہ حال میں، اور کہا گیا ہے مطلقا (مضمون جملہ کی نفی کیلئے آتا ہے)۔

تشریح: آج کے درس میں صرف دو باتیں ہیں:

(۱) افعال ناقصہ میں سے ہر ایک کی تفصیل۔

(۲) لیس میں امام سیبویہ اور جمہور کا اختلاف۔

پہلی بات: افعال ناقصہ میں سے ہر ایک کی تفصیل

وصار للانتقال: صار انتقال کے لئے آتا ہے اس کی پوری تفصیل ماقبل میں کان کی دوسری قسم میں گذر گئی ہے۔

وأصبحَ وأمسى، وأضحى لاقتران مضمون الجملة بأوقاتها: افعال قصہ میں سے یہ تینوں افعال جملہ کے مضمون کو اپنے اوقات کے ساتھ ملانے کے لئے آتے ہیں، جیسے **أصبح زيدٌ ذاكرًا**، یعنی زید صبح کے وقت ذکر کرنے والا ہوا، اور **أمسى زيدٌ مسرورًا**، زید شام کے وقت بڑا خوش ہوا، اور **أضحى زيدٌ مصلّيًا** زید چاشت کے وقت نماز پڑھنے والا بنا۔

وبمعنى صار: فرماتے ہیں کہ مذکورہ تینوں افعال کبھی صارَ فعل ناقص کے معنی میں بھی آتے ہیں لیکن اس وقت ان میں مذکورہ اوقات کا لحاظ نہیں ہوگا اور صار چونکہ انتقال کے لئے آتا ہے یہ بھی انتقال کے لئے آئیں گے، جیسے **أمسى زيدٌ غنيًّا، أي: صارَ غنيًّا**۔

وما زال وما برحَ وما فتئ وما انفكَّ: افعال ناقصہ میں سے یہ

چاروں اپنی خبر کو اپنے فاعل کے لئے دوامی اور استمراری طور پر ثابت کرنے کے لئے آتے ہیں جب سے اس کے فاعل نے اس کی خبر کو قبول کیا ہو، جیسے **ما زال زیدٌ فقیرًا**، یعنی زید ابھی تک فقیر ہے، دیکھئے یہاں ما زال نے اپنی خبر یعنی فقر کو اپنے فاعل (زید) کے لئے دوامی طور پر ثابت کیا ہے، **وقس علیه البواقي**۔

آگے ان چاروں کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ افعال ناقصہ میں سے تب شمار کئے جائیں گے جب ان پر حرف نفی داخل ہو؛ کیونکہ جب ان سے دوام اور استمرار مطلوب ہے تو ان کے لئے نفی لازمی ہوگی جیسے زال کا معنی ہے زائل ہوا یعنی مستقر نہیں رہا، اور فتیءَ اور برحَ کا بھی یہی معنی ہے اور انفکّ کا معنی ہے جدا ہوا، یعنی ساتھ نہیں رہا، آپ نے دیکھا سب میں نفی کا معنی پایا جاتا ہے، لہذا جب ان پر حرف نفی داخل کریں گے تو نفی کی نفی ہو جائے گی اور ضابطہ ہے کہ **نفي النفي یفید إثباتًا واستمرارًا** یعنی نفی کی نفی اثبات اور استمرار کا فائدہ دیتی ہے، اور یہ نفی چاہے لفظا ہو یا معنًا، لیکن اگر دونوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو وہ افعال ناقصہ میں سے نہیں ہوں گے جہاں لفظا حرف نفی داخل ہو اس کی مثال **ما زال زیدٌ فقیرًا**، اور جہاں معنًا ہو اس کی مثال ﴿**تاللہ تفتؤ تذکر یوسف حتی تکون حرضًا أو تکون من الهالکین**﴾، یعنی آپ تو ہمیشہ کے لئے یوسف علیہ السلام کو یاد کرتے رہیں گے۔

وما دام لتوقیت أمرٍ بمدّة ثبوت خبرها لفاعلها: فرماتے ہیں کہ افعال ناقصہ میں سے **ما دام** اس بات کو بتانے کے لئے آتا ہے کہ جب تک میرے فاعل کے لئے میری خبر ثابت ہے اس وقت تک مجھ سے ماقبل والا فعل بھی ثابت ہے، جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالی نے حضرت عیسی علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ہے کہ

﴿وکنت علیم شھیدًا ما دمتُ فیھم﴾ یعنی میں تو اس وقت تک ان پر نگہبان تھا جب تک میں (دنیا میں) زندہ رہا، یعنی میری نگہبانی اپنی امت پر اپنی زندگی تک رہی۔

ومن ثم احتاج إلی کلامٍ: جب یہ آپ نے پہچان لیا کہ مادامَ اپنے ماقبل والے فعل کے وقت کو بتانے کے لئے آتا ہے تو ضروری ہے کہ ما دامَ سے قبل ایک جملہ ہو؛ کیونکہ ما دامَ آخر تک اسی جملہ کے لئے ظرف بنے گا، عزیز طلبہ! مادام سے قبل جملہ موجود ہونے کی شرط دو وجہوں سے لگادی، ایک تو اس لئے کہ ما دامَ کا وضع ہی اس لئے ہوا ہے کہ یہ ماقبل والی چیز کے وقت اور امتداد کو بتائے لہذا اگر اس سے قبل جملہ نہیں ہوگا تو جس طرح صرف یوم الجمعة ظرف کو ذکر کر کے اس سے قبل خرجتُ یا سافرتُ وغیرہ فعل ذکر نہ کرنا غلط ہے تو اسی طرح یہاں بھی ﴿مادمت حیًّا﴾ کو بغیر ﴿کنتُ شھیدًا علیھم﴾ کے ذکر کرنا غلط ہوگا۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ما دام میں ما مصدریہ ہے جس کی وجہ سے پورا جملہ بتاویل مصدر ہو کر مفرد بنے گا، لہذا اس سے قبل ایک جملہ کا ہونا ضروری ہے تاکہ یہ جملہ مفیدہ بن جائے۔

دوسری بات: لیس میں امام سیبویہ اور جمہور کا اختلاف

ولیس لنفي مضمون الجملة حالاً وقیل مطلقًا: افعال ناقصہ میں سے لیسَ کی تحقیق بیان کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ لیسَ مضمون جملہ کی نفی کے لئے استعمال ہوتا ہے پھر اس میں دو مذہب ہیں، مذہب جمہور اور مذہب امام سیبویہؒ۔

جمہور علماء کرامؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس نفی کا تعلق زمانہ حال سے ہوتا ہے جیسے لیسَ زیدٌ قائمًا کا معنی ہوگا کہ زید ابھی کھڑا نہیں ہے، علامہ جامیؒ نے بھی یہی معنی بیان فرمایا ہے، کہ لیس زیدٌ قائمًا أي: الآن۔

اور امام سیبویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لیسَ مطلقًا نفی کے لئے آتا ہے اس میں ماضی حال اور استقبال کا کوئی خاص معنی نہیں ہوتا، اور ان کی دلیل عرب کے ہاں اس کا استعمال ہے یعنی وہ اگر اس کو حال کی نفی کے لئے استعمال کرنا چاہے تو اس کے ساتھ الآن کا قید لگاتے ہیں جیسے لیس زیدٌ قائمًا الآن، اور ماضی کے نفی کے لئے استعمال کرنا ہو تو لیس کے بعد ماضی کا صیغہ لیکر آتے ہیں جیسے لیس خلق الله تعالی مثلہ، یعنی اللہ تعالی نے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کسی کو ماضی میں پیدا کیا ہی نہیں، اور جب مستقبل کی نفی مقصود ہو تو اس سے قبل مضارع کا صیغہ لاتے ہیں، جیسے فرمان باری تعالی ہے: ﴿ألا یومَ یأتیھم لیس مصروفًا عنھم﴾ یعنی خبردار جس دن وہ عذاب آئے گا تو ان لوگوں سے ہٹایا جانے والا نہیں ہوگا۔

عزیز طلبہ! یہ دو مذہب آپ کے سامنے آئے لیکن ان میں صحیح تر اور صاحب کافیہ کا پسندیدہ مذہب جمہور علماء کرام والا ہی ہے؛ کیونکہ ایک تو اس کو پہلے ذکر فرمایا اور دوسرا یہ کہ مذہب دوم کو صیغہ تمریض کے ساتھ ذکر فرمایا۔

درس (۵۱)

دوضروری مسائل کا بیان

ويجوز تقديم أخبارها كلها على أسمائها، وهي في تقديمها عليها على ثلاثة أقسام، قسمٌ يجوز، وهو من: كانَ إلى راحَ، وقسمٌ لا يجوز، وهو ما في أوله ما، خلافًا لابن كيسان في غير ما دامَ، وقسمٌ مختلفٌ فيه، وهو ليسَ.

ترجمه: اور جائز ہے ان تمام کی خبروں کو مقدم کرنا ان کے اسموں پر، افعال ناقصہ اپنی اخبار کی نفس افعال پر تقدیم میں تین قسموں پر ہیں، ایک قسم جو جائز ہے اور وہ کان سے راح تک ہے اور ایک قسم جو جائز نہیں ہے وہ ایسے افعال ناقصہ ہیں جن کے شروع میں ما ہے، یہ خلاف ہے ابن کیسان کے ما دام علاوہ میں، اور ایک وہ قسم جو مختلف فیہ ہے اور وہ لیس ہے۔

تشریح: آج کے درس میں صرف دو مسئلے بیان فرمار ہے ہیں:

(۱) تقدیم اُخبارِ ہا علی اُسمائہا۔

(۲) تقدیم اُخبارِ ہا علیہا۔

پہلا مسئلہ: تقدیم اُخبارِ ہا علی اُسمائہا

ويجوز تقديم أخبارها كلها على أسمائها: عزیز طلبہ ساتھیوں! یہاں افعال ناقصہ کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد علامہ ابن حاجب ان کی خبر سے

متعلق دوضروری مسائل ذکر فرمارہے ہیں، ان دونوں مسئلوں کو علامہ جامیؒ نے شرح جامی میں بڑے بسط وتفصیل سے منطقی انداز میں بیان فرمایا ہے جسے آپ حضرات اگلے سال پڑھیں گے ان شاء اللہ، یہاں تو سیدھے سادھے الفاظ میں نفس مسئلہ یوں سمجھ لو کہ سارے افعال ناقصہ کی خبروں کو ان کے اسماء پر مقدم کرنا جائز ہے، جیسے کان زیدٌ قائمًا سے کان قائمًا زیدٌ، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ افعال ناقصہ افعال ہونے کی وجہ سے عامل قوی ہیں، اور عامل قوی کے معمولات چاہے مرتب ہوں تب بھی عمل کرتا ہے اور اگر غیر مرتب ہوں تب بھی ان میں عمل کرتا ہے۔

دوسرا مسئلہ: تقدیم اُخبارہا علیہا

وهي في تقديمها عليها على ثلاثة أقسامٍ: یہ دوسرا مسئلہ بیان فرمارہے ہیں کہ افعال ناقصہ کے اخبار کو تو آپ نے اسماء پر مقدم کرلیا لیکن کیا انہیں اخبار کو افعال ناقصہ پر بھی مقدم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس میں صاحب کافیہؒ نے افعال ناقصہ کی تین جماعتیں بنائی ہیں:

(۱) **قسمٌ يجوز وهو من كانَ إلى راحَ:** کانَ سے لے کر راحَ تک یعنی کانَ، صارَ، أصبحَ، أمسى، أضحى، ظلَّ، باتَ، آضَ، عادَ، غدا، راحَ، ان گیارہ افعال ناقصہ کے اخبار کو خود ان افعال پر مقدم کرنا جائز ہے، جیسے کان زیدٌ قائمًا سے قائمًا کان زیدٌ، اور وجہ اس کی وہی ہے جو ماقبل میں گذرگئی کہ یہ عوامل قویہ ہیں اور عوامل قویہ کے معمولات چاہے مرتب ہوں تب بھی یہ ان میں عمل کریں گے اور غیر مرتب ہوں تب بھی یہ ان میں عمل

کریں گے۔

(۲) **وقسمٌ لا یجوز وھو مافي أوله ما:** افعال ناقصہ میں سے مازال، ما انفکَّ، مافتیءَ، مابرحَ اور مادامَ کے متعلق فرمارہے ہیں کہ ان کی خبروں کو ان افعال پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ مذکورہ افعال کے شروع میں جو ما ہے یہ بعض افعال میں نافیہ ہے جیسے مازال، ما انفکَّ مافتیءَ اور مابرحَ، اور بعض میں ما مصدریہ ہے، اور ان دونوں سے خبر کو مقدم کرنا ناجائز ہے، اس لئے کہ جن افعال کے شروع میں ما نافیہ ہے ان کی خبر کو یا تو ما نافیہ سے بھی مقدم کریں گے، یا صرف افعال پر مقدم کریں گے، اور ما نافیہ کو اپنی جگہ پر رکھیں گے، پہلی صورت میں ما نافیہ کا صدارت کلام فوت ہو جائے گا، اور دوسری صورت میں اگر چہ صدارت کلام تو برقرار رہے گا لیکن دو خرابیاں لازم آئے گی پہلی یہ کہ جملہ کی ترکیب ہی خراب ہو جائیگی اور معنی صحیح نہیں ہوگا، اور دوسری یہ کہ آپ حضرات نے ماقبل میں پڑھ لیا کہ یہ چاروں افعال افعال ناقصہ میں سے تب شمار ہوں گے جب ان کے شروع میں ما نافیہ ہو، لہذا ایسی صورت میں یہ افعال ناقصہ نہیں رہیں گے اور جب افعال ناقصہ نہیں رہے تو ہمارے بحث سے خارج ہو گئے۔

اور جن کے شروع میں ما مصدریہ ہے اس پر بھی مقدم نہیں کر سکتے، جیسا کہ مادام میں ہے؛ اس لئے کہ ما مصدریہ کی وجہ سے مابعد والا فعل مصدر کے حکم میں ہو جاتا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ مصدر کے معمول کو مصدر پر مقدم نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ مصدر عامل ضعیف ہے جب اس کا عامل اس سے مؤخر ہو تو اس میں عمل کرے گا لیکن

اگراس سے مقدم کیا جائے تو پھر یا اس میں عمل نہیں کر سکے گا۔

خلافًا لابن کیسان: علامہ ابن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مادام میں تو جمہور علماء کرام کا مذہب برحق ہے لیکن اس کے علاوہ دیگر افعال میں مَیں ان کے ساتھ موافقت نہیں کر سکتا؛ کیونکہ ممانعت کی یہاں کوئی وجہ ہی نہیں ہے، اور آپ حضرات نے جو وجہ ممانعت کی بتائی ہے کہ ما نافیہ صدارت کلام چاہتا ہے اور تقدیم خبر کی صورت میں صدارت ختم ہو جائیگی، اس سلسلے میں جناب جمہور صاحبان! عرض یہ ہے کہ یہاں تو نفی ہے ہی نہیں؛ کیونکہ ان افعال میں خود نفی کا معنی پایا جاتا ہے اور جب ان پر ما نافیہ داخل ہو گیا تو نفی النفی یفید الثبوت والاستمرار کے تحت ان میں نفی رہی نہیں، لہذا یہ کان وغیرہ عام افعال ناقصہ کی طرح ہو گئے اور کان وغیرہ میں چونکہ تقدیم خبر جائز ہے اس لئے ان میں بھی جائز ہوگی۔

تقدیم خبر کی ایک اختلافی صورت

وقسمٌ مختلفٌ فیه وهو لیس: تیسری قسم وہ ہے جس کی خبر کے تقدیم وتاخیر میں اختلاف ہے، ایک طرف علماء بصریین اور امام سیبویہ رحمہ اللہ ہیں جبکہ دوسری طرف علماء کوفیین اور امام مبرد رحمہ اللہ ہیں، اول الذکر حضرات فرماتے ہیں کہ لیس پر تقدیم عامل جائز ہے؛ کیونکہ لیس عمل کرتا ہے فعل ہونے کی وجہ سے، اور فعل عامل قوی ہے چاہے معمول اس کا مقدم ہو یا مؤخر، بہر دو صورت وہ اس میں عمل کرتا ہے لہذا لیس بھی ایسا ہی عمل کرے گا جیسے **لیس زیدٌ قائمًا** اور **قائمًا لیس زیدٌ** دونوں صحیح ہیں۔

اور ثانی الذکر علماءِ نحو فرماتے ہیں کہ لیس میں تقدیم خبر نا جائز ہے؛ کیونکہ ایک تو لیس فعل ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ نفی کی وجہ عمل کرتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ لیس فعل نفی ہے جو صدارت کلام چاہتا ہے اور تقدیم کی صورت میں یہ صدارت ختم ہو جائیگی۔

درس (۵۴)

افعال مقاربہ کا بیان

أفعال المقاربة: ما وضع لدنُوِّ الخبر رجاءً أو حصولا أو أخذًا فيه، فالأول عسى، وهو غير متصرف، تقول: عسى زيدٌ أن يخرجَ، وعسى أن يخرج زيدٌ، وقد يحذف أن، والثاني كاد، تقول: كاد زيدٌ يجيء، وقد تدخل أن.

ترجمہ: افعال مقاربہ وہ (افعال) ہیں جو خبر کو (اپنے فاعل کے) قریب کرنے کیلئے وضع کئے گئے ہیں، اور یہ یا تو باعتبار امید کے ہوں، یا باعتبار حصول کے، یا باعتبار اس میں شروع ہونے کے ہوں، پس پہلا عسى ہے، اور وہ غیر متصرف ہے (یعنی اس سے ماضی کے سوا اور کوئی صیغہ نہیں آتا) جیسے تو کہے عسى زيدٌ أن يخرجَ اور عسى أن يخرج زيدٌ، اور کبھی خبر سے أن کو حذف کر دیا جاتا ہے، اور دوسرا کاد ہے جیسے تو کہے کاد زيدٌ يجيء، اور کبھی (کاد کی خبر پر) أنْ مصدریہ داخل ہوتا ہے۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱)افعال مقاربہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔

(۲)فعل ناقص عسی کی قسمیں۔

(۳)افعال مقاربہ کی دوسری قسم کا بیان۔

پہلی بات: افعال مقاربہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

مقاربة: قارَبَ يُقارِبُ مقارَبةً باب مفاعلہ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی قریب کرنے والی، اور اصطلاح میں افعال مقاربہ وہ افعال ہیں جنہیں وضع کیا گیا ہو خبر کو اپنے فاعل کے لئے جلد ثابت کرنے کے لئے، پھر جلد ثابت کرنے کی علماء نحو نے تین صورتیں لکھی ہیں:

(۱) رجاءً: یعنی چاہے جلد ثابت کرنے کی صرف امید ہو جیسے عسی زيدٌ أن يقوم یہاں متکلم کو قیام زید کا یقین تو نہیں ہے البتہ اس کی امید ہے کہ ہوسکتا ہے زید کھڑا ہو جائے۔

(۲) أو حصولاً: دوسری قسم یہ ہے کہ فاعل کے لئے خبر کے حصول کا صرف امید نہیں بلکہ پکا یقین ہوتا ہے؛ کیونکہ خبر کا حصول فاعل کے لئے انتہائی قریب ہوتا ہے، اور یہ کادَ میں ہوگا، اب کادَ اور عسی دونوں میں یہ فرق رہا کہ عسی امید کے لئے آتا ہے اور کادَ یقین کے لئے آتا ہے جیسے کادَ زيدٌ أن يخرجَ۔

(۳) أو أخذًا فيه: تیسری قسم یہ ہے کہ اس کی وضع اس لئے ہوئی ہو کہ وہ یہ بتادے کہ میرے فاعل نے حصول خبر کو یقینی طور پر شروع کرلیا ہے جیسے طفق

زیدٌ یخرج، یعنی زید نکلنے لگا ہے، یہاں طفق فعل مقارب نے یہ بتادیا کہ میرے فاعل یعنی زید نے خروج کا عمل شروع کرلیا ہے، طفق کے علاوہ بھی مندرجہ ذیل افعال اسی معنی کے لئے آتے ہیں: أنشأ، علقَ، أخذَ، بدأ، جعلَ، قامَ اورانبری جیسے التلامیذُ أخذوا یقرؤون القرآنَ، أي: شرعوا في قراء ته۔

فالأول عسی: پہلا معنی جو رجاء والا بیان ہوگیا، فرماتے ہیں کہ اس کے لئے عسی آتا ہے، اس کے علاوہ حری اور اخلولقَ بھی اسی رجاء کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جیسے ﴿عسی الله أن یأتي بالفتح﴾۔

وھو غیر متصرف: فرماتے ہیں کہ عسی فعل غیر متصرف ہے یعنی نہ تو اس کی مضارع آتی ہے نہ اسم فاعل واسم مفعول اور نہ امر ونہی وغیرہ، حتی کہ یہ خود ماضی معلوم کا صیغہ تو ہے لیکن اس کا ماضی مجہول بھی نہیں آتا۔

دوسری بات: فعل مقارب عسی کی قسمیں

تقول: عسی زیدٌ أن یخرج: یہاں سے صاحب کافیہ عسی کا طریقہ استعمال بتارہے ہیں، اور وہ دو طرح کا ہے، عسی تامہ اور عسی ناقصہ، دونوں کے پہچاننے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ عسی کے بعد اگر جملہ اسمیہ ہے تو وہ عسی ناقصہ ہوگا، بایں طور کہ عسی فعل ناقص، زیدٌ اس کا اسم اور أن یخرجَ بتاویل مصدر اس کی خبر، عسی فعل ناقص اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگا، اور اگر اس کے بعد جملہ فعلیہ ہو تو وہ عسی تامہ ہوگا، جیسے عسی أن یخرج زیدٌ اس کی ترکیب اس

طرح ہوگی کہ عسی فعل تام، أن یخرج زیدٌ پورا جملہ بتاویل مصدر کے ہوکر عسی کے لئے فاعل، عسی فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگا۔

وقد یُحذف أن: فرماتے ہیں کہ عسی تامہ اور عسی ناقصہ کے بعد فعل مضارع اکثر أنْ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے لیکن کبھی کبھار اس أنْ کو حذف کر کے فعل مضارع کو بغیر أنْ کے بھی استعمال کرنا جائز ہے۔

تیسری بات: افعال مقاربہ کی دوسری قسم کا بیان

والثاني کادَ: دوسری صورت جو گذری ہے أو حصولا والی، اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کے لئے کادَ آتا ہے جیسے صاحب کافیہ نے مثال دی ہے کادَ زیدٌ یجيءُ، یعنی یقیناً قریب ہے کہ زید آجائے گا۔

وقد تدخلها أن: بھائی! کادَ عسی کے بالکل مخالف ہے باین طریقہ کہ عسی تو اکثر أن کے ساتھ استعمال ہوتا ہے لیکن اس کو حذف کرنا بھی جائز ہے، اس کے برخلاف کادَ کا استعمال اکثر بغیر أن کے ہوتا ہے لیکن کبھی کبھار اس پر أن داخل کرنا بھی جائز ہے جیسے کادَ زیدٌ أن یجيءَ۔

درس (۵۳)

باقی افعال مقاربہ کا بیان

وإذا دخل النفي علی کاد فهو کالأفعال علی الأصحّ، وقیلَ: یکونُ للإثبات، وقیل: یکون في الماضي للإثبات، وفي المستقبل

كالأفعال تمسُّكًا بقوله تعالى: ﴿وما كادوا يفعلون﴾ وبقول ذي الرمة:

إذا غيَّر الهجرُ المحبِّين لم يكدْ
رسيس الهوى من حُب ميَّةَ يبرحُ

والثالث: طفقَ وكَرَبَ وجعلَ وأخذَ، وهي مثل كادَ وأوشكَ، مثل: عسى وكاد في الاستعمال.

ترجمہ: اور جب کاد پر نفی داخل ہو، پس وہ دوسرے افعال کی طرح اصح مذہب کے مطابق (مضمون جملہ کی نفی کے لئے آتا ہے)، اور کہا گیا ہے کہ ماضی میں اثبات کیلئے آتا ہے، اور مستقبل میں افعال کی طرح، دلیل پکڑتے ہوئے اللہ تعالی کے اس قول سے ﴿وما كادوا يفعلون﴾ اور دلیل پکڑتے ہیں ذی الرمۃ کے قول سے (شعر کا ترجمہ یوں ہے) جب جدائی عاشقوں کی محبت کو متغیر کردے میّۃ کی ثابت شدہ محبت کا میرے دل سے زائل ہونا قریب نہیں، اور تیسرا طفق اور کرب اور جعل اور أخذ ہیں اور یہ کاد کی طرح ہیں أوشک یہ عسی اور کاد کی طرح استعمال ہوتا ہے۔

تشریح: آج کے درس میں دو باتیں ہیں:

(۱) کادَ کے متعلق ایک قاعدہ اور علماء نحو کا اس میں تین اقوال۔

(۲) افعال مقاربہ کی تیسری قسم کا بیان۔

پہلی بات: کادَ کے متعلق ایک قاعدہ اور جمہور کا مذہب

وإذا دخل النفي على كادَ: فرماتے ہیں کہ کادَ پر جب حرف نفی داخل ہو جائے تو کیا عام افعال کی طرح اس میں بھی نفی کا معنی آئے گا یا نہیں؟ لہذا اس کے متعلق ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾ پر عمل کرتے ہوئے اپنی کم مائیگی کا کشکول ہاتوں میں لئے ہوئے جب ہم علماء نحو کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ حضرات! کیا فرماتے ہیں علماء نحو اس مسئلے کے بارے میں؟ تو ان میں جمہور علماء نحو نے تو یہ جواب دیا کہ بالکل جی کالأفعال، یعنی جیسے عام افعال مثبتہ حرف نفی کے آنے سے افعال منفیہ بن جاتے ہیں، ایسے ہی کادَ فعل ماضی ہو یا اس کی مضارع جب اس پر حرف نفی داخل ہو جائے تو یہ بھی فعل منفی بن جائے گا؛ کیونکہ اس کو عام افعال سے مستثنی کرنے کے لئے کوئی خاص قاعدہ تو نہیں۔

دوسرا مذہب

دوسرے مذہب والے یعنی بعض علماء نحو نے یہ جواب دیا کہ یکون للإثبات، یعنی یہ عام افعال کے بالکل برعکس ہے، یعنی اس پر حرف نفی داخل ہو کر اثبات کا معنی دے گا نہ کہ نفی کا؛ کیونکہ اگر اس کو منفیہ مان لیا جائے تو بعض نصوص تک کا معنی غلط ہو جائے گا، جیسے قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے ﴿فذبحوها وما كادوا يفعلون﴾، اس میں اگر وما کادوا کو فعل منفی مان لیا جائے تو بعینہ اس چیز کی نفی لازم آئی گی جس کے اثبات کے متعلق اللہ تعالی ہمیں خبر دے رہے ہے، یہ تو ماضی میں عمل نہ کرنے کی دلیل تھی، اب فعل مضارع میں عمل نہ کرنے کی

دلیل عرب کے ایک مشہور شاعر ذی الرمۃ کے ایک شعر سے دے رہے ہیں:

إذا غيّر الهجر المحبّين لم يكدُ

دسيس الهوى من حبّ ميّة يبرح

یعنی جب بدل دے جدائی دوستوں کو تو میری محبوبہ میۃ کی محبت بھی میرے دل سے زائل ہونے کی قریب ہوجاتی ہے۔

عزیز طلبہ! آپ نے دیکھا ترجمہ کو یعنی زائل ہونے کے قریب ہوجاتی ہے، اگر تو یہ نفی کا فائدہ دیدیتا تو معنی ہرگز اثبات والا نہ ہوتا۔

لہذا ہم نے جمہور علماء نحو سے دوبارہ عرض کیا کہ حضرات! یہ لوگ کیا فرما رہے ہیں انہوں نے تو قرآن مجید اور ایک مشہور شاعر کے ایک شعر سے دلائل پیش کیے؟۔

جمہور علماء نے جواب دیا کہ عزیز طلبہ! **علیکم بالسواد الأعظم**، یعنی ہمیشہ کے لئے بڑی جماعت یعنی اہل حق کے ساتھ رہنے کا سبق تو ہمیں دربار نبوت سے ملا ہے، لہذا آپ بھی ہماری بات کو مان کر مطمئن رہیں، رہی ان کی دلائل، تو وہ تو اصل میں ہمارے دلائل ہیں، قرآن مجید کی آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا کہ پس انہوں نے اس کو ذبح کیا، حالانکہ وہ اس کے موڈ میں نہیں تھے، یعنی بادل ناخواستہ اور دل سے نہ چاہتے ہوئے انہوں نے اس کو ذبح کیا، اس طرح ترجمہ میں کوئی خرابی بھی لازم نہیں آتی اور وما کادوا فعل بھی فعل منفی ہی رہا، اور رہا ذی الرمۃ کا شعر، تو اس کا ترجمہ بھی یہ ہے کہ جب جدائی بڑے بڑے دوستوں کو ایک دوسرے سے جدا کردیتی ہے اور ان کے دلوں سے محبتوں کے جنازے نکال دیتی ہے تو ایسے موقعوں میں بھی میرے دل کی گہرائیوں سے اپنی محبوبہ کی محبت زائل نہیں ہوتی، بلکہ برقرار رہتی ہے۔

اب دیکھئے اس میں کونسی خرابی لازم آتی ہے؟ فما هو جوابهم فهو جوابنا، اور یہ یاد رکھو عزیز طلبہ! کہ اگر اس کونفی کے معنی میں نہیں لیا تو قرآن مجید کی دوسری آیت ﴿إذا أخرج يده لم يكد يراها﴾ کا ترجمہ بالکل غلط ہو جائے گا۔

تیسرا مذہب

وقيل يكون في الماضي للإثبات وفي المستقبل كالأفعال: یہ بھی بعض دیگر علماء نحو کا مذہب ہے اس کو آسان الفاظ میں اس طرح سمجھ لو کہ ماضی پر دخول ما کی صورت میں تو یہ حضرات مذہب ثانی والوں کے ساتھ ہیں، اور مضارع پر دخول ما کی صورت میں جمہور علماء کے ساتھ ہے، لہذا ہر دو مقام پر ان کے دلائل وہی ہوں گے جو مذہب اول اور ثانی کے تھے۔

عزیز طلبہ! آپ نے دیکھا کہ مذاہب تو تین بیان ہوئے لیکن صاحب کافیہ نے تینوں میں سے صحیح تر مذہب جمہور علماء نحو کا قرار دیا۔

دوسری بات: افعال مقاربہ کی تیسری قسم کا بیان

والثالث: طفق وكربَ وجعلَ: فرماتے ہیں کہ افعال مقاربہ کی تیسری صورت جو أو أخذًا فيه میں بیان ہوئی تھی، اس کے لئے طفقَ کربَ جعل اور أخذَ استعمال ہوتے ہیں، یعنی یہ افعال یہ بتاتے ہیں کہ ہمارے فاعل نے ہمارے خبروں کو یقینی طور پر حاصل کرنا شروع کر دیا ہے، صاحب کافیہ آگے ان کی خبروں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان میں سے طفقَ کربَ جعل اور أخذ تو کادَ کی طرح ہیں، یعنی ان کی خبریں بھی فعل مضارع کی صورت میں کبھی اَن کے ساتھ اور کبھی بغیر

اُن کے استعمال ہوگی جیسے ﴿وطفقا یخصفان علیهما من ورق الجنة﴾ اور طفقَ زیدٌ أن یخرج۔

وأوشک مثل عسی: فرماتے ہیں کہ أوشکَ فعل مقارب تامہ اور ناقصہ ہونے میں عسی کی طرح ہے، تفصیل آپ پڑھ چکے ہو جیسے ناقصہ کی مثال أوشک زیدٌ أن یخرجَ، اور تامہ کی مثال: أوشکَ أن یخرجَ زیدٌ۔

وكادَ في الاستعمال: اور یہی أوشکَ بالکل کادَ کی طرح ہے دخول اَن علی خبرہ اور عدم دخول اَن علی خبرہ میں جیسے أوشکَ زیدٌ یخرج، اور أوشکَ یخرج زیدٌ۔ والله أعلم بالصواب وعلمه أتم وأكمل.

درس (۵۴)

فعل تعجب کا بیان

فعل التعجب: ما وضع لإنشاء التعجُّب، وله صيغتان: ما أفعله وأفعل به، وهما غير متصرفين، مثل: ما أحسنَ زيدًا، وأحسِنْ بزيدٍ، ولا يبنيان إلا مما يُبنى منه أفعل التفضيل، ويتوصل في الممتنع بمثل: ما أشد استخراجه وأشدد باستخراجه.

ترجمہ: فعل تعجب وہ ہے جو تعجب پیدا کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہو، اور اس کے دو صیغے ہیں ما أفعله اور افعل به، اور یہ دونوں غیر متصرف ہیں جیسے ما أحسن زید أو أحسن بزید، اور یہ نہیں بنائے جاتے ہیں مگر اس سے جس سے افعل التفضیل

بنایا جاتا ہے، اور پہچانا جاتا ہے ممتنع میں ما أشدُّ استخراجه و أشدِدْ باستخراجه کی مثل کے ساتھ۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) فعل تعجب کی تعریف۔

(۲) فعل تعجب کے صیغوں کی تحقیق۔

(۳) فعل تعجب کے لئے دو قواعد۔

پہلی بات: فعل تعجب کی تعریف

فعل تعجب کا لغوی معنی ہے نفس کا ایسی چیز کے ادراک کے وقت متأثر ہونا جس چیز کا سبب پوشیدہ ہو، اور اصطلاح نحو میں فعل تعجب کی تعریف خود صاحب کافیہ بیان فرمارہے ہیں کہ ما وضع لإنشاء التعجب یعنی فعل تعجب وہ ہے جسے انشاء تعجب کے لئے وضع کیا گیا ہو، نہ کہ تعجب کی خبر دینے کے لئے، لہذا تعجبتُ اور تحیّرتُ وغیرہ اس سے نکل جائیں گے؛ کیونکہ ان میں تعجب کی خبر دی گئی ہے جو پہلے آپ کو کسی چیز کے بارے میں ہوا ہو۔

دوسری بات: فعل تعجب کے صیغوں کی تحقیق

ولہ صیغتان: یعنی فعل تعجب کے دو صیغے آتے ہیں ما أفعله جیسے ما أحسن زیدًا، اس میں ما استفہامیہ بمعنی أيُّ شيءٍ کے مضاف مضاف الیہ دونوں مل کر مبتداء بن رہا ہے اور أحسن فعل ماضی ھو ضمیر اس کے اندر فاعل ہے جو أيُّ شيءٍ کی طرف لوٹ رہی ہے، زیدًا مفعول بہ ہے، فعل اپنے ضمیر فاعل اور مفعول بہ

سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر مبتداء کے لئے خبر، مبتداء اپنے خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا، یہ امام فراء صاحب رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

امام سیبویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ما بمعنی شيءٌ کے ہے اس کی صفت محذوف ہے، موصوف اپنی صفت محذوفہ کے ساتھ مل کر مبتداء ہوا، اور أحسن زیدًا کی وہی ترکیب کر کے جملہ فعلیہ بنا کر مبتداء کے لئے خبر بنادیں گے، یعنی جس طرح شرٌّ أهرَّ ذا نابٍ کی ترکیب کی تھی اسی طرح اس کی بھی ہوگی۔

تیسرا مذہب یہ ہے کہ ما بمعنی الذي اسم موصول کے ہے، اور أحسن زیدًا پورا جملہ فعلیہ اس کے لئے صلہ ہو جائے گا، پھر موصول صلہ دونوں مل کر مبتداء ہو جائے گا، اور خبر اس کی محذوف ہوگی جو شيءٌ عظیمٌ ہے۔

دوسرا صیغہ ہے أفعِل به جیسے أحسِنُ بزیدٍ، اس میں أحسن صیغہ امر بمعنی ماضی أحسَنَ ہے، أحسَنَ فعل ہے آگے بزیدٍ میں باء زائدہ ہے، اور هو ضمیر راجع بسوئے زید اس کا فاعل ہوگا، فعل اپنے فاعل سے مل جملہ فعلیہ خبر یہ ہوگا۔

وهما غیر متصرفَین: یعنی فعل تعجب کے صرف یہی دو صیغے آتے ہیں ان کے علاوہ نہ ان کا تثنیہ آتا ہے اور نہ جمع، اور نہ مجہول اور نہ مضارع وغیرہ۔

تیسری بات: فعل تعجب کے لئے دو قواعد

ولا یبنیان إلا مما یُبنی منه أفعل التفضیل: جس طرح آپ صاحبان ماقبل میں پڑھکر آرہے ہو کہ اسم تفضیل ہر باب سے نہیں آتا، بلکہ صرف ثلاثی مجرد کے ابواب سے آتا ہے، اور کہ ثلاثی مجرد کے بھی صرف وہی ابواب جن میں لون

اور عیب کے معنی نہ ہوں، اسی طرح فعل تعجب بھی فقط ثلاثی مجرد کے ان ابواب سے آئے گا جن میں لون اور عیب کے معنی نہ ہوں، یہ پوری تفصیلات آپ حضرات نے علم الصیغہ میں پڑھی ہیں، چنانچہ ان تفصیلات کو دیکھ کر سمجھ لو کہ أقبح، أعرج، أحمر، أصفر وغیرہ کلمات سے جس طرح اسم تفضیل نہیں بنتا، اسی طرح ان سے فعل تعجب کے صیغے بھی نہیں آئیں گے۔

دوسرا قاعدہ

ویتوصل في الممتنع بمثل ما أشد: یہاں سے دوسرا قاعدہ بیان فرمارہے ہیں کہ وہ ابواب جن سے ماقبل میں بیان کئے گئے قاعدے کے رُو سے فعل تعجب نہیں آتا، اگر کہیں ہمیں ضرورت پڑ جائے انہیں ابواب سے فعل تعجب کی، تو آیا اس کے لئے بھی کوئی قاعدہ یا رعایت ہے یا بالکل ممنوعًا منعًا باتًا والی بات ہے؟۔

تو صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ ہاں جی! اس کے لئے بھی قاعدہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ شدت، ضعف، حسن اور قبح جیسے مصادر سے فعل تعجب کے صیغے بنا کر اس کے آگے اسی باب کے مصدر کو ذکر کیا جائے، جس سے فعل تعجب بنانا ممنوع ہو، اور یہ مصدر پہلے صیغے میں منصوب ہو کر مفعول بہ بنے گا جیسے **ما أشدُّ استخراجًا**، اور **ما أقبحُ عرجًا** وغیرہ، اور دوسرے والے صیغہ میں اس کو باء جارہ کا مجرور بنائیں گے جیسے **أشدِدْ باستخراجه**، اور **أشدِد بقبحه** وغیرہ۔

درس (۵۵)

فعل تعجب کے متعلق تیسرا قاعدہ

ولا يتصرف فيهما بتقديم وتأخير ولا فصل، وأجاز المازني الفصلَ بالظروف، وما ابتداءٌ نكرةٌ عند سيبويه، وما بعدها الخبر، وموصولةٌ عند الأخفش، والخبر محذوفٌ، وبه فاعلٌ عند سيبويه فلا ضميرَ في أفعل، ومفعولٌ عند الأخفش، والباء للتعدية أو زائدةٌ ففيه ضميرٌ.

ترجمہ: اورنہیں تصرف ہوتا ان دونوں میں تقدیم اورتاخیر سے اور نہ فصل سے، اور جائز قرار دیا ہے امام مازنیؒ نے فصل کوظرف کے ساتھ، اور ما مبتدا نکرہ ہے سیبویہ کے نزدیک، اوراس کا مابعد خبر ہے، اور ما موصولہ ہے اخفش کے نزدیک، اور خبر محذوف ہے، اور بہ میں ہ ضمیر فاعل ہے سیبویہ کے نزدیک، پس ضمیر فاعل نہیں ہوگی أفعل میں، اور مفعول ہے اخفش کے نزدیک اور (بہ میں) با تعدیہ کیلئے ہے یا زائدہ ہے پس اس (أحسن) میں ضمیر ہے۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) تیسرا قاعدہ اور جمہور علماء نحو کا موقف۔

(۲) امام مازنی رحمہ اللہ کا قول۔

(۳) فعل تعجب کے صیغوں کی ترکیب میں اختلاف۔

پہلی بات: تیسرا قاعدہ اور جمہور علماءِ نحو کا موقف

ولا یتصرف فیھما بتقدیم وتاخیرٍ ولا فصلٍ: یہاں آپ کو دو چیزیں بتا رہے ہیں، پہلی یہ کہ فعل تعجب اور اس کے معمول میں تقدیم اور تاخیر کے اعتبار سے کوئی تصرف اور تبدیلی جائز نہیں ہے، چنانچہ **مازیدٌ أحسنَ** اور **بزیدٍ أحسِنْ** کہنا صحیح نہیں ہوگا، یہ مسئلہ اتفاقی ہے بین سائر النحویین، لیکن اگلا جو مسئلہ ہے اس میں کچھ اختلاف ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ فعل تعجب اور اس کے معمول کے درمیان کسی اور کلمہ کے ذریعے فصل لانا بھی جائز نہیں ہے، چنانچہ **ما أحسنَ الیومَ زیدٌ**، اور **أحسِنْ أمسِ بزیدٍ** کہنا صحیح نہیں ہے، اسی طرح ما اور فعل تعجب کے درمیان بھی فاصلہ لانا صحیح نہیں ہے، چنانچہ **ما الیومَ أحسنَ زیدٌ** کہنا بھی جائز نہیں ہے، اور وجہ ان دونوں باتوں کی یہ ہے کہ یہ دونوں صیغے جب انشاء تعجب یعنی تعجب کرنے کے لئے وضع کئے گئے تو یہ امثال یعنی کہاوتوں کے قائمقام بنے، لہذا جس طرح امثال اور کہاوتوں میں تبدیلی صحیح نہیں ہے ایسا ہی ان دونوں صیغوں میں بھی تبدیلی صحیح نہیں ہے، کہاوت کی مثال آپ اس طرح سمجھ لیں کہ مثلاً آپ کے درس گاہ میں ایک طالب علم استاد کے سامنے بڑا ہی شریف بنا رہتا ہو، سر پر بڑی اچھی پگڑی پہنے ہوئے ہو، اور بظاہر بڑا ہی محنتی طالب علم لگ رہا ہو، اور کافیہ پڑھانے والے استاد کو اس سے بڑی اچھی امیدیں وابستہ ہو چکی ہو کہ میرے پڑھانے سے پورے درجہ ثالثہ والوں کو کچھ فائدہ ہو نہ ہو، یہ تو ماشاء اللہ ایک کامیاب مدرس بنے گا، چنانچہ ایک دن انہیں امیدوں کے ساتھ جب استاد محترم

نے ان کو کھڑا کیا اور کچھ پوچھا تو وہ اندر سے بالکل ہی لم تیج ہی نکلا، تو استاد محترم ایک ٹھنڈی سانس لیکر بڑے افسوس سے کہنے لگے کہ کھودا پہاڑ، نکلا چوہا، وہ بھی مرا ہوا، اب یہ ایک کہاوت ہے جو ایسے موقعوں پر بولی جاتی ہے، اور اس کے الفاظ میں تقدیم وتاخیر اور کسی فاصل کے ذریعے کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی، تو ایسی ہی فعل تعجب کے مذکورہ دونوں صیغے بھی کسی حیران کن چیز کو دیکھ کر کہاوت کی طرح بولے جاتے ہیں، اس لئے اس میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی جائیگی، یہ تو جمہور علماء نحو کا قول ہے۔

دوسری بات: امام مازنی رحمہ اللہ کا قول

وأجاز المازني الفصلَ بالظروف: امام مازنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور صاحبان! معاف کرنا، میں تو آپ لوگوں کے ساتھ ہوں لیکن آپ حضرات نے جو **الفصل بين العامل والمعمول** کا دروازہ بالکل بند کرلیا ہے، اس میں میری رائے یہ ہے کہ اور کسی چیز کے ذریعے فصل لانا تو صحیح نہیں ہے، لیکن ظرف کے ذریعے فاصلہ لانے میں کوئی حرج نہیں ہوگا، کیونکہ ظرف میں ہر چیز کے لئے وہ وسعت پائی جاتی ہے جو اس کے غیر میں نہیں ہوتی، کیونکہ کوئی بھی چیز ہو یا کوئی بھی فعل ہو وہ ضرور کسی زمانے میں ہوگا اور ضرور کسی جگہ ہوگا اور یہ دونوں ظرف ہیں، لہذا جب ہر چیز کے ساتھ ظرف کا تعلق ہے تو یہاں بھی اس کے لئے اتنی گنجائش چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

اسی طرح کانَ زائدہ کے ذریعے ما اور فعل تعجب کے درمیان فصل لانا جائز ہے، کیونکہ یہ ایک زائد اور بے معنی چیز ہے جس کا آنا اور جانا دونوں برابر ہیں، لہذا

اس کے ذریعے فصل لانا بھی جائز ہوا جیسے ما كانَ أحسنَ زيدٌ۔

تیسری بات: مذکورہ دونوں صیغوں کی ترکیب میں اختلاف

وما ابتداءٌ نكرةٌ عند سيبويه: امام سیبویہ رحمہ اللہ اور امام خلیل صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ما بمعنی شيءٌ نکرہ مبتدا ہے، اور مابعدها الخبر اور بعدولا جملہ فعلیہ اس کے لئے خبر بنے گا۔

وموصولة عند الأخفش والخبر محذوف: امام اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ما أحسنَ زيدٌ میں ما موصولہ اور أحسنَ زيدٌ جملہ فعلیہ اس کے لئے صلہ ہے، موصول صلہ دونوں مل کر مبتداء ہے، اور اس کی خبر شيءٌ عظيمٌ ہے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ما استفہامیہ بمعنی أيُّ شيءٍ مبتداء ہے اور بعدوالا جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے، لہذا التقدیری عبارت اس طرح ہوگی: أيُّ شيءٍ أحسنَ زيدًا۔

وبه فاعلٌ عند سيبويه فلا ضمير في أفعل: دوسرے صیغے یعنی أحسِنْ به کے بارے میں امام سیبویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ أحسِنْ بمعنی حَسَنَ فعل ماضی ہے جو منقول إلی التعجب ہے، اور ضمیر اس میں کوئی نہیں ہے، اور آگے بہ میں باء حرف جر زائد ہے، اور ھو ضمیر حسنَ کے لئے فاعل ہے، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ بن جائے گا۔

ومفعولٌ عند الأخفش: امام اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ أحسِنْ بمعنی فعل ماضی ہے اس کے اندر ضمیر اس کا فاعل ہے اور بہ میں باء زائدہ ہے، اور ضمیر

أحسنُ کے لئے مفعول بہ بن رہا ہے، أحسنُ فعل اپنے ضمیر فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

ایک سوال مقدر کا جواب

جب ماقبل کی ترکیبیں آپ حضرات کے سامنے آگئیں، تو ایک طالب علم نے کھڑے ہو کر سوال کیا کہ استاذ جی! یہ کیا ظلم ہے أحسِـــنْ پر، یہ تو فعل لازم ہے جو اپنے فاعل پر تمام ہو جاتا ہے، لیکن آج امام اخفش صاحب زبردستی اس پر مفعول بہ کا بوجھ ڈال رہے ہیں؟۔

اس کے جواب میں صاحب کافیہ گویا کہ بزبان حال گویا ہوئے کہ مولانا! آپ کے ہونہار طالب علم کو میں جواب دے رہا ہوں وہ یہ کہ والباء للتعدية، یعنی میرے عزیز! آپ نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ أحسِـــنْ فعل لازم ہے، لیکن آپ نے یہ بھی ایک قاعدہ پڑھا ہے کہ فعل لازم کے معمول پر جب باء داخل ہوتی ہے تو وہ فعل لازم سے متعدی بن جاتا ہے، اور یہاں بھی یہی ہوا ہے، کہ اس کے معمول پر باء داخل ہے، جس نے اس کو متعدی بنا کر مفعول بہ کا مقتضِی اور قابل تحمل بنا دیا ہے، اور اگر آپ یہ کہے کہ یہ باء تو زائدہ ہے، اس نے لازم کو کیسے متعدی بنا دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بھائی! ہم مان لیتے ہیں کہ یہ زائدہ ہی سہی، لیکن اس کے علاوہ بھی ایک اور چیز ہمارے پاس موجود ہے، وہ یہ کہ أحسِن بمعنی أحسنَ فعل ماضی کے ہے اور اس میں ہمزہ جو باب افعال کی علامت ہے اس کی وجہ سے یہ متعدی بنا ہے، جیسا کہ خرجَ سے أخرجَ متعدی بنا ہے، تو یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ فعل متعدی ہے فعل

لازم نہیں ہے۔

جب باء تعدیہ کے لئے ہوتو مذکورہ مثال اس طرح ہوگی أحسِنْ أنتَ بزيدٍ، اور جب باء زائدہ ہوتو اس طرح ہوگی: أحسنْ أنت زيدًا، لہذ اأحسنَ فعل اس کے اندر ضمیر اس کا فاعل، باء زائدہ، اور ہو ضمیر اس کے لئے مفعول بہ ہے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ والله أعلم بالصواب وعلمه أتم وأكمل۔

درس (٥٦)

افعال مدح وذم کا بیان

أفعال المدح والذم: ما وُضع لإنشاء مدح أو ذمٍّ، فمنها: نِعمَ وبئسَ وشرطهما أن يكون الفاعل معرفًا باللام، أو مضافًا إلى المعرف بها، أو مُضمرًا مميزًا بنكرةٍ منصوبةٍ، أو بما، مثل: ﴿فنعمَّا هي﴾ وبعد ذلك المخصوصُ وهو مبتدأ ماقبله خبره، أو خبر مبتدأ محذوفٍ، مثل: نعم الرجلُ زيدٌ، مطابقة الفاعل، و﴿بئس مثل القومِ الذين كذبوا﴾ وشبهه متأولٌ، وقد يُحذف المخصوص إذا عُلم مثل: ﴿نعم العبدُ﴾ و﴿فنعم الماهدون﴾، وساءَ مثل بئسَ، ومنها حبَّذا وفاعله ذا، ولا يتغيرُ، وبعده المخصوص، وإعرابه كإعراب مخصوصِ نعم، ويجوز أن يقع قبل المخصوص وبعده تمييزٌ أو حالٌ

على وفق مخصوصه.

ترجمہ: افعال مدح وذم وہ ہیں جو مدح یا مذمت بیان کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہوں، پس ان میں سے ایک نعم اور دوسرا بئس ہے، ان دونوں کی شرط یہ ہے کہ (ان کا) فاعل معرف باللام ہو یا معرف باللام کی طرف مضاف ہو یا ایسی ضمیر (مستتر ہو) جس کی تمیز نکرہ منصوبہ ہو یا (تمیز) کلمہ ما کے ساتھ ہو جیسے ﴿فنعما هي﴾، اور اس کے بعد مخصوص ہوتا ہے، اور وہ (مخصوص) مبتدا ہو، اور اس کا ماقبل اس کی خبر ہو مبتدا محذوف کی جیسے نعم الرجل زیدٌ، اور اس (مخصوص بالمدح وبالذم) کی شرط یہ ہے کہ وہ مطابق ہو فاعل کے، اور ﴿بئس مثل القوم الذين كذبوا﴾ اور اس کے مشابہ متأول ہے، اور کبھی حذف کیا جاتا ہے مخصوص کو جب (قرینہ) پایا جائے جیسے ﴿نعم العبد اور فنعم الماهدون﴾، اور ساءَ بھی بئسَ کی طرح ہے، اور ان میں سے ایک حبذا ہے، اور اس کا فاعل ذا ہے اور یہ بدلتا نہیں (یعنی ہمیشہ ایک حالت پر رہتا ہے)، اور اس کے بعد مخصوص بالمدح ہے، اور اس کا اعراب نعم مخصوص بالمدح کے اعراب کی طرح ہے، اور جائز ہے مخصوص سے پہلے یا اس کے بعد تمیز یا حال کا واقع ہونا اپنے مخصوص کے مطابق۔

تشریح: بھائی فعل کے مباحث میں سے آج آخری بحث ہے اس میں چھ باتیں ہیں، اس کو خوب غور سے سنو:

(۱) افعال مدح وذم کی تعریف۔

(۲) افعال مدح وذم کے فاعل کے لئے شرائط۔

(۳) مخصوص بالمدح والذم کی ترکیبی حالت۔

(۴) فاعل اور مخصوص بالمدح والذم میں مطابقت۔

(۵) مخصوص بالمدح کو حذف کرنا۔

(٦) حبذا کی تحقیق۔

پہلی بات: افعال مدح وذم کی تعریف

أفعال المدح والذم ما وضع لإنشاء مدحٍ أو ذمٍّ: افعال مدح وذم وہ افعال کہلاتے ہیں جنہیں کسی کی مذمت یا کسی کی تعریف بیان کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہوں۔

فمنها نعمَ وساءَ: فرماتے ہیں کہ افعال مدح وذم میں سے نِعمَ اور ساءَ ہیں، نِعمَ فعل مدح ہے اور ساءَ فعل ذم ہے، اسی طرح ان کے ساتھ بئسَ اور حبذا بھی ہیں، یعنی بئسَ ساءَ کے ساتھ ہے، اور حبذا نِعم کے ساتھ ہے، چنانچہ اس کی مثال اس طرح بنے گی: **نعم الرجال أصحاب الرسول ﷺ**، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا ہی اچھے اور بھلے لوگ تھے، اور **بئس الرجال رجال الکفر والشرک**، یعنی کفر اور شرک والے کیا ہی بدترین خلائق ہیں۔

دوسری بات: افعال مدح وذم کے فاعل کے لئے شرائط

وشرطهما أن یکون الفاعل معرفًا باللام: اس عبارت میں صاحب کافیہ افعال مدح وذم کی کچھ خصوصیات یا شرائط ذکر فرما رہے ہیں:

(۱) پہلی خصوصیت یا شرط یہ ہے کہ ان کا فاعل یا تو معرف باللام ہوگا جیسے نعم

الرجل زیدٌ، یہاں الرجل میں الف لام عندذہنی ہوگا، اس لئے الرجل سے غیر متعین فرد مراد ہے، پھر آگے مخصوص بالمدح یا مخصوص بالذم سے اس کی تعیین ہوگی۔

(۲) أو مضافًا إلى المعرف بها: دوسری شرط یہ ہے کہ اگر اس کا فاعل معرف باللام نہ ہوتو کسی معرف باللام کلمہ کی طرف اس کی اضافت ہوئی ہوگی، چاہے بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ جیسے نعم صاحب الرجل زیدٌ، اور نعم فرس غلام الرجل، اور نعم وجه فرس غلام الرجل۔

(۳) أو مضمرًا مميزًا بنكرة منصوبةٍ: یا اس کا فاعل ضمیر ہوگا، اور وہ ضمیر ترکیب میں ممیّز بنے گا، پھر اس کے اندر ابہام کو ختم کرنے کے لئے یا تو اس کے بعد ایک اسم نکرہ ہوگا جو اس کے لئے تمیز بنے گا جیسے نعم رجلاً زیدٌ، اس میں نعم فعل مدح ہے، اس کے اندر ضمیر ممیّز ہے رجلاً اس کی تمیز ہے، ممیّز تمیز دونوں مل کر نعم کے لئے فاعل ہوگا اور زیدٌ مخصوص بالمدح ہوگا۔

(۴) أو بما، مثل: ﴿فنعما هي﴾: یا اس ضمیر ممیّز کی تمیز ما بمعنی شيءٌ کی صورت میں ہوگی جیسے آیت مبارکہ میں نعم کے اندر ضمیر مبہم کی تمیز ما کی صورت میں آئی ہے۔

وبعد ذلك المخصوص: فرماتے ہیں کہ فاعل تینوں صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں ہو اس کے بعد جو اسم ہوگا وہ مخصوص بالمدح ہوگا اگر ماقبل والا فعل افعال مدح میں سے ہو، اور مخصوص بالذم ہوگا اگر ماقبل والا فعل افعال ذم میں سے ہو۔

تیسری بات: مخصوص بالمدح والذم کی ترکیبی حالت

وهو مبتدأ ماقبله خبره أو خبرٌ مبتدأ محذوف: عزیز طلبہ! مذکورہ عبارت میں صاحب کافیہ مخصوص بالمدح اوالذم کی ترکیبی حالت بیان فرمارہے ہیں، چنانچہ پہلی ترکیب تو یہ بتارہے ہیں کہ یہ خود مبتدا ہوگا اور ماقبل والا جملہ فعلیہ اس کے لئے خبر مقدم بنے گا، اور دوسری ترکیب یہ ہے کہ یہ خود مبتدا محذوف کے لئے خبر بنے گا جیسے **نعم الرجل زيدٌ** کی تقدیری عبارت یہ ہوگی **نعم الرجل هو زيدٌ**۔

چوتھی بات: فاعل اور مخصوص بالمدح والذم میں مطابقت

وشرطه مطابقة الفاعل: فرماتے ہیں کہ مخصوص بالمدح اور مخصوص بالذم کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ تذکیر اور تانیث میں، افراد تثنیہ جمع میں اپنے فاعل کے مطابق ہو جیسے **نعم الرجل زيدٌ، نعم الرجلان الزيدان، نعم الرجال الزيدون، نعمت المرأة هندٌ ونعمت المرأتان الهندان** وغیرہ۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

صاحب کافیہ نے جب مطابقت کی بات کی، تو سارے طالب علموں کو ایک شبہ سا ہوا کہ ﴿**بئسَ مثل القوم الذين كذبوا بآياتنا**﴾ میں تو مذکورہ مطابقت نہیں پائی جاتی؛ کیونکہ اس میں **بئس** فعل ذم کا فاعل ﴿**مثل القوم**﴾ مفرد ہے، اور مخصوص بالذم ﴿**الذين كذبوا بآياتنا**﴾ جمع ہے؟۔

صاحب کافیہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ **و**﴿**بئس مثل القوم الذين كذبوا**﴾ **وشبهه متأوّل**، یعنی میرے عزیز طلبہ! صرف اس آیت کی

بات نہیں بلکہ کوئی بھی جملہ یا آیت اس جیسی ہو تو اس میں تاویل کریں گے، تاکہ دونوں کے درمیان مطابقت پائی جائے مثلاً مذکورہ آیت مبارکہ میں دو طرح کی تاویل ہو سکتی ہے، ایک تو یہ کہ مخصوص بالذم ﴿الذین کذبوا﴾ نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے ایک اور لفظ (مثل) مقدر ہے وہی مخصوص بالذم ہے، جس کی تقدیری عبارت اس طرح ہوگی بئس مثل القوم مثل الذین کذبوا بآیاتنا، یہاں دونوں مفرد ہیں لہذا مطابقت پائی گئی۔

تاویل کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ﴿الذین کذبوا بآیاتنا﴾ مخصوص بالذم نہیں ہے، بلکہ یہ موصول صلہ القوم کی صفت ہے، پھر مثل مضاف اور یہ سارا اس کے لئے مضاف الیہ ہے، مضاف مضاف الیہ مل کر بئس کا فاعل ہے، اور مخصوص بالذم یہاں محذوف ہے جو کہ مثلھم ہے، لہذا فاعل بھی مثل مضاف ہے اور مخصوص بالذم بھی مثل مضاف ہے۔ فمابقیت أیة الشبهة عندکم أیها الطلبة الکرام۔

پانچویں بات: مخصوص بالمدح والذم کو حذف کرنا

وقد یحذف المخصوص إذا علم: فرماتے ہیں کہ جب سیاق وسباق یا کسی قرینہ کی وجہ سے مخصوص بالمدح والذم معلوم ہو تو اس کو حذف کرنا بھی جائز ہے، جیسے ﴿نعم العبد إن أواب﴾ یہاں نعم فعل مدح العبد اس کا فاعل، اور مخصوص بالمدح کو حذف کر دیا گیا ہے، اور وہ أیوب علیہ السلام ہے، قرینہ یہاں پر یہ ہے کہ قصہ ہی ان کا چل رہا ہے، اسی طرح ﴿والأرض فرشناها فنعم الماهدون﴾ میں بھی مخصوص بالمدح کوئی مذکور نہیں ہے، بلکہ جوازی طور پر اس کو

حذف کر دیا گیا ہے، جو کہ نحن ہے؛ کیونکہ ﴿فرشنا ہا﴾ میں ہی جمع متکلم کی ضمیر موجود ہے، لہذا اس کا یہاں موجود ہونا قرینہ ہے اس کے حذف کرنے کے لئے۔

وساءَ مثل بئس: فرماتے ہیں کہ ساءَ بھی بئسَ کی طرح فعل ذم ہے، لہذا اس کا بھی بئسَ کی طرح فاعل ہوگا، اور انہیں مذکورہ تین صورتوں میں کسی ایک صورت میں ہوگا، اور پھر اس کے بعد اسی کے موافق مخصوص بالذم کوئی اسم آئے گا۔

چھٹی بات: حبذا کی تحقیق

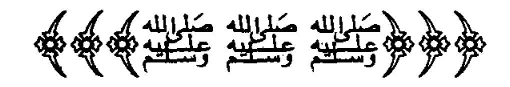
ومنها حبّذا: فرماتے ہیں کہ انہیں افعال میں سے ایک حبّذا بھی ہے جو کہ فعل مدح ہے، لیکن اس کے درمیان اور مذکورہ دیگر افعال کے فاعل میں یہ فرق ہے کہ ان کے فاعل کے لئے تو تین صورتیں بیان ہوئی تھیں، لیکن اس کا جو فاعل ہوگا وہ ہمیشہ کے لئے کلمہ ذا ہوگا، جو اس کے آخر میں ہے، اور یہ فاعل ہمیشہ کے لئے ایسا ہی مفرد رہے گا چاہے بعد والا مخصوص بالمدح تثنیہ یا جمع ہو یا مؤنث جیسے **حبذا زیدٌ، حبذا الزیدان، حبذا الزیدون،** اور **حبذا هندٌ،** وغیرہ، یہی مطلب ہے صاحب کافیہ کے قول **ولا یتغیر وبعده المخصوص** کا۔

وإعرابه كإعراب مخصوص نعم: فرماتے ہیں کہ جیسے آپ حضرات نعم کے بعد والے مخصوص بالمدح کی دو ترکیبیں پڑھکر آ رہے ہوں اسی طرح حبّذا کے بعد مخصوص بالمدح کی بھی وہی دو ترکیبیں ہونگی۔

فائدہ: ویجوز أن یقع قبل المخصوص وبعده تمییز أو حال: فرماتے ہیں کہ حبّذا فعل مدح کے مخصوص بالمدح سے قبل یا اس کے بعد ذا فاعل کی

تمییز لانا یا اس ذا کو ذوالحال بنا کر مخصوص بالمدح سے قبل یا اس کے بعد اس کے لئے حال لانا جائز ہے، لیکن اس میں پھر یہ خیال رکھنا واجب ہوگا کہ چاہے تمییز ہو یا حال، وہ مخصوص بالمدح کے بالکل موافق ہو جیسے تمییز کی مثال حبذا رجلاً زیدٌ، اورحبذا زیدٌ رجلاً، اورحال کی مثال حبذا راکبًا زیدٌ، اورحبذا زیدٌ راکبًا.

انتهى بحث الفعل بفضل الله سبحانه وتعالى بيوم الأحدالتاسع من رجب المرجب ۱۴۳۲ الهجرة النبوية ، وصلى الله على النبي الأمي وعلى آله وصحبه وبارك وسلم تسليما كثيرا.



بحث الحرف

درس (۵۷)

کلمہ کی تیسری قسم حرف کا بیان

الحرف: ما دلَّ على معنًى في غيره، ومن ثم احتاج في جزئيته إلى اسم وفعلٍ، حروف الجر: ما وُضع للانقضاء بفعلٍ أو معناه إلى ما يليه، وهي: مِن وإلى وحتى وفي والباء واللام وربَّ و واوُها، وواو القسم وباؤه وتاؤه وعن وعلى والكاف ومذ ومنذ وخلا وعدا وحاشا، فمن للابتداء والتبيين والتبعيض، وزائدةٌ في غير الموجب خلافًا للكوفيين والأخفش، وقد كان مِن مطرٍ، وشبهه متأولٌ.

ترجمہ: حرف وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے غیر میں ہو، اسی وجہ سے کلام کے جزء ہونے میں یہ اسم یا فعل کی طرف محتاج ہوتا ہے، حروف جر وہ ہیں جو وضع کئے گئے ہوں فعل یا معنی فعل کو پہنچانے کے لئے اس چیز تک جو اس کے متصل ہے، اور حروف جارہ یہ ہیں من اور الی اور حتی اور باء اور لام اور رُبَّ اور اس (ربَّ) کی واو اور واو قسم اور (قسم) کی باء اور اس (قسم) کی تاء اور عن اور علی اور کاف اور مذ اور منذ اور خلا اور عدا اور حاشا، پس مِن ابتدا کے لئے آتا ہے، اور تبیین کے لئے، اور تبعیض کے لئے، اور زائدہ ہوتا ہے کلام غیر موجب میں، خلاف ہے کوفیوں اور اخفش کے، اور (عربوں کا یہ قول) قد كان من مطر اور اس کے مشابہ میں تاویل کی گئی ہے۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) حرف کی تعریف۔

(۲) حروف جارہ کی تعریف۔

(۳) حروف جارہ میں سے مِن کی تحقیق۔

پہلی بات: حرف کی تعریف

حرف کا لغوی معنی ہے کنارہ اور طرف، اور اصطلاحی معنی صاحب کافیہ بیان فرمارہے ہیں کہ **ما دل علی معنی في غیرہ** یعنی حرف وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے غیر میں ہو یعنی مستقل اپنے معنی پر دلالت نہ کر رہا ہو۔

ومن ثم احتاج في جزئیته إلی اسمٍ أو فعلٍ: اپنے معنی پر خود دلالت نہ کرنے کی وجہ سے کلام کا جزء بننے میں یہ اسم اور فعل کا محتاج ہوگا جیسے **اشتریت الکتبَ من المکتبة الإسلامیة**، یہاں مِن حرف ہے جب تک اس کے ساتھ بعد والا اسم نہ ملایا جائے اس وقت تک اس کا پورا معنی سمجھ میں نہیں آئے گا۔

دوسری بات: پہلی قسم حروف جارہ کی تعریف

میرے عزیز طلبہ! یہاں سے کتاب کے آخر تک حروف کی سولہ قسمیں بیان فرمارہے ہیں:

حروف الجر ما وضع للإفضاء بفعلٍ أو معناہ إلی ما یلیه:

حروف جارہ کی تعریف کرتے ہوئے صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ یہ وہ حروف ہیں جنہیں وضع کیا گیا ہو فعل حقیقی یا فعل معنوی (یعنی اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، مصدر، اسم ظرف، جار مجرور اور اسماء افعال وغیرہ) کے معنی کو اپنے مابعد تک پہنچانے

کے لئے جیسے مررتُ بزیدٍ میں فعل مررتُ کے معنی کو باء حرف جر کے ذریعے اپنے مابعد زیدٌ تک پہنچایا گیا، اور اسی وجہ سے ان کو حروف جارہ کہتے ہیں؛ کیونکہ جرٌّ یجرٌّ کا معنی ہے کھینچنا، اور یہ بھی ماقبل والے فعل کے معنی کو کھینچ کر اپنے مابعد تک پہنچاتے ہیں، اور دوسری وجہ ان کو حروف جارہ کہنے کی یہ ہے کہ جرٌّ یجرٌّ کا معنی ہے جر دینا، اور ظاہر بات ہے کہ یہ حروف بھی اپنے مابعد کو جر دیتے ہیں۔

وهي من وإلى....: یہاں سے حروف جارہ کو بتایا گیا ہے، لیکن طالبان علوم نبوت پر شفقت کرتے ہوئے یاد کرنے میں آسانی کے لئے ان کو ایک شاعر نے بڑے اچھے سانچے میں ڈالا ہے جسے ہمارے طلبہ ساتھی بڑے مزے لےلیکر پڑھ رہے ہوتے ہیں:

با وتا و كاف ولام واو ومذ ومنذ خلا

رب حاشا من عدا في عن على حتى إلى

تیسری بات: حروف جارہ میں سے من کی تحقیق

یہاں سے بطریق لف نشر مرتب ایک ایک کو لے کر اس کے معنی بیان کر رہے ہیں چنانچہ سب سے پہلے مِن کے چار معانی ذکر فرمارہے ہیں:

(۱) **فمن للابتداء**: ابتداء غایت کے لئے آتا ہے، یعنی یہ بتلاتا ہے کہ میرا مدخول میرے ماقبل والے حکم کا ابتدائی حصہ ہے، اور اس کی علامت یہ ہوگی کہ اس کے مقابلے میں انتہا کو ذکر کرنا صحیح ہوگا جیسے آپ نے کہا سِرتُ من مكةَ إلى المدينة المنورة، دیکھئے یہاں من نے یہ بتادیا کہ میرے ماقبل سِرتُ کا حکم میرے مابعد یعنی مکہ مکرمہ سے شروع ہوا ہے، اور اس کے

مقابلے میں انتہا کو ذکر کرنا بھی صحیح تھا، اس لئے إلى المدينة المنورة بعد میں ذکر فرمایا۔

(۲) والتبيين: یعنی مِنْ بیان کے لئے بھی آتا ہے، یعنی اس بات کو بتانے کے لئے آتا ہے کہ میرا مابعد میرے ماقبل کلام مبہم کا بیان ہے، اور اس کی علامت یہ ہوتی ہے، کہ اسی من کی جگہ الذي اسم موصول لانا صحیح ہوگا جیسے ﴿فاجتنبوا الرجس من الأوثان﴾ میں مِن حرف جارہ بیانیہ ہے؛ کیونکہ یہ بتاتا ہے کہ میرے ماقبل الرجس سے میرا مابعد یعنی الأوثان مراد ہے، اور دوسرا یہ کہ اسی مِن کی جگہ الذي رکھنا بھی صحیح ہے جس کی عبارت اس طرح ہوگی، فاجتبوا الرجس الذي هي الأوثان۔

(۳) والتبعيض: تیسرا معنی مِن کا تبعیض ہے، یعنی من یہ بتاتا ہے کہ میرے ماقبل والے فعل کا تعلق میرے مابعد والے اسم کے کل کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ اس کے بعض کے ساتھ ہے، یا بالفاظ دیگر: کہ میرا ماقبل میرے مابعد کا کل نہیں ہے بلکہ اس کا ایک حصہ ہے، اور ایسے من کی علامت یہ ہوتی ہے کہ خود اس مِن کو ہٹا کر اس کی جگہ بعض لگانا صحیح ہوگا، اور معنی مرادی میں کوئی فرق نہیں آئے گا، جیسے أخذتُ من الدراهم، أي: أخذت بعض الدراهم، یعنی میں نے دراہم میں سے کچھ لے لئے۔

(۴) وزائدةً في غير الموجب: فرماتے ہیں کہ مِن کا چوتھا معنی یہ ہے کہ یہ کبھی زائد بھی ہوتا ہے، لیکن صاحب کافیہ بصریین کا مذہب بیان فرمارہے ہیں کہ من زائدہ صرف کلام غیر موجب میں ہوگا جیسے ما جاء ني من أحدٍ، وهل

جاء ک من أحدٍ، ولا تضربُ من أحدٍ۔

خلافًا للکوفیین والأخفش: علماء کوفہ اور امام اخفشؒ فرماتے ہیں کہ من زائدہ کے لئے کلام غیر موجب میں ہونے کی شرط لگانا کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ یہ کلام موجب میں بھی آسکتا ہے، ان کی دلیل عرب کا یہ قول ہے قد کان من مطرٍ، یعنی بارش ہوئی، تو صاحب کافیہ بصریین کی طرف سے جواب دے رہے ہیں کہ وقد کان من مطر وشبهه متأولٌ، یعنی یہ اور اس جیسی اور بھی کوئی مثال ہو ان میں تاویل کر کے من کو تبعیضیہ بنایا جائے گا مثلاً مذکورہ مثال میں ہم کہیں گے قد کان بعض مطر، یعنی تھوڑی سی بارش ہوئی۔

فائدہ: من کے ان چار معانی کے علاوہ چند اور معانی بھی آتے ہیں، مثلاً:

(۱) من کبھی بمعنی في آتا ہے یعنی یہ بتلاتا ہے کہ میرا مدخول میرے ماقبل کے لئے ظرف ہے جیسے ﴿إذا نودي للصلوة من **يوم الجمعة** فاسعوا إلى ذكر الله﴾ أی: في يوم الجمعة.

(۲) کبھی بمعنی باء کے آتا ہے جو کہ الصاق کے لئے ہوتی ہے، جیسے ﴿ينظرون إليک من طرفٍ خفي﴾ أي: بطرفٍ خفي، یعنی وہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں پوشیدہ آنکھ سے۔

(۳) کبھی بمعنی بدل ہوتا ہے، ﴿أرضيتم بالحيواة الدنيا من الآخرة﴾ أي: بدل الآخرة، یعنی کیا تم راضی ہو گئے دنیاوی زندگی پر آخرت کے بدلہ میں۔

(۴) کبھی من بمعنی علی کے آتا ہے جو کہ استعلاء کا معنی دیتا ہے جیسا کہ

﴿ونصرناه من القوم﴾ أي: على القوم، یعنی ہم نے اس کی مدد کی اس قوم پر۔

(۵) کبھی من بمعنی قسم کے بھی آتا ہے جیسے من ربّي لأفعلنّ كذا، یعنی مجھے اپنے رب کی قسم کہ میں البتہ ضرور بالضرور فلاں کام کروں گا، اس مثال میں من بمعنی قسم کے ہے۔ (خیر النحو ۳۷۹)۔

درس (۵۸)

حروف جارہ میں سے بعض کی تحقیق

وإلى للانتهاء، وبمعنى مع قليلا، وحتى كذلك، وبمعنى مع كثيرا، ويختص بالظاهر خلافا للمبرد. وفي للظرفية، وبمعنى على قليلا. والباء للإلصاق، والاستعانة، والمصاحبة، والمقابلة، والتعدية، والظرفية، وزائدة في الخبر في الاستفهام والنفي قياسا، وفي غيره سماعا، وألقى بيده.

ترجمہ: اور إلی یہ انتہا کے لئے آتا ہے، اور بمعنی مع کے بھی آتا ہے، لیکن قلیل ہے، اور حتی بھی اسی (إلــی کی) طرح ہے، اور بمعنی مــع کے آتا ہے اکثر طور پر، وہ (حتی) خاص ہے ظاہر کے ساتھ، خلاف ہے امام مبرد کے ہاں، اور في ظرفیت کے لئے آتا ہے، اور بمعنی عـلـی کے بھی آتا ہے، مگر یہ استعمال قلیل ہے، اور باء الصاق کے لئے آتا ہے اور استعانت اور مصاحبت اور مقابلہ اور تعدیت اور ظرفیت کے لئے بھی

آتا ہے، اور باء زائدہ ہوتی ہے اس خبر میں جو استفہام میں ہو، اور اس نفی میں زائدہ ہوتی ہے (جو لیس کی خبر ہو) قیاسا، اور اس کے غیر میں زائدہ ہوتی ہے سماعا جیسے بحسبک زید اور ألقی بیدہ۔

تشریح: آج کے درس میں حروف جارہ میں سے چار حروف (إلی، في، حتی اور باء) کے متعلق ہم کچھ معروضات پیش کرینگے۔

حروف جارہ میں سے إلی کی تحقیق

وإلی للانتهاء: حروف جارہ میں سے دوسرا حرف إلی ہے، اس کے دو معنی بیان کیئے ہیں، پہلا یہ کہ یہ کسی چیز کی انتہاء کو بیان کرنے کے لئے آتا ہے، لیکن عام طور پر یہ ظرف زمان یا مکان کی انتہاء کو بیان کرتا ہے جیسے سافرت من مكة إلی المدينة المنورة، ظرف زمان کی مثال ﴿وأتموا الصيام إلی الليل﴾۔

اور دوسرا معنی بیان کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ وبمعنی مع، یعنی إلی مع کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے ﴿من أنصاري إلی الله﴾ میں إلی مع کے معنی میں ہے، أي: من أنصاري مع الله، اور ﴿فاغسلوا وجوهكم وأيديكم إلی المرافق﴾ میں بھی بعض کے ہاں بمعنی مع ہے، أي: مع المرافق، لیکن صاحب کافیہ اس کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ وبمعنی مع قليلا یعنی کلام عرب میں اس کا اس معنی میں استعمال بہت کم ہوا ہے، حتی کہ مذکورہ دونوں مثالوں میں بھی بعض علماء نے إلی کو بجائے مع کے انتہاء کے معنی میں لیا ہے۔

حروف جارہ میں سے حتی کی تحقیق

وحتي كذلك: حروف جارہ میں سے تیسرا حرف حتی ہے، یہ بھی إلى کی طرح انتہاء کو بتانے کے لئے آتا ہے، وہ انتہاء اور غایت چاہے کسی مکان کی ہو یا زمان کی، جیسے **نمتُ البارحةَ حتى الصباح، أي: إلى الصباح**، اور **سافرتُ بلاد الشرق حتى مكة المكرمة**، صاحب کتاب نے **كذلك** کہہ کر اس کی تشبیہ دی ہے **إلى** کے ساتھ، لیکن یاد رہے کہ یہ تشبیہ صرف غایت اور انتہاء میں ہے، بمعنی مع کے ہونے میں إلى اور حتی ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں باین طور کہ **إلى** کا بمعنی **مع** استعمال بہت کم ہے، لیکن حتی کا مع کے معنی میں ہونا کثیر الاستعمال ہے، جیسے **قدم الحجاج حتى المشاة**، یعنی حاجی صاحبان پہنچ گئے حتی کہ پیدل چلنے والے بھی پہنچ گئے، دیکھئے اس میں حجاج کرام کی کثرت اتیان کو بیان کیا گیا ہے۔

ويختص بالظاهر: یہ اصل میں إلى اور حتی کے درمیان فرق بیان فرما رہے ہیں، ایک تو گذر گیا جو مع کے معنی میں قلت اور کثرت کا تھا، اب دوسرا فرق یہ بیان کر رہے ہیں کہ إلى حرف جر تو اسم ظاہر اور اسم ضمیر دونوں پر داخل ہوتا ہے، جبکہ **حتى** صرف اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے اسم ضمیر کبھی داخل نہیں ہوگا، اس لئے **إليه** اور **إلى مكة** کہنا تو صحیح ہوگا لیکن **حتّاه** یا **حتّاك** وغیرہ کہنا صحیح نہیں ہوگا۔

خلافا للمبرد: امام مبرد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسم ظاہر کے ساتھ اس کو خاص کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ اس کو **إلى** کے ساتھ تشبیہ دی ہے، تو جس طرح **إلى** اسم ظاہر اور اسم ضمیر دونوں پر داخل ہوتا ہے، اسی طرح یہ بھی دونوں پر داخل ہوگا،

ان کی دلیل شاعر کا ایک قول ہے:

فـلا والله لا يبقى أنـاسٌ

فتىً حتاک يا ابن أبي زياد

اس میں حتـى ضمیر پر داخل ہوا ہے، اس کی پوری تفصیل آپ حضرات نے پچھلے سال ہدایۃ النحو میں پڑھی ہے، فـمـن شاء منکم فليراجع، فيجد هناک دُررًا وغُررًا مفيدةً۔

حروف جارہ میں سے في کی تحقیق

وفي للظرفية: حروف جارہ میں سے چوتھا حرف في ہے اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ ظرفیت کے لئے آتا ہے، یعنی اس کا مابعد اس کے ماقبل کے لئے ظرف بن رہا ہے جیسے الطالب في الفصل وكتابه في حقيبته۔

حروف جارہ میں سے باء کی تحقیق

وبـمـعنى على قليلاً: في کا دوسرا معنی بیان فرما رہے ہیں، کہ یہ علی کے معنی میں بھی آتا ہے، لیکن اس کا علی کے معنی میں آنا بہت کم استعمال ہوا ہے، جیسے فرمان باری تعالی ہے، ﴿ولأصـلـبـنـكـم فـي جـذوع الـنـخـل﴾ أي: علـى جذوع النخل، یعنی البتہ ضرور بالضرور میں تم لوگوں کو کھجور کے تنوں پر سولی دونگا۔

والبـاء لـلإلصاق: پانچواں حرف حروف جارہ میں سے باء ہے، اس کے بہت سارے معانی ہیں، صاحب کافیہ نے ان میں سے یہاں آٹھ بیان فرمائے ہیں:

(۱) للإلصاق: یعنی باء الصاق کے لئے آتی ہے، إلصاق کا معنی ہے ملانا، پھر اس

کی دو قسمیں ہیں جو آپ حضرات نے شرح مائۃ عامل میں بھی پڑھی تھیں، ایک اِلصاق حقیقی ہے جیسے بـہ داءٌ یعنی اس کو بیماری لگی ہوئی ہے، یعنی بیماری اس کی ذات کو لگی ہوئی ہے، اور دوسرا اِلصاق مجازی ہے جیسے مـررتُ بزیدٍ، دیکھئے متکلم کا مرور زید کے ساتھ ملصق ہو کر اور مَس کر نہیں ہوا ہے، بلکہ اس کے قریبی جگہ سے ہوا ہے۔

(۲) والاستعانة: استعانت باب استفعال کا مصدر ہے اس کا معنی ہے مدد طلب کرنا، اور جس سے مدد طلب کی جاتی ہے اس کو مستعان اور پھر اس کی آواز پر لبیک کہہ کر مدد کرنے والے کو معین کہتے ہیں، لہذا باء بھی اسی استعانت کے لئے آتی ہے، یعنی باء یہ بتاتی ہے کہ میرے ماقبل والے فعل کے فاعل نے میرے مدخول سے مدد طلب کی ہے جیسے کتبتُ بـالقلم، میں نے قلم کی مدد سے لکھا۔

(۳) والـمصاحبة: یہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس کا معنی ہے ایک دوسرے کے ساتھ ہونا، باء بھی مصاحبت کے لئے آتی ہے، یعنی باء بمعنی مع کے ہو اور یہ بتلائے کے اس کا مدخول ماقبل والے فعل کے معمول کا ساتھی ہے، یا یہ بتلائے کہ میرا مابعد میرے ماقبل کے ساتھ ایک ہی حکم میں شریک ہے، جیسے خـرج زیـدٌ بـعشیـرتـه، أي: مع عشیرتـه، یعنی زید اپنے کنبے سمیت نکلا، اس مثال میں باء نے یہ بتلایا کہ عشیرۃ جو باء کا مابعد ہے زید کے ساتھ جو کہ باء کا ماقبل ہے خروج کے حکم میں شریک ہے، یعنی زید اور اس کا کنبہ ایک ساتھ نکلے ہیں۔ (خیر النحو:۳۸۳)۔

(۴) والمقابلة: یہ بھی باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس کا معنی ہے آمنے سامنے آنا اور مقابلہ کرنا، باء بھی مقابلہ کے لئے آتی ہے، یعنی یہاں پر باء یہ بتاتی ہے کہ میرا مابعد میرے ماقبل کے بالکل مقابل اور عوض میں ہے جیسے بعتُ هذا بذاک میں نے یہ چیز اس چیز کے عوض بیچی۔

(۴) والتعدية: تعدیہ کا معنی ہے فعل کا اپنے فاعل سے تجاوز کر کے مفعول بہ تک پہنچنا، تو فرماتے ہیں کہ باء بھی تعدیہ کے لئے آتی ہے، یعنی یہ فعل لازم کو متعدی بنا کر اور فاعل سے اس کو گذار کر مفعول بہ تک پہنچاتی ہے جیسے ذهبتُ بکتابک۔

(۵) والظرفية: فرماتے ہیں کہ باء بھی في کی طرح ظرفیت کے لئے آتی ہے، یعنی باء یہ بتائیگی کہ میرا مابعد میرے ماقبل کے لئے ظرف ہے جیسے جلستُ بالمسجد، أي: في المسجد، اور اطلبوا العلمَ ولو كان بالصين، أي: ولو كان في الصين۔

(٦) وزائدة: فرماتے ہیں کہ باء کبھی زائدہ بھی ہوتی ہے، زائدہ کی تفصیل ماقبل میں گذری ہے مختصر یہ کہ کلام میں اس کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہوں معنی کے اعتبار سے، آگے صاحب کافیہ نے اس کی مزید تفصیل بیان فرمائی ہیں کہ کہاں کہاں باء زائدہ ہوگی، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ باء کا زائدہ ہونا دو قسم پر ہے، قیاسی اور سماعی، قیاسی کے چند مقامات بتائے ہیں ان کے علاوہ جتنے بھی مقامات ہیں سب کے سب سماعی ہیں، قیاس مندرجہ ذیل ہیں:

في الخبر في الاستفهام والنفي قياسًا: قیاسی طور پر جہاں باء زائد

ہوتی ہے اس کی یہاں دو مقام بتائے گئے ایک تو یہ کہ باء اس خبر میں زائد ہوگی جو خبر ہل استفہامیہ کے بعد واقع ہو جیسے هل زيدٌ بقائمٍ، اسی طرح لیس فعل ناقص کی خبر میں بھی باء زائدہ ہوتی ہے جیسے ليس زيدٌ بقائمٍ۔

وفي غيره سماعًا: مذکورہ دو مقام کے علاوہ باقی جو بھی کوئی مقام ہو اور باء اس میں داخل ہو تو وہ سماعی طور پر داخل ہوگی جیسے بحسبک زیدٌ میں خبر میں باء سماعی طور پر زائدہ ہے، اسی طرح بحسبک درهمٌ میں مبتداء مقدم میں باء سماعی طور پر زائدہ ہے، وكذا في ألقى بيده، ﴿وكفى بالله شهيدا﴾ و﴿ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة﴾۔

درس (۵۹)

حروف جارہ میں لام اور رُبَّ کا بیان

واللام للاختصاص والتعليل، وبمعنى عن مع القول، وزائدةٌ وبمعنى الواو في القسم للتعجب. ورب للتقليل، ولها صدر الكلام مختصة بنكرة موصوفة على الأصح، وفعلها ماض محذوف غالبا، وقدتدخل على مضمر مبهم مميزبنكرة منصوبة، والضمير مفرد مذكر، خلافا للكوفيين في مطابقة التمييز. وتلحقها ما فتدخل على الجمل، وواوها تدخل على نكرةٍ موصوفة.

ترجمه: اور لام اختصاص اور علت کے لئے آتا ہے، اور بمعنی عن کے بھی ہوتا ہے

قول کے ساتھ، اور زائدہ بھی ہوتا ہے، اور بمعنی واو کے بھی ہوتا ہے اس قسم میں جو تعجب کے لئے ہو، اور ربّ تقلیل کے لئے ہے، اور اس کے لئے صدارت کلام ہوتا ہے، اور یہ خاص ہے نکرہ موصوفہ کے ساتھ اصح مذہب کے مطابق، اور اس کا عامل فعل ماضی ہوتا ہے جو اکثر محذوف ہوتا ہے، اور کبھی (ربّ) ضمیر مبہم پر بھی داخل ہوتا ہے، جس کی تمیز نکرہ منصوبہ ہو، اور ضمیر مفرد مذکر ہوتی ہے، یہ کوفیوں کے خلاف ہے (ضمیر مذکور کا) تمیز کے مطابق ہونے میں، اور لاحق ہوتا ہے اس (ربّ) کے ساتھ مـــا کافہ، پس (ربّ) داخل ہوتا ہے جملے پر، اور اس (ربّ) کی واو داخل ہوتی ہے نکرہ موصوفہ پر۔

تشریح: آج کے درس میں لام اور رُبَّ کی تحقیق پر کچھ باتیں بیان فرما رہے ہیں:

حروف جارہ میں سے لام کی تحقیق

والـلام للاختصاص: صاحب کافیہ نے لام حرف جر کی یہاں پانچ معانی بیان فرمائے ہیں:

(۱) **لـلاختـصـاص**: یعنی لام اختصاص کے لئے آتا ہے، مطلب یہ ہے کہ لام یہ بتاتا ہے کہ میرا ماقبل خاص ہے میرے مدخول یعنی مابعد کے لئے، پھر خصوصیت کی کئی قسمیں ہیں: ملکیۃ اس کے ساتھ خاص ہو یعنی لام کا مدخول اپنے ماقبل کا مالک ہو جیسے **الـمـال لزیدٍ**، یعنی یہ مال صرف زید کا ہے، اور چاہے خصوصیت اس طور پر ہو کہ مخصوص لہ ہی اس کا مستحق ہے جیسے ﴿**الحمد لـلـه رب العالمین**﴾ یعنی ساری تعریفیں صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہیں، اور چاہے نسبت کا اختصاص ہو جیسے **زیدٌ ابن لبکرٍ** یعنی زید بکر کا بیٹا ہے۔

(۲) والتعليل: دوسرا معنی لام کا علت اور وجہ بتانے کے لئے آنا ہے جیسے ضربته للتأديب، دیکھئے للتأديب میں ماقبل ضربته کی علت بیان کی گئی ہے۔

(۳) وبمعنى عن مع القول: تیسرا معنی لام کا عن کے معنی میں آنا ہے، اور یہ اس وقت وقت ہوگا جب اس سے قبل قال يقول کے مادے کا کوئی نہ کوئی صیغہ موجود ہو جیسے آپ نے پچھلے سال ہدایۃ النحو میں اس کی مثال پڑھی تھی ﴿وقال الذين كفروا للذين آمنوا لو كان خيرا ماسبقونا إليه﴾ اس میں للذين میں لام بمعنی عن ہے ورنہ تو بعد میں ﴿ماسبقونا﴾ غائب کا صیغہ نہ ہوتا، بلکہ سبقتمونا مخاطب کا صیغہ ہوتا۔

(۴) وزائدة: لام کبھی زائد بھی ہوتا ہے، اور زائد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہوں، اور لام زائد اس وقت ہوگی جب اس کا مدخول فعل متعدی ہو جیسے فرمان باری تعالی ہے ﴿ردف لكم﴾ أي: ردف كم۔

(۵) وبمعنى الواو في القسم للتعجب: لام جارہ کا پانچواں اور آخری معنی یہ ہے کہ وہ واوِ قسم کے معنی میں ہوگا، لیکن یہ صرف وہاں ہوگا جہاں مقسم بہ امور عظیمہ میں سے ہو یعنی کسی بہت بڑی بات پر قسم کھائی جا رہی ہو تو اس میں لام برائے واوِ قسم استعمال کیا جا سکتا ہے، جیسے لِله لا يؤخر الأجل، یعنی قسم خدا کی موت اپنے وقت مقررہ سے ٹل نہیں سکتی، اسی طرح پچھلے سال ہدایۃ النحو میں آپ حضرات نے اس موقع پر ایک شعر پڑھا تھا:

لِله لا يبقى على الأيام ذو حيد
بمشمخرٍّ به الظيان والأس

ترجمہ اور تشریح آپ پڑھ چکے ہو، یہاں صرف اتنا عرض ہے کہ للہ بمعنی واللہ ہے۔

اور اگر عام سی بات ہو اور اس پر قسم کھائی جارہی ہو تو اس میں لام برائے واو قسم استعمال نہیں ہوسکتا جیسے لله لقد طارَ الذبابُ کہنا صحیح نہیں ہوگا۔

حروف جارہ میں سے رُبَّ کی تحقیق

ورُبَّ للتقليل: حروف جارہ میں سے ایک حرف رُبَّ بھی ہے، اس کا ایک ہی معنی بیان کیا ہے، اور اس کے بعد کلام عرب میں اس کے استعمال کے لئے کچھ ضروری قواعد اور اصول بیان کئے ہیں، معنی اس کا یہ ہے کہ یہ اپنے مدخول میں تقلیل یعنی کمی کا معنی پیدا کرتا ہے جیسا کہ کم خبریہ اپنے مدخول میں کثرت کا معنی پیدا کرتا ہے، تو یہ اس کے برعکس اس میں تقلیل کا معنی پیدا کرتا ہے۔

ولها صدر الكلام: فرماتے ہیں کہ رُبَّ صدارت کلام میں آئے گا، اس کی دو وجہیں ہیں، ایک تو اس وجہ سے تاکہ صدارت کلام ہی سے پتہ چل جائے کہ اس بات میں قلت کو بیان کیا گیا ہے، اور دوسرا اس وجہ سے کہ یہ کم خبریہ کا نقیض ہے وہ کثرت پر دلالت کرتا ہے اور یہ قلت پر، اگرچہ اس کا بھی کثرت کے لئے آنا مشہور ہے، لہذا بہر دو صورت اس کی نسبت کم خبریہ کے ساتھ ہے اور کم خبریہ صدارت کلام چاہتا ہے تو یہ بھی چاہے گا۔

مختصة بنكرة موصوفة على الأصحّ: فرماتے ہیں کہ رُبَّ ایسے تو

اسم ظاہر اور اسم ضمیر دونوں پر داخل ہوسکتا ہے لیکن صحیح تر قول کے مطابق زیادہ تر یہ اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے، اور وہ اسم ظاہر بھی ایسا ہو جو نکرہ ہو اور آگے اس کی صفت بیان کی گئی ہو جیسے رب رجل کریم لقیتہ، اور اسم نکرہ موصوفہ کے ساتھ اس کے خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ گذر گیا کہ رُبَّ تقلیل کیلئے آتا ہے اور تقلیل کا احتمال اسم نکرہ میں زیادہ ہے بنسبت اسم معرفہ کے، کیونکہ اسم معرفہ کی تو بذات خود قلت متعین ہوتی ہے جیسے الرجل، الکتاب، القلم، الرجلان، الکتابان، القلمان وغیرہ، اور یا اس کی کثرت متعین ہوتی ہے جیسا کہ جمع میں ہوتا ہے جیسے المسلمون، التلامیذ، الکتب وغیرہ۔

اور موصوفۃ کی قید بھی اسی لئے لگائی کہ اس میں بھی قلت ہوتی ہے کیونکہ اسم موصوف میں خصوصیت زیادہ ہوتی ہے اور جس چیز کی خصوصیت ہو اس میں قلت یقینی ہوتی ہے اور رُبَّ بھی تقلیل کے لئے آتا ہے لہذا صار النعل بالنعل کی طرح ہم نے کہا کہ صحیح تر قول کے مطابق یہ اسم نکرہ موصوفہ کیساتھ خاص ہے۔

وفعلها ماض محذوف غالبا: فرماتے ہیں کہ رُبَّ حرف جر کا جو متعلق ہوگا عام طور پر وہ لفظی اعتبار سے فعل ماضی کا کوئی صیغہ ہوگا جو محذوف ہوگا، اسی طرح اس کے بعد بھی اگر کوئی فعل ہو تو وہ بھی اسی طرح فعل ماضی ہوگا، اور اگر لفظی اعتبار سے وہ فعل ماضی لفظی نہیں بلکہ فعل مضارع ہو تو بھی اس کو ہم ماضی کے معنی لیں گے جیسے ﴿ربما یود الذین کفروا﴾، ماضی کی شرط اس لئے لگائی کہ رُبَّ تقلیل محقق (یقینی طور پر قلت) کے لئے آتا ہے اور تقلیل محقق ہوگا ماضی میں نہ کہ مضارع میں۔

وقد تدخل علی مضمرٍ مبهمٍ ممیزٍ بنکرةٍ منصوبةٍ: قاعدہ

اکثریہ کے بیان کے بعد اب ایک قاعدہ اقلیہ بیان فرما رہے ہیں، قاعدہ یہ ہے کہ کبھی کبھار رُبَّ ایسے اسم ضمیر پر داخل ہوتا ہے جس کے اندر ابہام ہو، اور پھر اس ابہام کو دور کرنے کے لئے تمیز اسم نکرہ منصوبہ کی صورت میں ہوگی، والضمیر مفردٌ مذکرٌ فرماتے ہیں کہ وہ ضمیر مبہم ہمیشہ کے لئے مفرد مذکر کی ہوگی، چاہے اس کی تمیز تثنیہ یا جمع ہو اور چاہے مذکر یا مؤنث ہو، جیسے رُبَّہ رجلاً، رُبَّہ رجلین، رُبَّہ رجالاً، رُبَّہ امرأۃً۔

خلافًا للكوفيين في مطابقة التمييز: ماقبل میں جو قاعدہ بیان ہوا وہ جمہور علماء نحو کے ہاں تھا، جبکہ کوفیین حضرات فرماتے ہیں کہ ضمیر کا اپنے تمیز کے موافق ہونا ضروری ہے لہذا مذکورہ مثالیں کوفیین کے ہاں اس طرح ہوگی، رُبَّہ رجلاً، رُبَّهما رجلين، رُبَّهم رجالا، رُبَّها امرأةً، رُبَّهما أمرأتين، رُبَّهنَّ نسوةً۔

رُبَّ پر ما کافہ کا داخل ہونا

وتلحقها ما فتدخل على الجمل: عزیز طلبہ! دنیا میں ہر چیز کو زوال ہے لہذا رُبَّ حرف جر بھی بڑے شوق سے اپنے مدخول کو جر دے رہا تھا، لیکن اس کے ساتھ ما کافہ لاحق ہوا تو ایک طرف اس نے اس کی قوت عمل کو زائل کر دیا یعنی یہ اگلے اسم کو جر نہیں دے سکے گا، اور دوسری طرف اس کے دخول کو عام بنایا یعنی یہ اسم اور فعل دونوں پر داخل ہوگا، فتدخل على الجمل کا یہی مطلب ہے، جیسے رُبَّما زيدٌ قائمٌ ورُبَّما قامَ زيدٌ، جبکہ ما کافہ سے قبل یہ صرف اسم پر داخل ہو رہا تھا۔

وواوها تدخل على نكرةٍ موصوفةٍ: واو کی یہاں پر دو قسمیں ہیں،

واو قسم اور واو رُبَّ، اور دونوں حروف جارہ میں سے ہیں، واو قسم کی تفصیل تو آ رہی ہے، واو ربَّ کا مطلب یہ ہے کہ وہ واو جو صدارت کلام میں آتا ہو اور معنی رُبَّ کا دیتا ہو، تو اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ واو بھی اسم نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتی ہے، کیونکہ اس کی مشابہت ہوگئی رُبَّ کے ساتھ، لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ رب ضمیر مبہم پر بھی داخل ہوتا تھا اور یہ صرف اسم نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتی ہے، اور اس سے قبل بھی رُبَّ کی طرح فعل ماضی اکثر محذوف ہوگا جس کے ساتھ یہ متعلق ہوگا، جیسا کہ آپ لوگوں نے ہدایۃ النحو میں اس کی مثال عامر بن الحارث کے ایک شعر کی صورت میں پڑھی تھی۔

وبلدة ليس بها أنيس

إلا اليعافير وإلا العيش

تشریح اس کی آپ پڑھ چکے ہیں یہاں صرف یہ سمجھ لو کہ واو رُبَّ بدایت کلام میں آ کر بلدةٍ اسم نکرہ موصوفہ پر داخل ہو، لیس بها سے آخر شعر تک پوری عبارت اس کی صفت ہے، اور واو رُبَّ سے قبل فعل ماضی وطئتُ محذوف ہے۔

درس (٦٠)

بعض حروف جارہ کا بیان

و واو القسم إنما تكون عند حذف الفعل لغير السؤال مختصة بالظاهر، والتاء مثلها مختصة باسم الله تعالى، والباء أعم

منهما في الجميع، ويتلقى القسم باللام، وإن وحرف النفي، وقد يحذف جوابه إذا اعترض، أو تقدمه ما يدل عليه.

ترجمه: اور واو قسم فعل کے حذف کے وقت ہوتا ہے غیر سوال کے لئے، خاص ہوتا ہے اسم ظاہر کے ساتھ، اور تاء بھی اسی کی مثل ہے، صرف اللہ تعالیٰ کے اسم کے ساتھ خاص ہے، اور باء اس سے عام ہے تمام صورتوں میں (جو ذکر کی گئی ہیں)، اور داخل کیا جاتا ہے جواب قسم پر لام، اور إن اور حرف نفی، اور کبھی حذف کر دیا جاتا ہے اس (قسم کے جواب) کو جب کہ درمیان میں ہو، یا (جواب قسم) قسم سے مقدم ہو، جو دلالت کرے اس پر۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) حروف میں سے واو قسم کی تحقیق۔

(۲) حروف میں سے تاء کی تحقیق۔

(۳) جواب قسم کی مختلف صورتیں۔

(۴) جواب قسم کو حذف کرنا۔

پہلی بات: حروف میں سے واو قسم کی تحقیق

وواو القسم إنما تكون عند حذف الفعل لغير السؤال مختصّةً بالظاهر: حروف جارہ میں سے واو قسم بھی ہے جو ہمیشہ کے لئے اسم ظاہر پر داخل ہوتی ہے اسم ضمیر پر داخل نہیں ہو سکتی جیسے واللہ لأخدمَنَّ الإسلام والمسلمين تو کہا جا سکتا ہے لیکن وکَ لأخدمَنَّ الإسلام والمسلمين نہیں

کہا جا سکتا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہاں کسی طالب علم کو شبہ ہو سکتا ہے کہ واو قسم کی مشابہت ہے بدلیۃ کلام میں واقع ہونے کی وجہ سے واو رب کے ساتھ، اور واو رب کی مشابہت ہے دخول بر اسم نکرہ موصوفہ میں رُبَّ کے ساتھ، اور ربَّ سے پہلے فعل ماضی کو حذف کیا جاتا ہے سوالِ سائل کے قرینہ سے، تو کیا یہاں واو قسم میں بھی ایسا ہی ہوگا؟۔

صاحب کافیہ نے فرمایا کہ میرے عزیز! اس سے قبل فعل تو ضرور محذوف ہوگا، لیکن اس کا حذف ہونا سوالِ سائل کی وجہ سے نہیں ہوگا، اور جس وقت اس کی تقدیری عبارت نکالی جائیگی تو اس میں واو قسم کو باء کے ساتھ بدلا جائے گا، جیسے **قسمت بالله لأفعلنَّ كذا**۔

آخر میں یہ بات ضرور سمجھ لو کہ واو قسم بھی بدایۃ کلام میں آتی ہے اور واو رُبَّ بھی بدایۃ کلام میں آتی ہے، تو ہم فرق کیسے کر سکیں گے؟، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر واو اسم نکرہ پر داخل ہے تو ہم سمجھ لیں کہ یہ واو رُبَّ ہے اور اگر اسم معرفہ پر داخل ہے تو واو قسم ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

دوسری بات: حروف میں سے تاء کی تحقیق

والتاء مختصةٌ باسم الله تعالى: حروف جارہ میں سے ایک تاء بھی ہے، اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ بھی واو کی طرح ہے دو چیزوں میں، ایک یہ کہ فعلِ قسم جس طرح واو قسم میں محذوف ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی محذوف ہوگا اور

دوسرا یہ کہ جس طرح وہاں فعل کا حذف سوال سائل کے بغیر ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی سوال سائل کے بغیر حذف ہوگا، اسی طرح جیسے واو قسم اسم ظاہر کے ساتھ خاص ہے اور اسم ظاہر بھی صرف اللہ اسم جلیل ہوگا، اس کے علاوہ دیگر اسماء پر داخل نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ واو قسم کا فرع ہے اور وہ اس کا اصل ہے اور اصل اور فرع میں ضرور یہ فرق ہوگا کہ واو تو ہر قسم کے اسم ظاہر پر داخل ہوگی لیکن تاء قسم کے لئے اسم اللہ کا ہونا ضروری ہے۔

یہ جمہور علماء نحو کا مذہب ہے جبکہ امام اخفش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات تو صحیح ہے کہ اس کا دخول اسم ظاہر پر ہوگا اسم ضمیر پر نہیں ہوگا لیکن یہ بات کہ یہ اسم اللہ کے ساتھ خاص ہے اس میں میری رائے یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے بلکہ اسم ظاہر کوئی بھی ہو یہ اس پر داخل ہوسکتی ہے، دلیل ان کی عرب کا قول ہے جسے وہ اپنی تعبیرات میں استعمال کرتے رہتے ہیں کہ **ترَبِّ الكعبة لأفعلنَّ كذا**۔

اس کا جواب آپ حضرات نے ہدایۃ النحو میں پڑھا تھا کہ **وقولهم: ترَبِّ الكعبة شاذٌّ** یعنی عرب حضرات کا **ترَبِّ الكعبة** کہنا شاذ ہے یعنی مخالف قاعدہ وقانون ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز مخالف قاعدہ وقانون ہوتی ہے وہ اپنی ذات تک اور سماع کے حد تک محدود ہوتی ہے اس پر دیگر اشیاء کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

والباء أعمُّ منهما في الجميع: حروف جارہ میں سے ایک باء بھی ہے جو قسم میں واو قسم کا بھی اصل ہے اور تاء قسم کا بھی اصل ہے، لہذا یہ اللہ اسم جلیل پر بھی داخل ہوگی اور اس کے علاوہ دیگر اسماء ظاہرہ پر بھی داخل ہوگی، اور اپنے اصل ہونے کے ناتے واو قسم اور تاء قسم سے ایک قدم آگے بڑھکر اسم ضمیر پر بھی داخل ہوگی، عبارت

مذکورہ کا مطلب یہ ہوگا کہ باء حرف جر واو اور تاء دونوں سے عام اسم ظاہر اور اللہ اسم جلیل پر داخل ہونے سے عام ہے یعنی ان دونوں کے علاوہ اسم ضمیر پر بھی داخل ہو سکتی ہے جیسے باللہ، وبالرحمن وبک وغیرہ۔

تیسری بات: جواب قسم کی مختلف صورتیں

ویتلقی القسم باللام: فرماتے ہیں کہ جب آپ نے مذکورہ حروف کے ذریعے قسم کھائی تو لازمی بات ہے کہ اس کے بعد آپ جواب قسم بھی ذکر کروگے، اور اس کی مختلف صورتیں ہیں:

(۱) جوابِ قسم جملہ فعلیہ مثبتہ کی صورت میں ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ اس پر لام تاکید داخل کیا جائے جیسے واللہ لأفعلنَّ کذا، البتہ جملہ اسمیہ کی صورت میں إنَّ بھی اس پر داخل ہوگا جیسے واللہ إنَّ زیدًا لقائمٌ۔

(۲) جوابِ قسم جملہ منفیہ کی صورت میں ہو چاہے جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ، اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے شروع میں لا یا ما نافیہ ہو جیسے واللہ ما زیدٌ بقائمٍ اور واللہ لایقوم زیدٌ۔

(۳) جوابِ قسم اگر جملہ اسمیہ مثبتہ کی صورت میں ہو تو اس پر یا تو لام تاکید داخل ہوگا جیسے واللہ لزیدٌ قائمٌ، یا واللہ إنَّ زیدًا قائمٌ یا دونوں داخل ہوں گے جیسے واللہ إنَّ زیدًا لقائمٌ۔

اس پوری تفصیل کو صاحب کافیہ نے بڑے مختصر انداز میں بیان فرمایا کہ ویتلقی القسم باللام وإنَّ وحرف النفي۔

چوتھی بات: جواب قسم کو حذف کرنا

وقد یحذف جوابه إذا اعترض: عزیز طلبہ! صاحب کافیہ رحمہ اللہ اس عبارت میں آپ حضرات کو وقت بچانے کا ایک طریقہ بتا رہے ہیں، وہ اس طرح کہ جہاں قسم ہوگی وہاں ضرور جواب قسم بھی ہوگا کیونکہ کلام میں اصل اور مقصودی چیز یہی ہوتی ہے لیکن جہاں کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جس کے ذریعے سے جواب قسم کو ذکر کئے بغیر بھی معلوم کیا جا سکتا ہو تو ایسے مواقع میں اس کو حذف کرنا جائز ہوگا، چنانچہ مذکورہ عبارت میں ایسے دو مواقع بتائے گئے ہیں، پہلا یہ کہ **إذا اعترض** یعنی جواب قسم پر دلالت کرنے والے جملے کے درمیان میں قسم واقع ہو جیسے **زیدٌ واللہ قائمٌ** یہ اصل میں **زید قائم واللہ لزید قائمٌ** تھا، جس میں جواب قسم **لزید قائمٌ** ہے، جس پر دلالت کرنے والا جملہ اس سے قبل **زید قائم** ہے، اس کے درمیان میں جب قسم **واللہ** واقع ہوا تو بعد والے **لزید قائمٌ** کو جوازاً حذف کر دیا گیا۔

اور دوسرا موقع یہ ہے کہ **أو تقدمه ما یدل علیه** یعنی جواب قسم پر دلالت کرنے والا جملہ قسم سے پہلے واقع ہو جیسے **زید قائم واللہ** یہ اصل میں **زید قائم واللہ لزید قائم** تھا۔

درس (۶۱)

باقی حروف جارہ کا بیان

وعن للمجاوزة، وعلى للاستعلاء، وقد یکونان اسمین

بدخول من عليهما. والكاف للتشبيه، وزائدة، وقدتكون اسما، وتختص بالظاهر. ومذ ومنذ للزمان للابتداء في الماضي، والظرفية في الحاضر نحو: ما رأيته مذ شهرنا، ومنذ يومنا. وحاشا وعدا وخلا للاستثناء.

ترجمہ: اور عن مجاوزۃ کے لئے آتا ہے، اور علی استعلاء کے لئے آتا ہے، اور زائدہ ہوتا ہے اور کبھی دونوں اسمیہ بھی ہوتے ہیں جب ان پر من داخل ہو، اور کاف تشبیہ کے لئے آتا ہے، اور کبھی اسمیہ بھی ہوتا ہے، اور یہ خاص ہوتا ہے اسم ظاہر کے ساتھ، اور مذ اور منذ یہ زمان کے لئے ہوتے ہیں، اور ابتدا کے لئے ہوتے ہیں ماضی میں، اور ظرفیت کے لئے ہوتے ہیں زمانہ حاضر میں جیسے مارأیت مذ شھر نا منذ یومنا، اور حاشا اور خلا اور عدا استثناء کے لئے ہوتے ہیں۔

تشریح: آج کے درس میں مابقیہ آٹھ حروف جارہ کی تفصیل بیان ہوگی:

حروف جارہ میں سے عن کی تحقیق

وعن للمجاوزۃ: فرماتے ہیں کہ عن مجاوزۃ کے لئے آتا ہے، اور مجاوزۃ کا لغوی معنی ہے تجاوز کرنا، اور مذکورہ بحث میں اس کا اصطلاحی معنی یہ ہوگا کہ عن بتائے کہ میرے ماقبل نے میرے مابعد کو پار کر کے اس سے آگے تجاوز کیا ہے جیسے رمیت السهم عن القوس یعنی إلى الصيد میں نے تیر کو کمان سے آگے شکار کی طرف پھینکا۔

حروف جارہ میں سے علی کی تحقیق

وعلى للاستعلاء: حروف جارہ میں سے علی کا معنی بیان کرتے ہوئے

فرمارہے ہیں کہ یہ استعلاء کے لئے آتا ہے یعنی علی اس بات کو بتلانے کے لئے آتا ہے کہ میرا ماقبل میرے مدخول کے اوپر ہے مثال جیسے القلم علی المکتب، اور یہ اوپر ہونا حقیقتاً بھی ہوسکتا ہے جیسے مثال مذکور میں ہے اور معنًا بھی ہوسکتا ہے جیسے علیہ دین.

وقد یکونان اسمین بدخول من علیھما : عن اور علی کے بارے میں ایک قاعدہ بیان فرمارہے ہیں وہ یہ کہ عن اور علی کبھی کبھار اسم کا معنی دیتے ہیں بشرطیکہ ان دونوں پر من حرف جر داخل ہو، کیونکہ عام طور پر قاعدہ یہ ہے کہ حرف پر کبھی حرف داخل نہیں ہوتا، لیکن یہاں جب ہم نے دیکھا تو فی حرف جر عن اور علی پر داخل ہے جو کہ خود بھی حروف جارہ میں سے ہے، لہذا ضرور اس میں تاویل کرنی پڑے گی، چنانچہ جب ہم نے علماء نحو کے سامنے یہ مسئلہ رکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ س طرح اگر کہیں ہو تو وہ اسم کی جگہ استعمال ہوئے ہونگے جیسے جلست من عن یمینہ أی جلست من جانب یمینہ، دیکھیں یہاں عن جانب کے معنی میں ہے، اسی طرح نزلت من علی الفرس أی من فوق الفرس، یہاں عن فوق کے معنی میں ہے۔

حروف جارہ میں سے کاف کی تحقیق

والکاف للتشبیہ: کاف حرف جر کے تین معنی بیان فرمارہے ہیں، پہلا یہ کہ یہ تشبیہ کے لئے آتا ہے یعنی کاف اس بات کو بتانے کے لئے آتا ہے کہ میرا ماقبل میرے مابعد کی طرح ہے جیسے ماتن نے اس کی مثال لکھی ہے الذی کزید عندی،

یعنی وہ آدمی جو زید کی طرح سخی یا عالم یا محنتی یا خوبصورت ہے وہ میرے ہاں مہمان ہے۔

عزیز طلبہ! آپ حضرات اگلے سال درجہ رابعہ میں قطبی کے شروع میں تفصیلا پڑھ لیں گے کہ تشبیہ کے لئے چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے، ایک مشبہ یعنی جس چیز کو تشبیہ دی جاتی ہے دوم مشبہ بہ یعنی وہ چیز جس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے اور سوم وجہ تشبیہ یا وجہ شبہ یعنی وہ چیز جس کی وجہ سے کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے، اور چہارم اداۃ تشبیہ یعنی وہ حروف جن کے ذریعے ایک چیز کی تشبیہ دوسری چیز کے ساتھ دی جاتی ہے جیسے مذکورہ مثال میں الذي مشبہ ہے اور زید مشبہ بہ ہے اور وجہ تشبیہ علم، سخاوت، خوبصورتی وغیرہ ہے اور کاف اس میں حرف تشبیہ ہے۔

وزائدة: کاف حرف جر کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ کبھی یہ زائد بھی ہوتا ہے، اور زائد وہاں ہوگا جہاں اس کے علاوہ بھی کوئی کلمہ اداۃ تشبیہ کا کام دے رہا ہو، اور مزید یہ کہ اگر اس کو زائد نہ مانا جائے تو اس کا معنی ہی صحیح نہیں ہوگا جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿ليس كمثله شيء﴾ یعنی اللہ جیسے اور کوئی نہیں، یہاں دیکھیں اگر کاف کو زائد سمجھ کر حذف کر دیا جائے تو اس کے علاوہ کلمہ مثل کو اداۃ تشبیہ بنایا جاسکتا ہے، بصورت دیگر اگر کاف کو زائد نہ مانا جائے تو آیت کا معنی ہی غلط ہو جائے گا نعوذ باللہ یہ ہو جائے گا کہ اللہ کے مثل جیسا کوئی نہیں، حالانکہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے مثل کی نفی کر رہے ہیں جبکہ یہاں اس کے اثبات کے ساتھ ساتھ اس کی تعریف بھی ہو جائے گی، لہذا ایسے کفریہ اور شرکیہ بات کو ثابت کرنے سے قبل ہی یہ بات ضروری قرار پائی کہ کاف حرف جر زائد ہے تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

وقد تكون اسما: اس کو بھی ماقبل وقد یکونان اسمین کی طرح سمجھ لو

کہ کاف عام طور پر تو حرف جر ہے لیکن کبھا کبھار یہ اسم بھی استعمال ہوتا ہے جیسے یضحکن عن کالبرد المنھم یہاں کاف مثل کے معنی میں ہے لہذا اس کی عبارت اس طرح ہو جائیگی یضحکنَ عن مثل البرد المنھم یہاں بھی علت وہی ہے یعنی حرف دوسرے حرف پر داخل ہے جبکہ قاعدہ کی رُو سے اس طرح منع ہے، اس دوسرے حرف کو ہم نے اسم کے معنی میں لے لیا۔

وتختصُّ بالظاهر: فرماتے ہیں کہ کاف حرف جرو حرف تشبیہ خاص طور پر اسم ظاہر پر داخل ہوگا، اسم ضمیر پر کبھی داخل نہیں ہوگا، کبھی اسم ضمیر پر داخل کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو لفظ مثل لا کر اس کو ضمیر پر داخل کر دیں گے اور کاف حرف جر کو لفظ مثل پر داخل کر دیں گے، لیکن یاد رہے کہ ایسے موقع پر کاف زائد شمار ہوگا جیسے ماقبل والی آیت مبارکہ ﴿لیس کمثله شيءٌ﴾ میں ہے۔

اور اسم ضمیر پر داخل نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بعض صورتوں میں دو کاف کا جمع ہونا لازم آجائے گا جیسے اگر مخاطب کی ضمیر پر اس کو داخل کیا جائے جیسے ککَ، ککِ، اصل ممانعت صرف ان دونوں ضمیروں میں ہے باقی ضمائر میں طرداً للباب ممانعت کا حکم لگا دیا، پھر صاحب حاشیہ نے ذہن میں پیدا ہونے والے شبہ کا پہلے سے جواب دیدیا کہ اہل عرب کا یہ کہنا کہ ما أنا کأنتَ اور ما أنتَ کأنا اس لئے جائز ہے کہ ضمیر منفصل اہل عرب کے ہاں اسم ظاہر کے درجے میں ہے، لہذا اسم ظاہر پر اس کا دخول جائز ہے اس لئے ایسے ضمائر پر بھی اس کا دخول جائز ہو جائے گا۔

حروف جارہ میں سے مذ اور منذ کی تحقیق

ومذ ومنذ للزمان للابتداء في الماضي: مذ اور منذ کی دو حیثیتیں ہیں، ان دونوں کا حروف جارہ میں سے ہونا، اور ان دونوں کا اسم ہونا، جب اسم ہو تو اسکی تفصیل حروف مبنیہ میں گذر چکی ہے، اور اگر حروف میں سے ہوں تو اس کی تفصیل آج ہماری زیر بحث ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں زمانہ ماضی میں فعل کی ابتداء کے لئے بھی آتے ہیں جیسے **ما رأيته منذ رجبًا**، یعنی رجب کے مہینہ سے تا یومنا ہذا میں نے اس کو نہیں دیکھا، یا زمانہ حاضر میں ظرفیت محضہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں جیسے **ما رأيته منذ شهرنا ومنذ يومنا** یعنی میرے اس کو نہ دیکھنے کا پورا زمانہ یہی زمانہ حاضر ہے۔

حروف جارہ میں سے آخری تین کا بیان

وحاشا وعدا وخلا للاستثناء: حروف جارہ میں سے آخری تین کا بیان ہے کہ یہ تینوں استثناء کیلئے آتے ہیں یعنی یہ بات بتانے کے لئے کہ میرا مابعد اپنے ماقبل کے حکم سے خارج ہے، جیسے **جائني القوم خلا زيد وحاشا زيد وعدا زيد** ان تینوں کے ساتھ آخر میں فرمایا کہ **للاستثناء** یہ قید اس لئے لگائی کہ اگر یہ استثناء کے لئے نہ ہو تو اس وقت یہ حروف نہیں ہونگے، لہذا ہمارے بحث سے خارج ہوں گے۔

آپ حضرات نے پڑھا ہے کہ ان تینوں کے بعد مستثنی منصوب بھی ہوتا ہے اور مجرور بھی، اس کے بارے میں سمجھ لیں کہ اگر ان کے بعد مستثنی مجرور ہوں تو یہ

حروف جارہ میں سے شمار ہونگے اور اگر منصوب ہوں تو یہ سارے فعل ہوں گے فاعل ان کا ضمیر مستتر ہوگا اور مابعد والا اسم منصوب ہوگا مفعول بہ ہونے کے ناطے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

درس (۶۲)

حروف مشبہ بالفعل کا بیان

الحروف المشبهة بالفعل: وهي: إنّ، وأنّ، وكأنّ، ولكنّ، وليت، ولعلّ. ولها صدر الكلام سوى أنّ، فهي بعكسها، وتلحقها ما، فتلغى على الأفصح، وتدخل حينئذٍ على الأفعال. فإنّ لا تغير معنى الجملة، وأنّ مع جملتها في حكم المفرد، ومن ثمّ وجب الكسر في موضع الجمل، والفتح في موضع المفرد، فكسرت ابتداءً، وبعد القول، والموصول.

ترجمہ: حروف مشبہ بالفعل یہ ہیں إنَّ وأنَّ وكأنَّ ولكنَّ وليتَ ولعلَّ، ان کے لئے صدارت کلام ہے سوائے اَنّ کے، یہ اِنّ کے برعکس ہے اور لاحق ہوتا ہے ان پر ما کافہ، پس لغو کر دیا جاتا ہے ان کا عمل فصیح لغت کے مطابق، اور داخل ہو جاتے ہیں اس وقت (یہ حروف) افعال پر، پس اِنّ (مکسورہ) جملے کی جگہ میں، اور اَنّ مفتوحہ مفرد کی جگہ میں، پس اِنّ کو کسرہ دیا جائے گا ابتدائے کلام میں، اور قول کے بعد، اور اسم موصول کے بعد۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) حروف مشبہ بالفعل کی مختصر تحقیق۔

(۲) ایک اہم فائدہ۔

(۳) إنّ اور أنّ میں فرق۔

(۴) إنّ اور أنّ کے مواضع۔

پہلی بات: حروف مشبہ بالفعل کی مختصر تحقیق

الحروف مشبہ بالفعل: یعنی وہ حروف جو فعل کے ساتھ مشابہ ہیں وہ چھ ہیں: إنَّ، أنَّ، كأنَّ، لكنَّ، ليتَ، لعلَّ، فعل کے ساتھ ان کی کیا مشابہت ہے اور یہ کیا عمل کرتے ہیں اور یہ کس چیز پر داخل ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ ساری باتیں پوری تفصیل کے ساتھ آپ حضرات مرفوعات میں پڑھ چکے ہیں، **ولا نطیل کلامنا ھھنا بل راجعوا ھناک، وتقبل اللہ جھدکم**۔

ولھا صدر الکلام سوی أنّ: فرماتے ہیں کہ مذکورہ حروف میں سے أنّ کے علاوہ ہر ایک صدارت کلام میں آئے گا تاکہ کلام کی ابتداء اور اول وہلہ میں ہمیں یہ معلوم ہو کہ یہ کلام کس نوعیت کا ہے، آیا یہ از قبیل ترجی ہے جیسے **لیت الشباب یعود**، یا از قبیل تمنی ہے جیسے **لعل اللہ یرزقني صلاحًا**، یا از قبیل استدراک ہے جیسے **زیدٌ مکيٌّ لکن أباہ مدنيٌّ** وغیرہ **ھکذا**۔

سوی أنّ نھي بعکسھا، فرماتے ہیں کہ اس تفصیل میں أنّ داخل نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ أنّ اپنے مابعد کے ساتھ مل کر اپنے ماقبل کے لئے معمول بنتا

ہے، اور معمول کا اصل موضع یہ ہے کہ اسے بعد میں لایا جائے، اور عامل کو شروع میں لا یا جائے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس کو صدارت کلام میں لایا جائے تو یہ پورے جملے کو یعنی اپنے اسم اور خبر کے ساتھ مل کر اس کو بتاویل مفرد بنا دیتا ہے جو کہ کلام بھی نہیں رہے گا بلکہ اس کو کلام تام بنانے کے لئے ضروری ہوگا کہ اس کے ساتھ کسی اور چیز کو بھی ملایا جائے اور ظاہر بات ہے کہ وہ چیز صدارت کلام میں آئیگی لہذا صدارت کلام اس سے فوت ہوگئی۔

دوسری بات: ایک اہم فائدہ

وتلحقها 'ما' فتلغي على الأفصح: آپ حضرات جانتے ہیں کہ حروف مشبہ بالفعل مبتداء اور خبر یعنی جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں، مبتداء کو نصب دیکر اسے اپنا اسم اور خبر کو رفع دیکر اسے اپنی خبر بنا دیتے ہیں، لیکن اگر ان حروف کے آخر میں 'ما' کافہ لگا دیا جائے تو ایسی صورت میں یہاں دو قسم کی تبدیلیاں پیدا ہوں گی، ایک یہ کہ ان حروف کا لفظی طور پر عمل کرنا ختم ہو جائے گا، اور دوسرا یہ کہ اب یہ جملہ اسمیہ اور جملہ خبریہ دونوں پر داخل ہونگے جیسے **إنما زيد قائم** اور **إنما قام زيد**، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ حروف بذات خود کوئی عامل نہیں ہیں بلکہ فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے عامل ہیں، اور جو چیز بذات خود عامل نہ ہو وہ کمزور عامل شمار ہوتا ہے، اور قاعدہ ہے کہ عامل ضعیف اور اس کا معمول اگر اپنی ترتیب پر ہوں اور درمیان میں کوئی حد فاصل نہ ہو تب تو وہ عمل کر سکے گا ورنہ نہیں، اسی کو صاحب کافیہ بیان فرما رہے ہیں کہ فصیح ترین لغت میں اس کو ملغی عن العمل کر دیا جاتا ہے۔

تیسری بات: إنّ اور أنّ میں ایک فرق

فإن لا تغير معنى الجملة: پہلا فرق یہ بیان فرمارہے ہیں کہ إنّ جس جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے تو وہ اس کے مضمون کو تبدیل نہیں کرتا بلکہ مزید اس میں پختگی پیدا کرتا ہے جیسے **زید قائم** سے **إنّ زيدًا قائمٌ**، لیکن أنّ اپنے اسم اور خبر کے ساتھ مل کر پورے جملے کو مفرد کے حکم میں کردیتا ہے جیسے **بلغنی أنّ زيدًا منطلق** کا معنی ہے **بلغني انطلاق زيدٍ**، یہ أنّ کے داخل ہونے سے قبل پورا جملہ تھا، لیکن جیسے ہی أنّ داخل ہوا تو **انطلاق زيدٍ** کے معنی میں ہوکر مفرد بنا، یہی مطلب ہے صاحب کافیہ کی عبارت: **وأنّ مع جملتها فی حکم المفرد** کا۔

چوتھی بات: مذکورہ اصول پر تفریع اور إنّ کے مواضع

ومن ثم وجب الكسر في موضع الجمل والفتح في موضع المُفرد: فرماتے ہیں کہ اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے کلام کے شروع میں إنّ لایا جائے گا اور مفردات کے شروع میں أنّ لایا جائے گا، اب اس کے بعد إنّ اور أنّ کے مواضع بیان فرمارہے ہیں کہ **فكسرت ابتداءً**، یعنی جب بھی جہاں بھی ابتداء میں یہ آئے تو ہمیں اشتباہ نہ ہو کہ یہ إنّ ہے یا أنّ؟ بلکہ ابتدائے کلام میں ہو تو فوراً ہم یہ کہدینگے کہ یہ إنّ ہے، جیسے ﴿**إنّ الله عليم حكيم**﴾۔

وبعد القول: اسی طرح جہاں **قال يقول** کے مادے سے کوئی صیغہ ہو اور اس کے بعد یہ آئے تو بھی ہم کہیں گے کہ یہ إنّ ہے جیسے ﴿**قال إنّها يقول**﴾ اور یہ اس لئے کہ قول کا مفعول پورا جملہ ہوتا ہے۔

والموصول: اسم موصول کے بعد بھی اِنّ ہوگا کیونکہ موصول کے لئے صلہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے جیسے الذی إنک ضربته في الدار .

صاحب کافیہ نے تو مذکورہ مواضع ذکر فرمائے، مزید کچھ اور بھی مواضع ملاحظہ ہو:

(۱) جب خبر پر لام تاکید یہ داخل ہو تو چاہے ابتداء میں ہو یا درمیان کلام میں وہاں اِنّ آئے گا جیسے إنّ زیدًا لقائم ۔

(۲) جواب قسم میں بھی اِنّ آئے گا کیونکہ جواب قسم بھی جملہ ہوتا ہے جیسے واللہ إنّ زیدا لقائم، اور ندا کے بعد بھی اِنّ ہوگا جیسے ﴿یا بنیَّ إنّ اللہ اصطفی لکم الدین﴾.

(۳) حتی اِبتدائیہ کے بعد بھی اِنّ ہوگا، جیسے مرض فلان حتی إنّھم لا یرجونه.

(۴) حروف تنبیہ کے بعد بھی اِنّ ہوگا، جیسے ﴿ألا إنّ أولیاء اللہ لا خوف علیھم﴾.

یہ مواضع توضیحا و تسہیلا تو بیان کئے گئے لیکن اگر صحیح طریقے سے دیکھا جائے تو یہ بھی ماقبل والی صورتوں میں داخل ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

درس (۶۳)

أنّ کے مواقع کا بیان

وفتحت فاعلة ومفعولة ومبتدأ ومضافاً إليها، وقالو: لو لا أنّک؛ لأنّه مبتدأ، ولو أنّک؛ لأنّه فاعل. وإن جاز التقديران جاز الأمران، نحو: من يكرمني، فإني أكرمه، و:

إذا إنّه عبد القفا و اللّهازم

وشبهه، ولذلک جاز العطف على اسم المكسورة لفظًا أو حكمًا بالرفع دون المفتوحة، ويشترط مضيّ الخبر لفظًا أو تقديرًا خلافًا للكوفيين، ولا أثر لكونه مبنيًا خلافًا للمبرّد والكسائي في مثل: إنّک وزيد ذاهبان، ولكنّ كذلک، ولذلک دخلت اللام مع المكسورة دونها على الخبر، أو الاسم إذا فصل بينه وبينها، أو على ما بينهما، وفي لكن ضعيف.

ترجمہ: اور فتحہ دیا جائے گا ان کو فاعل بننے کی صورت میں، اور مفعول بننے کی صورت میں، اور مبتدا اور مضاف الیہ ہونے کی صورت میں (واجب ہے فتحہ لولا کے بعد)، اور کہا انہوں نے لو لا أنّک؛ اس لئے کہ یہ مبتدا ہے، اور کہا ہے **لو أنّک**؛ اس لئے کہ فاعل ہے، اگر جائز ہوں دونوں تقدیریں (تقدیر مفرد اور تقدیر جملہ) تو جائز ہیں دونوں امر (إنّ کا فتحہ اور کسرہ) جیسے من یُکرمني فإنّي أکرمه، اور إذ

أنّہ عبد القفا واللهازم اوراس کے مشابہ میں،اس لئے جائز ہے عطف کرنا اِن مکسورہ کے اسم پر لفظا (مکسور ہو) یا حکما (مکسور ہو) رفع کے ساتھ، نہ کہ اَن مفتوحہ کے اسم پر،اور (اِن مکسورہ کے محل اسم پر عطف کے جائز ہونے میں) شرط یہ ہے کہ خبر پہلے گذر چکی ہو لفظا یا تقدیرا، یہ خلاف ہے کوفیوں کے،اور کوئی اثر نہیں اِن کے اسم کے مبنی ہونے کو، یہ بات خلاف ہے مبرد اور کسائی کے إنّک وزید ذاهبان کی مثل میں، لکنّ بھی اسی (اِنّ مکسورہ) کی طرح ہے،اور اس لئے لام داخل ہوتا ہے اِنّ مکسورہ کے ساتھ،اس (اَنّ مفتوحہ) کے علاوہ خبر یا اسم پر، جب کہ فاصلہ کیا گیا ہو اس (اسم) کے درمیان اور اس (اَنّ) کے درمیان ، یا ان دونوں (اسم اور خبر) کے درمیان،اور (لام کو داخل کرنا) لکنّ میں ضعیف ہے۔

تشریح: آج کے درس میں سات باتیں ہیں:

(۱) اَن مفتوحہ کے چھ مواقع۔

(۲) اِنَّ اور اَنَّ دونوں کا جوازی مقام۔

(۳) اِنَّ کے اسم پر اسم مرفوع کا عطف ڈالنا۔

(۴) مذکورہ قاعدہ کے لئے شرط۔

(۵) صاحب کافیہ کا امام مبرد و امام کسائی صاحبان پر رد۔

(۶) لکنَّ کے متعلق ایک اصول۔

(۷) مذکورہ اصول پر ایک تفریع۔

پہلی بات: أنَّ مفتوحہ کے چھ مواقع

یہاں سے أنّ مفتوحہ کے چھ مواقع بیان فرمارہے ہیں، اور یہ وہاں ہوگا جہاں جملہ کو مفرد کی تاویل میں کردیا گیا ہو کما مرّ.

(۱) وفتحت فاعلةً: ان میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی جملہ مؤولہ فاعل بن رہا ہو جیسے بلغنی أنّ زیدًا قائم دیکھئے أنّ زیدًا قائمٌ بتاویل مفرد ہوکر ماقبل بلغ فعل کے لئے فاعل بن رہا ہے۔

(۲) ومفعولة: کوئی جملہ مفعول بہ بن رہا ہوتو اس کے شروع میں بھی أنّ مفتوحہ ہوگا جیسے علمت أنک قائم۔

(۳) ومبتدأ: مبتدا مؤخر کے شروع میں بھی أنّ آئے گا جیسے عندي أنک قائمٌ۔

(۴) ومضافا إلیها: مضاف إلیہ کے شروع میں ہوتو بھی أنّ مفتوحہ ہوگا جیسے عجبت أن بکرا قائمٌ، أي: عجبت من طول قیام بکر۔

(۵) وقالو لو لا أنک: لولا کے بعد أنّ مفتوحہ ہوگا چاہے لولا امتناعیہ ہو یا لولا تحضیضیہ ہو، اس لئے کہ لولا امتناعیہ کے بعد مبتدا ہوتا ہے جیسا کہ صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ لأنه مبتداء یعنی لولا اپنے اسم اور خبر سے مل کر مبتدا بنے گا اور بعد والا جملہ خبر بنے گا اور مبتداء کا مفرد ہونا ضروری ہے جیسے لو لا أنه حاضر لغاب زیدٌ، اور لولا تحضیضیہ کے بعد بھی اس لئے أن مفتوحہ ہوتا ہے کہ أن اپنے اسم اور خبر سے مل کر بتاویل مفرد ہوکر اس فعل کے لئے فاعل یا

مفعول بہ بنے گا جو لولا کے بعد محذوف ہوتا ہے اور فاعل ومفعول بہ مفرد ہوتے ہیں اس لئے اس پر اَنّ مفتوحہ داخل ہوگا جیسے لو لا أني معاذٌ لک زعمت، أي: لو لا زعمت أنّي معاذٌ لک۔

(٦) ولو أنک لأنه فاعل: لوشرطیہ کے بعد بھی اَنّ مفتوحہ ہوتا ہے اس لئے کہ یہاں بھی اَنّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر لوشرطیہ کے فعل محذوف کے لئے فاعل بنے گا اور فاعل مفرد ہوتا ہے، لہذا اَنّ مفتوحہ آئے گا جیسے لو أنک عندنا لأکرمتُک، أي: لو ثبت أنّک عندنا لأکرمتک۔

دوسری بات: اِنَّ اور اَنَّ دونوں کا جوازی مقام

وإن جاز التقدير ان جاز الأمران: فرماتے ہیں کہ اگر ایسی جگہ ہوں جہاں مفرد بھی مقدر مانا جاسکتا ہو اور جملہ بھی تو ایسی جگہوں میں دونوں طرح (یعنی إنّ وأنّ) پڑھنا جائز ہے، مفرد کی وجہ سے اَنّ اور جملہ کی وجہ سے اِنّ پڑھنا جائز ہوگا، جیسے من یکرمنی فإنّی أکرمه، أي: من یکرمني فثابت أنّي أکرمه، اور اَن مفتوحہ کی مثال، من یُکرمني فجزائه أنّي أُکرمه، آخری ترکیب میں أنّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر مبتداء کے لئے خبر ہوگا، اور خبر مفرد ہوتا ہے، اسی طرح شاعر کا قول ہے إذ إنّه عبد القفا واللهازم، یہ پورا شعر اس طرح ہے۔

کنت أری زیدا کما قیل سیدا

إذ أنّه عبد القفا واللهازم

یعنی میں زید کو اس کی شہرت کی وجہ سے بڑا سردار سمجھتا تھا مگر وہ تو گردن اور

جبڑوں کا غلام ثابت ہوا، یعنی سونا اور کھانا پینا ہی اس کا کام ہے اور بہت کم ہمت انسان ہے، لہذا اس شعر میں اور ہر اس ترکیب میں جو اس جیسے ہو یعنی اِنّ حرف مشبہ بالفعل اپنے اسم اور خبر کے ساتھ اِذا مفاجاتیہ کے بعد واقع ہو، تو اس میں اِنّ مکسورہ اور اَنّ مفتوحہ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، مکسورہ اس وقت پڑھیں گے جب اس کی تقدیری عبارت اس طرح ہو إذا هو عبد القفا واللهازم، یعنی إنّه إلخ کو اگر پورا جملہ فرض کیا جائے تو اِنَّ پڑھا جائے گا اور اگر أنّ إلـخ کو مبتداء اور خبر کو محذوف مان لیں تو اَنّ پڑھا جائے گا، تقدیری عبارت اس طرح ہوگی إذا عبو ديتـه للقفا واللهازم ثابت. (تقریر کافیہ ۲/۱۷۲)

وشبهـــه: اس کا مطلب بیان ہو گیا کہ ہر وہ ترکیب جس میں إنّ مـع اسمها وخبرها إذا مفاجاتیہ کے بعد واقع ہو۔

تیسری بات: اِنَّ کے اسم پر اسم مرفوع کا عطف ڈالنا

ولـذلک جـاز الـعطف عـلـى اسـم الـمـكسـورة لفظًا أو حـكمًا: عزیز طلبہ! ولذلک اسم اشارہ کا مشار الیہ ماقبل فإن لا تـغير معنى الـجملة والی عبارت ہے، مطلب یہ ہے کہ جب اِنّ مکسورہ جملہ کے معنی میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں کرتا سوائے اس کے کہ اس میں تاکید کا معنی پیدا کر دیتا ہے، تو اِنّ چاہے لفظا مکسورہ ہو یا حکما، بہر دو صورت اس کے اسم کے محل پر کسی بھی اسم مرفوع کا عطف ڈالنا جائز ہوگا، وجہ یہ ہے کہ اِنّ مکسورہ مبتداء اور خبر پر داخل ہوتا ہے اور معنوی طور پر اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا، لہذا وہ تا حال مبتداء اور خبر ہوں گے، اور مبتداء مرفوع

ہوتا ہے اور مرفوع پر مرفوع کا عطف جائز ہوتا ہے لہذا یہاں بھی جائز ہوا جیسے إنَّ زیدا قائم و عمروٌ، یہ لفظا إنّ مکسورہ کی مثال ہے، حکما کا مطلب یہ ہے کہ بظاہر تو أنّ مفتوحہ ہو لیکن حکمی طور پر وہ مکسورہ ہو بایں طور کہ وہ علم یعلم کے مادہ سے کسی صیغے کے بعد واقع ہو اب اس سنگم پر آکر دو متضاد باتیں جمع ہو جاتی ہیں، ایک تو یہ کہ علم یعلم کے بعد ہمیشہ أنّ مفتوحہ آئے گا مکسورہ نہیں آسکتا، جبکہ دوسری طرف بات یہ ہے کہ علم یعلم دو مفعولوں کا محتاج ہوتا ہے اور اس کے بعد اگر أنّ ہو تو دو مفعول ہو نہیں سکتے اس لئے کہ أنّ پورے جملے کو بتاویل مفرد بنا دیتا ہے۔

لہذا مجبورًا یہ کہنا پڑا کہ علم یعلم کے بعد جو أنّ نظر آتا ہے یہ حقیقت میں إنّ ہے، اور اس کو أنّ کہنا اس لئے صحیح ہے کہ إنّ کے بعد جملہ ہوتا ہے جو دو مفعولوں کا قائم مقام بن جاتا ہے، جب یہ بات واضح ہوئی تو اب صاحب کافیہ فرما رہے ہیں إنّ حکمی کے اسم کے محل پر بھی اسم مرفوع کا عطف جائز ہے، جیسے علمت أنّ زیدا قائم و عمرو ، یہاں عمرو کا عطف زید کے محل پر ہے اور وہ محلا مرفوع ہے اس لئے یہ بھی مرفوع ہوگا۔

دون المفتوحة: دیکھو میرے عزیزوں! اس کا مطلب یہ ہے کہ أنّ مفتوحۃ کے اسم پر عطف نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ معنی میں تغیر اور تبدل کر کے پورے جملے کو بتاویل مفرد بنا دیتا ہے لہذا اس کا اسم محلا مرفوع نہیں رہا جب مرفوع نہیں رہا تو اس پر اسم مرفوع کا عطف بھی جائز نہیں ہوا۔

چوتھی بات: مذکورہ قاعدہ کے لئے ایک شرط

ویشترط مضي الخبر لفظا أو تقديرا: فرماتے ہیں کہ مذکورہ قاعدہ تب جائز ہوگا جب إنّ حرف مشبہ بالفعل کی خبر اس اسم معطوف سے مقدم ہو، اور مقدم ہونا چاہے حقیقتاً ہو یہ حکماً، حقیقتاً کا مطلب تو ظاہر ہے جیسے إنّ زیدًا قائمٌ وعمرٌو، اور حکماً یہ ہے کہ بظاہر تو اسم معطوف مقدم اور اَنّ کی خبر مؤخر ہو، لیکن عبارت میں خرابی آنے کی وجہ سے اسی خبر مؤخر کو حکمی طور پر مقدم مانا جائے، مثلاً آپ کہے کہ إنّ زیدا قائم وعمرو قائم، دیکھیں یہاں قائمٌ زیدٌ کی خبر ہے یہ حقیقت میں عمرو سے مقدم ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر اس کو مقدم نہ مانا جائے تو ضرور اس کو زید اور عمرو کا خبر کہنا پڑے گا، اور یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ اگر دونوں کی خبر ہوتی تو قائمان ہوتا، جبکہ یہاں قائم ہے، لہذا ثابت ہوا کہ یہ صرف زید کی خبر ہے عمرو کی نہیں ہے، جب زید کے لئے اس کا خبر ہونا اس بات پر دلالت کررہا ہے کہ میں لفظاً اگرچہ مؤخر ہوں لیکن حکما ورتبة مقدم ہوں، لہذا شرط پائی گئی تو مذکورہ عطف بھی جائز ہوگا، واللہ اعلم بالصواب۔

خلافاللكوفيين: کوفی حضرات مذکورہ شرط کی مخالفت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ اسم معطوف چاہے اسم إنّ کی خبر سے پہلے ہو یہ نہ ہو بہر دو صورت اسم إنّ کے محل پر اس کا عطف جائز ہوگا، دلیل ان حضرات کی یہ ہے کہ إنّ عامل ضعیف ہے، جو کہ صرف اپنے اسم میں عمل کرتا ہے اور خبر خود بخود مرفوع ہوتی ہے إنّ کی وجہ سے مرفوع نہیں ہوتی، لہذا اب اسم معطوف چاہے اس کی خبر سے مقدم ہو یہ مؤخر ہر

صورت میں اس کا عطف صحیح ہوگا، چنانچہ ان کے ہاں إنّ زیدا وعمرو ذاهبان کی ترکیب صحیح ہوگی۔

پانچویں بات: صاحب کافیہ کا امام کسائی وامام مبرد پر رد

ولا أثر لكونه مبنيًا خلافا للمبرّد والكسائي في مثل: إنك وزيد ذاهبان: ماقبل والا اختلاف بصریین کے ساتھ کوفیین کا تھا، اب اندرون خانہ بصریین کے ساتھ امام مبرد اور امام کسائی رحمهما الله کا اختلاف ہے، یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ ہم تو اپنے بصریین کا ساتھ دیتے ہیں لیکن جہاں اِنّ کا اسم مبنی ہو جیسے إنّ الذي، إنّ هذا، إنه وغیرہ تو ایسے موقعوں پر اِنّ کا خبر چاہے مقدم ہو یا مؤخر بہر حال عطف جائز ہوگا جیسے إنک وزید ذاهبان، لہذا ان دونوں حضرات کے قول کو رد کرتے ہوئے صاحب کافیہ نے جمہور کی طرف سے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ان کے اس قول کا کوئی اثر کوئی فائدہ اور کوئی اعتبار نہیں ہے۔

چھٹی بات: لکن کے متعلق ایک اصول

ولكنّ كذلك: فرماتے ہیں کہ حروف مشبہ بالفعل میں سے لکنّ حرف استدراک اِنّ مکسورہ کی طرح ہے، یعنی جس طرح اِنّ کے اسم کے محل پر کسی دوسرے اسم کا عطف جائز ہے اسی طرح لکنّ کے محل اسم پر بھی جائز ہے بشرطیکہ اسی طرح لکنّ کی خبر معطوف پر مقدم ہو، جیسے جاء ني زيدٌ لكنّ عمرو اغائب وبكر، وجہ اس کہ یہ ہے کہ جس طرح اِنّ مکسورہ کلام میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتا سوائے تاکید کے، اسی طرح لکنّ بھی معنی کلام میں کوئی تغیر نہیں لاتا سوائے استدراک کے، اور

استدراک معنی کلام کے منافی نہیں ہے، یعنی جس طرح اِنّ تاکید کے باوجود ابتداء کے منافی نہیں ہے اسی طرح لکنّ بھی منافی ابتداء نہیں ہے۔

ساتویں بات: مذکورہ اصول پر ایک تفریع

ولذلک دخلت اللام مع المکسورۃ: ماقبل میں یہ اصول بیان ہوا تھا کہ اِنّ مکسورہ معنی جملہ میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرتا سوائے تاکید کے، اب اس پر تفریع بیان کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ جب اِنّ بھی صرف تاکید کے لئے آتا ہے اور لام تاکید بھی اسی معنی کے لئے آتا ہے تو اِنّ کے اسم اور خبر دونوں پر لام تاکید کا داخل کرنا جائز ہوگا، لیکن اَنّ کے اسم اور خبر پر نہیں اس لئے کہ اَنّ کی وجہ سے معنی کلام میں تبدیلی آجاتی ہے یعنی اس کو بتاویل مفرد بنادیتی ہے جیسے خبر پر دلالت کرنے کی مثال **إنّ زیدًا لقائمٌ**، دیکھیں خبر پر لام تاکید داخل کرنے کی کوئی شرط نہیں ہے لیکن اسم پر داخل کرنے کے لئے فرمارہے ہیں کہ **أو الاسم إذا فصل بینہ وبینھا** یعنی جنابِ من! آپ اِنّ کے اسم پر بھی لام تاکید داخل کرسکتے ہو لیکن بشرطیکہ اِنّ اور اسم کے درمیان میں فاصلہ ہو یعنی إنّ کا خبر اسم پر مقدم ہو جیسے **إنّ فی المدرسۃ لزیدًا**، نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿**وإنّ من شیعتہ لإبراھیم**﴾۔

أو علی ما بینھما: شرط مذکورہ کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ اگر اِنّ کی خبر اسم پر مقدم نہ ہو تو کم از کم اتنا تو ضرور ہو کہ اسم اور خبر کے درمیان کوئی فاصلہ ہو جیسے **إنّ زیدا لطعامک آکلٌ**، اس صورت میں لام تاکید فاصل پر داخل ہوگا یعنی إنّ حرف مشبہ بالفعل کے خبر کے معمول پر، اور فاصل کی شرط اس لئے لگائی تاکہ دو حرف تاکید کا یکے

بعد دیگرے جمع ہونا لازم نہ آئے؛ کیونکہ إنّ حرف مشبہ بالفعل بھی حرف تاکید ہے اور لام بھی حرف تاکید ہے۔

وفی لکنَّ ضعیف: فرماتے ہیں کہ لکنَّ حرف استدراک کے اسم یا خبر پر یا ان دونوں کے درمیان فاصل پر لام کید کا لانا ضعیف ہے؛ اس لئے کہ یہ اگر چہ جملہ کے معنی کو متغیر نہ کرنے میں إنّ کی طرح ہے لیکن تاکید میں اس کی طرح نہیں ہے، لہذا اگر پہلی مناسبت کو دیکھا جائے تب تو لام تاکید کا لانا جائز ہوگا اور اگر دوسری مناسبت کو دیکھا جائے تو ناجائز ہوگا، لہذا جواز اور عدم جواز کا جب تقابل ہوا تو آخر نتیجہ یہ نکالا گیا کہ لام کا داخل کرنا ضعیف ہے۔

درس (۶۴)

إن مخففہ من المثقلہ کا بیان

وتخفف المكسورة، فيلزمها اللام، ويجوز إلغاؤها، ويجوز دخولها على فعل من أفعال المبتدأ خلافًا للكوفيين في التعميم، وتخفف المفتوحة، فتعمل في ضمير شأن مقدر، فتدخل على الجمل مطلقًا، وشذّ إعمالها في غيره، ويلزمها مع الفعل السين، أو سوف، أو قد، أو حرف النفي.

ترجمہ: اور مخففہ کیا جاتا ہے إنّ مکسورہ کو، پس لازم ہے اسے لام، اور جائز ہے اس (ان مکسورہ) کو لغو کرنا، اور جائز ہے اس (إنّ) مکسورہ کو داخل کرنا مبتدا کے افعال

میں سے کسی فعل پر، اختلاف ہے اس کے عموم میں کوفیوں کا، اور تخفیف کی جا سکتی ہے أنّ مفتوحہ میں، پس عمل کرے گا ضمیر شان مقدر میں، پس داخل ہوگا جملے پر مطلقا اور شاذ ہے اس کا عمل کرنا اس (ضمیر شان) کے علاوہ میں، اور لازم ہے اس (أنّ مفتوحہ مخففہ) کو فعل کے ساتھ سین یا سوف یا قد یا حرف نفی کا ہونا۔

تشریح: دیکھئے میرے عزیز! کل آپ حضرات نے بڑا طویل درس پڑھا تھا لیکن آج کے درس میں بہت ہی آسان اور مختصر طور پر صرف چار باتیں ہوں گی:

(۱) إن مخففہ من المثقلہ اور اس کی علامات۔

(۲) إن مخففہ کے عمل کا بیان۔

(۳) ایک اشکال اور اس کا جواب۔

(۴) أن مخففہ اور أن مصدریہ میں فرق۔

پہلی بات: إن مخففہ من المثقلہ اور اس کی علامات

وتخفف المكسورة فيلزمها اللام: فرماتے ہیں کہ کبھی کبھار إنّ حرف مشبہ بالفعل کو مخففہ بنایا جاتا ہے اس لئے کہ کلام عرب میں اس کا استعمال بہت کثرت سے ہوتا ہے، لیکن ایک بات کا لحاظ رکھنا ہوگا کہ ایسی صورت میں اس کی خبر پر لام تاکید کا لانا واجب ہوگا، وجہ اس کی یہ ہے کہ إن کی دو قسمیں ہیں، إنْ مخففہ جس سے ہم بحث کر رہے ہیں اور إنْ نافیہ، اگر مخففہ والے کی خبر پر لام تاکید داخل نہیں کرینگے تو إن مخففہ کا إن نافیہ کے ساتھ التباس لازم آئیگا، اس التباس سے بچنے کے لئے ضروری قرار دیا کہ مخففہ والے کی خبر پر لام تاکید ہوگا۔

دوسری بات: اِن مخففہ کے عمل کا بیان

ویجوز إلغائها : جب اِنّ مثقلہ کو مخففہ بنادیا جائے تو اس کو ملغی عن العمل بنانا جائز ہے یعنی نہ تو اپنے اسم کو نصب دے گا اور نہ اپنے خبر کو رفع؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ حروف مشبہ بالفعل بذات خود تو عامل ہیں نہیں بلکہ فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے عمل کرتے ہیں، لیکن یہاں جب ہم نے اس کو مخففہ بنایا تو اس کی مشابہت فعل کے ساتھ لفظی طور پر ختم ہوگئی، اس لئے ہم نے کہا کہ اس کو عمل دینا بھی جائز ہے جیسے ﴿وإن كلا لما ليوفينهم﴾ ،اور ملغی عن العمل بنانا بھی جائز ہے جیسے ﴿وإن كل ذلك لما متاع الحيواة الدنيا﴾۔

ويجوز دخولها على فعل من أفعال المبتداء: إن مخففہ کے متعلق دوسری بات یہ فرمارہے ہیں کہ قبل التخفیف تو اس کا دخول اسماء کے ساتھ خاص تھا، یعنی یہ مبتداء اور خبر دونوں پر داخل ہورہا تھا لیکن بعد التخفیف یہ افعال پر بھی داخل ہوگا، کونسے افعال پر؟ تو اس میں بصریین اور کوفیین کا اختلاف ہے، بصریین فرماتے ہیں کہ یہ ان افعال پر داخل ہوگا جو افعال مبتداء اور خبر پر داخل ہوتے ہیں جیسے افعال ناقصہ، افعال قلوب وغیرہ جیسے ﴿وإن كانت لكبيرة إلا على الخاشعين﴾، اور ﴿وإن نظنك لمن الكاذبين﴾۔

اور کوفیین فرماتے ہیں کہ یہ ہر قسم کے افعال پر داخل ہوگا، ان کی دلیل ایک شعر ہے:

تالله ربك إن قتلت لمسلما

وجبت عليك عقوبة المعتقد

اس میں اِن مخففہ قتلت فعل پر داخل ہے جو کہ عام قسم کا فعل ہے، بصریین نے اس کا مختصر جواب دیدیا کہ یہ شاذ ہے، تو بات ہی ختم ہوگئی۔

وتخفف المفتوحة: اِنّ مکسورہ کی طرح اَنّ مفتوحہ کو بھی مخففہ بنادیا جاتا ہے، **فتعمل في ضمير شان مقدر**، ایسی صورت میں فرماتے ہیں کہ اَن مفتوحہ ضمیر شان میں عمل کرتا ہے بایں طور کہ ضمیر شان اس کے لئے اسم بنے گا اور بعد والا جملہ جو ضمیر شان کی تفسیر کرتا ہے بتاویل مفرد ہو کر اس کے لئے خبر ہوگی، اور ضمیر شان میں عمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اِنّ مکسورہ بعد التخفیف بھی اسم میں عمل کرتا ہے، حالانکہ اس کی مشابہت فعل کے ساتھ اتنی نہیں ہے جتنی اَنّ مفتوحہ کی ہے، لہذا ایسی حالت میں اِن مکسورہ کو عمل دینا اور وہ بھی اسم ظاہر میں اور اَن مفتوحہ کو کوئی عمل نہ دینا صحیح نہیں ہوگا ورنہ تو مکسورہ کی مفتوحہ پر فوقیت لازم آئیگی، لہذا یہ ضروری قرار دیا کہ ضمیر شان میں یہ عمل کرے گا، جیسے أشهد أن لا إله إلا الله، أي: أشهد أنه لا إله إلا الله۔

تیسری بات: ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ جناب من! یہاں تو پھر بھی اِن مکسورہ کی مفتوحہ پر فوقیت ثابت ہوگئی؛ کیونکہ یہ ضمیر شان میں عمل کرتا ہے اور وہ بھی مقدر، جبکہ اِن مکسورہ تو اسم ظاہر میں عمل کرتا ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اِن مکسورہ اگر چہ اسم ظاہر میں عمل کرتا ہے لیکن یہ عمل اس کا جوازی ہے **کما در ستم**، اور اَن مفتوحہ اگر چہ ضمیر شان مقدر میں عمل کرتا ہے لیکن وجوبی اور دوامی طور پر کرتا ہے اس لئے اس کی فوقیت اس پر ثابت نہیں ہوگی۔

فتدخل علی الجمل مطلقا: جب أنّ مفتوحہ کومخففہ بنایا جاتا ہے تو وہ بغیر کسی اختلاف کے ہر قسم کے جملے پر داخل ہوسکتا ہے یعنی جملہ اسمیہ پر بھی اور جملہ فعلیہ پر بھی، اور فعلیہ کی صورت میں چاہے وہ فعل مبتداء خبر پر داخل ہونے والا ہو یا نہ ہو بہر صورت أن مخففہ اس پر داخل ہو سکے گا جیسے ﴿علم أن سيكون منكم مرضى﴾۔

چوتھی بات: أن مخففہ اور أن مصدریہ میں فرق

ويلزمها مع الفعل السين أو سوف أو قد أو حرف النفي: دیکھو میرے عزیزو! جب آپ نے أنّ کومخففہ بنایا تو بعض جگہ آپ کو اشکال ہوسکتا تھا کہ یہ أن مخففہ ہوگا یا أن مصدریہ ہوگا، چنانچہ اس اشکال کو دور کرنے کے لئے صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ أن مخففہ جس فعل پر داخل ہوگا اس فعل سے قبل سین، سوف، قد اور حرف نفی میں سے ایک کا لانا ضروری ہوگا، تاکہ دونوں کے درمیان فرق واضح ہو جائے جیسے ﴿علم أن سيكون منكم مرضى﴾، اور سوف کی مثال:

واعلم فعلم المرء ينفعه

أن سوف يأتي كل ما قدرا

اور قد کی مثال: ﴿ليعلم أن قد أبلغوا رسالات ربهم﴾، اور حرف النفی کی مثال: ﴿أفلا يرون أن لا يرجع إليهم قولا﴾۔

درس (٦٥)

باقی حروف مشبہ بالفعل کی تحقیق

وكأنّ للتشبيه، وتخفّف، فتلغى على الأفصح. ولكن للاستدراك تتوسط بين كلامين متغايرين معنىً، وتخفف فتلغى، ويجوز معها الواو. وليت للتمنّي، وأجاز الفرّاء ليت زيدًا قائمًا. ولعلّ للترجّي، وشذّ الجرّبها۔

ترجمہ: اور کأنَّ تشبیہ کے لئے آتا ہے، اور کبھی مخففہ کر دیا جاتا ہے، پس اس کا عمل لغو ہو جائے گا صحیح استعمال پر، اور لکن استدراک کے لئے ایسے دو کلاموں کے درمیان میں آتا ہے جو معنا متغایر ہوں، اور اس میں تخفیف کی جاتی ہے پس عمل لغو ہو جاتا ہے، اور جائز ہے اس کے ساتھ واو، اور لیت تمنی کے لئے آتا ہے اور جائز رکھا ہے فراء نے لیت زیدًا قائمًا، اور ترجی کے لئے ہے اور شاذ ہے اس کی وجہ سے جر دینا۔

تشریح: آج کے درس میں پانچ باتیں ہیں:

(۱) کأنَّ کی تحقیق۔

(۲) لکنَّ کی تحقیق۔

(۳) ایک اشکال اور اس کا جواب۔

(۴) لیت کی تحقیق۔

(۵) لعلَّ کی تحقیق۔

پہلی بات: کأنّ کی تحقیق

وکأنَّ للتشبیه: حروف مشبہ بالفعل میں کأنَّ بھی ایک حرف ہے اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ کلام عرب میں تشبیہ کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کی طرح ثابت کرنے کے لئے جیسے کأنّ زیدًا أسدٌ، یعنی زید تو بالکل شیر کی طرح ہے۔

جمہور علماء نحو کے ہاں یہ ایک مستقل حرف ہے کسی سے بنا ہوا نہیں ہے، جبکہ بعض علماء نحو فرماتے ہیں کہ یہ کوئی مستقل حرف نہیں ہے بلکہ کاف حرف تشبیہ اور إنّ حرف مشبہ بالفعل سے ایک مرکب صورت ہے۔

اگر اس قول کو لیتے ہیں تو یہاں اشکال ہوگا کہ جناب من! جب یہ کاف حرف تشبیہ اور إنّ سے بنا ہے تو اس کو کإنّ کیوں نہیں پڑھا جاتا، اس کا جواب آپ نے ہدایۃ النحو میں پڑھ لیا ہوگا کہ إنّ حرف کے بعد مفتوح ہوگا، لہذا یہاں بھی اس سے قبل کاف حرف ہے تو یہ مفتوح ہوگا۔

وتخفف فتلغی علی الأفصح: فرماتے ہیں کہ إنّ اور أنّ کی طرح اس کو بھی مخفف بنایا جاتا ہے لیکن فرق تینوں میں یہ رہے گا کہ إنّ کو تخفیف کے بعد عامل بھی بنایا جا سکتا ہے اور مہمل بھی، اور أنّ عامل ہی ہوگا، اور کأنَّ صحیح تر قول کے مطابق فصحاء اور بلغاء کے ہاں ملغی عن العمل ہوگا جیسے کأن ثدیاہ حقان اگر کأنَّ عمل کرتا تو کأن ثدییه ہوتا۔

دوسری بات: لکنّ کی تحقیق

ولکنّ للاستدراک: یہ حروف مشبہ بالفعل میں سے چوتھا حرف ہے جو استدراک کے لئے آتا ہے، اور استدراک کا لغوی معنی ہے پالینا، اور اصطلاح میں اس کا معنی یہ ہے کا ماقبل والی بات سے جو وہم اور شک پیدا ہورہا تھا، اسی لکنّ حرف استدراک کے ذریعے اس کو دور کرنا، اس لئے صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ **تتوسط بین کلامین متغایرین معنی،** یعنی یہ حرف استدراک ایسے دو جملوں کے درمیان میں واقع ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے مغائر ہوتے ہیں، وہ مغائرت یا تو صرف معنوی ہوگی یا معنوی اور لفظی دونوں ہوگی جیسے معنوی کی مثال: **غاب زید لکنّ عمروًا حاضرٌ،** دیکھیں اس میں لکنّ کا ماقبل اور مابعد دونوں جملے لفظی اعتبار سے مثبت ہیں لیکن معنوی اعتبار سے دونوں میں تغائر اور اختلاف ہے؛ کیونکہ ماقبل والے جملے میں زید کی غیر حاضری بتائی جارہی ہے جبکہ دوسرے میں عمرو کی حاضری بتائی جارہی ہے جو کہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔

لفظی اور معنوی دونوں کی مثال: **جاء نی زیدٌ لکنّ عمروًا لم یجیٔ،** دیکھیں اس میں ماقبل والا کلام مثبت ہے اور مابعد والا منفی، لہذا یہ معنوی اعتبار سے بھی ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور لفظی اعتبار سے بھی۔

وتخفف فتلغی: فرماتے ہیں کہ لکنّ کو بھی اپنے اخوات کی طرح مخفف بنایا جاتا ہے، لیکن جیسے ہی اس کو مخفف بنادیا جائے تو بغیر کسی رعایت کے بالاتفاق سوائے امام اخفش وامام یونس کے اس کو ملغی عن العمل بنادیا جاتا ہے یعنی وہ حالت

تخفیف میں کوئی عمل نہیں کرتا اور پھر وہ فعل پر بھی داخل ہوگا جیسے ﴿ألا إنهم هم المفسدون ولكن لا يشعرون﴾، اور اس کو ملغی عن العمل اس لئے بنایا جائے گا کہ اس کی مشابہت ہوگئی لکنّ حرف عطف کے ساتھ اور وہ غیر عاملہ ہوتا ہے اس لئے یہ بھی غیر عاملہ ہوگا۔

تیسری بات: ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں پہنچ کر ہمارے بعض طلبہ ساتھیوں کو اشکال ہوسکتا ہے کہ لکنّ کو جب ہم نے مخفف بنایا تو اب لکنّ حرف عطف اور لکنْ مخففہ من المثقلہ میں فرق کیسے کریں گے۔

تو علامہ ابن حاجبؒ نے جواب دیا کہ عزیز من! اس کا حل ہے اور وہ ہے، ويجوز معها الواو یعنی لکنّ مخففة من المثقلة سے پہلے واو لگانا جائز ہے، لہذا ایا تو وہ واو پہلے سے لگی ہوئی ہوگی یا پہلے سے نہیں ہوگی لیکن اگر ہم لگانا چاہے تو ہمارے لئے جائز ہوگا یعنی معنوی اور لفظی اعتبار سے کوئی خرابی لازم نہیں آئیگی جیسے مثال مذکور ﴿ولكن لا يشعرون﴾ میں گذر گیا، اور جب مخففہ میں جائز ہوا تو مثقلہ میں بھی جائز ہوگا جیسے غاب زيد ولكن عمروا حاضر میں، جبکہ لکن عاطفہ سے پہلے ایسی واو نہیں آسکتی، ورنہ تو ایک حرف عطف کا دوسرے حرف عطف پر داخل ہونا لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے۔

چوتھی بات: لیت کی تحقیق

وليت للتمني: حروف مشبہ بالفعل میں سے پانچواں حرف لیت ہے، یہ

تمنی کے لئے استعمال ہوتا ہے، تمنا کا معنی ہے، محبت کے ساتھ کسی ممکن یا ناممکن چیز کو طلب کرنا، اور اس کی آرزوں کرنا، تو صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ اس مقصد کے لئے کلام عرب میں لیتَ کا کلمہ استعمال کیا جاتا ہے، جوکہ حروف مشبہ بالفعل میں سے ہے، اور جمہور علماء نحو کے ہاں اس کا عمل یہ ہے کہ یہ اپنے اسم کو نصب اور خبر کو رفع دے گا جیسے لیتَ زیدًا حاضرٌ۔

وأجاز الفراء ليتَ زيدًا قائمًا: جمہور کے ہاں تو اس کا ایک ہی عمل ہے جو گذر گیا، البتہ امام فراء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بھی جائز ہے کہ لیت حرف تمنی کو أتمنّٰی فعل متعدی کے معنی میں لے کر زیدًا کو اس کے لئے مفعول اول اور قائمًا کو اس کے لئے مفعول ثانی بنا دیں گے، الغرض اس صورت میں لیتَ بمعنی تمنّیت یا أتمنّٰی متعدی بدو مفعول بن جائے گا۔

پانچویں بات: لعلَّ کی تحقیق

ولعلَّ للترجّي: عزیز طلبہ! یہ حروف مشبہ بالفعل میں سے آخری حرف ہے، جوکہ ترجی کے لئے آتا ہے، ترجی اور تمنی کا ایک ہی معنی ہے، بس فرق یہ ہے کہ تمنی میں یا تو کسی امر مستحیل یا امر مشکل کی طلب ہوتی ہے، جبکہ ترجی میں امر ممکن کی طلب ہوتی ہے، جیسے ہدایۃ النحو میں آپ حضرات نے ایک شعر پڑھا تھا:

أحب الصّالحين ولست منهم

لعل الله يرزقني صلاحًا

دیکھئے یہاں صلاح کو طلب کیا گیا ہے جو کہ ممکن الوجود ہے بلکہ اس پر مستزاد

یہ کہ ہم سے اس کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے، اگر یہ ممکن نہ ہوتا تو تو ہم سے اس کا مطالبہ شریعت مطہرہ میں ہرگز نہ ہوتا؛ کیونکہ آپ نے پڑھا ہوگا کہ ہمارے شریعت مطہرہ میں تکلیف مالایطاق نہیں ہے۔

وشذَّ الجرُّ بها: جمہور علماءِ نحو کا مسلک تو یہ ہے کہ لعلَّ حروف مشبہ بالفعل میں سے ہے اور انہی کی طرح یہ عمل کرتا ہے، لیکن ابن مالک نحویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حروف جارہ میں سے ہے جیسا کہ وہ ایک شعر میں فرماتے ہیں:

مذ ومنذ ربَّ اللام کئی واو وتاء

والکاف والباء ولعلَّ ومتی

چنانچہ ان کے ہاں **لعلَّ زیدٍ حاضرٌ** کہنا جائز ہے، اور علامہ ابن حاجبؒ جمہور علماءِ نحو کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ اس کے ذریعے سے اگلے اسم کو جر دینا شاذ ہے اس پر دیگر اسماء کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

درس (٦٦)

حروف عاطفہ کا بیان

الحروف العاطفة، وهي الواو، والفاء، وثمّ، وحتّى، وأو، وإما، وأم، ولا، وبل، ولكن، فالأربعة الأول للجمع، فالواو للجمع مطلقًا لا ترتيب فيها، والفاء للترتيب، وثمّ مثلها بمهملة، وحتى مثلها، ومعطوفها جزء من متبوعه ليفيد قوّة أو ضعفًا، و أو، وأمّا، وأم،

لأحد الأمرين مبهمًا۔

ترجمہ: حروف عاطفہ اور وہ یہ ہیں: واو، فا، ثم، حتی، أو، أما، أم، لا، بل، لکن، پس پہلے چار جمع کے لئے آتے ہیں پس واو مطلق جمع کے لئے آتی ہے اسمیں کوئی ترتیب نہیں ہوتی اور فاء ترتیب کے لئے آتی ہے اور ثم بھی (فاء) کی مثل ہے لیکن مہلت کے ساتھ اور حتی کے ساتھ اور حتی اسی (ثم کی) مثل ہے اور اسکا معطوف اپنے متبوع کا جزء ہوتا ہے تاکہ فائدہ دے قوت کا یا ضعف کا اور اُو اور اما، ام دو مبہم امروں میں سے ایک کے لئے آتا ہے۔

تشریح: آج کے درس میں بالکل مختصر چار باتیں ہیں:

(۱) حروف عاطفہ اوران کی وجہ تسمیہ۔

(۲) واو، فاء، ثم، حتی کی تحقیق۔

(۳) حتی، فاء اور ثم میں فرق۔

(۴) ثم اور حتی میں فرق۔

پہلی بات: حروف عاطفہ اوران کی وجہ تسمیہ

عزیز طلبہ! آج ہم حروف کی تیسری قسم حروف عاطفہ پڑھ رہے ہیں، عطف کا لغوی معنی ہے مائل کرنا، ان حروف کو بھی عاطفہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ معطوف کو معطوف علیہ کی طرف مائل کر کے اس کے عامل کا معمول بنا دیتے ہیں، چنانچہ ایسے کل دس حروف ہیں: واو، فاء، ثم، حتی، اَو، اِما، اَم، لا، بل، اور لکنّ۔

دوسری بات: واو، فاء، ثم اور حتی کی تحقیق

فالأربعة الأول للجمع: فرماتے ہیں کہ پہلے والے چار یعنی واو، فاء، ثم، حتی جمع کے لئے آتے ہیں، یعنی معطوف کو معطوف علیہ کے ساتھ حکم میں شریک کرنے کے لئے آتے ہیں، یہ تو چاروں کا مجموعی معنی ومقصود ہے، اب ہر ایک کی قدرے تفصیل بیان فرمارہے ہیں:

فالواو للجمع مطلقًا: فرماتے ہیں کہ واو تو مطلقًا معطوف اور معطوف علیہ کو ایک حکم میں جمع کرنے کے لئے آتی ہے، **لا ترتیب فیھا**، اور اس میں کوئی شرط نہیں ہوتی کہ معطوف علیہ آنے میں پہلے ہو بعد میں معطوف آیا ہو یا بالعکس، بلکہ جیسے بھی ہو یہ واو ان کو بیان کرے گی جیسے **جاء ني زيدٌ وعمروٌ**، اس میں مجیئت کی نسبت زید اور عمرو دونوں کی طرف ہے چاہے زید پہلے آیا ہو یا عمرو، یا دونوں ایک ساتھ آئے ہوں۔

والفاء للترتيب: ناکت صاحب کی عبارت ساتھ ملائیں تو عبارت بن جائیگی **والفاء للترتيب مع الوصل**، یعنی فاء ترتیب مع الوصل کے لئے آتی ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر آپ نے زید اور عمرو کے درمیان حرف عطف فاء استعمال کرنی ہو تو اس کو تب استعمال کرسکو گے جب اس میں تین چیزیں پائی جائیں:

(۱) معطوف اور معطوف علیہ دونوں ایک ہی حکم میں شریک ہوں۔

(۲) معطوف اور معطوف علیہ دونوں بالترتیب ہوں یعنی حکم کا اطلاق پہلے معطوف علیہ پر لگا ہو پھر معطوف پر۔

(۳) دونوں متصل ہوں یعنی زمانے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فصل نہ ہو جیسے جاء ني زيدٌ فعمروٌ، یعنی میرے پاس زید آیا پھر اس کے بعد فوراً عمرو آیا۔

وثم مثلها بمهلة: ثم بھی فاء کی طرح معطوف معطوف علیہ میں ترتیب بیان کرنے کے لئے آتا ہے، البتہ اس میں اور فاء میں فرق یہ ہے کہ وہاں تو اتصال لازم تھا، اور یہاں انفصال اور تراخی ہوگی جیسے جاء ني زيدٌ ثم عمروٌ، میرے پاس زید پہلے آیا پھر اس کے بعد عمرو آیا۔

تیسری بات: حتی، فاء اور ثم میں فرق

وحتى مثلها: حتى بھی معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان ترتیب بیان کرنے کے لئے آتا ہے، البتہ اس میں اور فاء وثم میں فرق یہ ہے کہ فاء میں اتصال شرط تھا، اور ثم میں انفصال اور تراخی کی شرط تھی، حتی میں بھی تراخی کی شرط ہے لیکن ترخی اس میں اتنی لمبی نہیں ہوگی جتنی ثم میں ہوتی تھی۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ ومعطوفها جزءٌ من متبوعه یعنی حتی کے بعد والا معطوف ماقبل معطوف علیہ کا یا تو ایک قوی قسم کا جزء ہوگا جیسے مات الناس حتى الأنبياء یعنی لوگ دنیا سے رخصت ہو گئے حتی کہ انبیاء علیہم السلام بھی پردہ فرما گئے، یا اس کا کمزور قسم کا جزء ہوگا، جیسے قدم الحجاج حتى المشاة یعنی حاجی صاحبان حج کا فریضہ مقدسہ ادا کرتے ہوئے اور دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے گلیوں اور کوچوں اور روضہ مبارکہ کی زیارتوں سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے ہوئے اور پھر آخر میں جدائی کی آنسوں بہاتے ہوئے اپنے اپنے وطن پہنچ گئے، یہاں تک کہ ان میں اس

سفر سعادت کو پیدل طے کرنے والے بھی پہنچ گئے ، یہی مقصد ہے صاحب کافیہ کی عبارت لیفید قوۃً أو ضعفًا کا۔

چوتھی بات: ثم اور حتی میں فرق

ثم اور حتی کے مابین دو طرح کا فرق ہے:

(۱) حتی میں معطوف، معطوف علیہ کا جزء ہوتا ہے، اور ثم میں ایسا نہیں ہوتا۔

(۲) ثم میں معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فاصلہ خارجی ہوتا ہے، اور حتی میں یہ فاصلہ ذہنی ہوتا ہے جیسے جاء ني زيدٌ ثم عمروٌ، اس مثال میں خارج میں فصل ہے یعنی پہلے زید آیا اور پھر عمرو آیا، اور مات الناس حتی الأنبياء میں فصل ذہناً ہے؛ کیونکہ ایسا نہیں کہ پہلے سارے لوگ مر جائیں پھر انبیاء علیہم السلام وفات پائیں، بلکہ انبیاء علیہم السلام میں سے سوائے حضرت عیسی علیہ السلام کے بقیہ تمام دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں جبکہ لوگ اب تک موجود ہیں، تو مات الناس حتی الأنبياء کے جملے کا مطلب یہ ہے کہ موت سب کے لئے ہے اگر کوئی زندہ رہتا تو انبیاء علیہم السلام زندہ رہتے جب وہ دنیا سے پردہ کر گئے تو دوسرے کیسے رہیں گے۔ (تقریر کافیہ ۲/۱۸۱ بتغییر یسیر)۔

وأو وإما وأم لأحد الأمرين مبهمًا: حروف عاطفہ میں سے پانچویں چھٹی اور ساتویں کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ یہ معطوف معطوف علیہ میں سے غیر معین طور پر کسی ایک کے لئے حکم ثابت کرنے کے لئے آتا ہے جیسے آیت مبارکہ میں ارشاد ہے ﴿لبثنا يومًا أو بعض يوم﴾ اور اسی طرح مررتُ برجلٍ أو امرأةٍ، یہ

متکلم کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ دونوں میں سے حکم کس کے لئے ثابت ہے۔

درس (٦٧)

اُم متصلہ اور اُم منقطعہ کا بیان

وأم المتصلة لازمة لهمزة الاستفهام، يليها أحد المستويين والآخر الهمزة بعد ثبوت أحدهما لطلب التعيين، ومن ثمّ لم يجز أرأيت زيدًا أم عمروًا؟ ومن ثمّ كان جوابها بالتعيين دون نعم أو لا، والمنقطة كبل والهمزة، مثل: إنّها لإبل أم شاء. وإما قبل المعطوف عليه لازمة مع إمّا جائزة مع أو. ولا، وبل، ولكن لأحدهما معينًا، ولكن لازمة للنفي.

ترجمہ: اورام متصلہ لازم ہے ہمزہ استفہام کے لئے اور ملا ہوتا ہے اس (اُم متصلہ) کے ساتھ دو مساوی امروں میں سے ایک امر، اور دوسرے کا ہمزہ استفہام کے ساتھ (اتصال ہوتا ہے) بعد اس کے کہ ثبوت ہو ان میں سے ایک کی تعیین طلب کرنے کے لئے، اسی وجہ سے جائز نہیں أرأيت زيدًا أم عمروا، اس (ام متصلہ) کا جواب ہوتا ہے تعیین کے ساتھ نہ کہ نعم کے ساتھ یا لا کے ساتھ، اور منقطعہ معنی میں بل اور ہمزہ کے ہوتا ہے جیسے إنّها لإبل أم شاة، اور اما معطوف علیہ سے پہلے لانا لازم ہے اما کے ساتھ، اور اما کا لانا جائز ہے او کے ساتھ، اور لا اور بل اور لکن دو امروں میں سے ایک معین کے لئے آتا ہے اور لکن لازم ہے نفی کے لئے۔

تشریح: آج کے درس میں پانچ باتیں ہیں:

(۱) اُم متصلہ ومنقطعہ کی تعریفیں اور طریقہ استعمال۔

(۲) مذکورہ اصول پر ایک تفریعی صورت۔

(۳) اِما کی تفصیل۔

(۴) لا، بل اور لکن کی تفصیل۔

پہلی بات: اُم متصلہ ومنقطعہ کی تعریفیں اور طریقہ استعمال

وأم المتصلة لازمةٌ لهمزة الاستفهام يليها أحد المستويين:

کلمہ اُم کی یہاں پر صاحب کافیہ نے دو قسمیں بیان فرمائی ہیں، متصلہ اور منقطعہ، متصلہ وہ ہے جو یہ بتلانے کے لئے آتا ہے کہ اس کا مابعد ماقبل سے ملا ہوا ہے بلکہ ایسا معلوم ہو رہا ہو کہ گویا وہ ایک ہی جملہ ہے جیسے ﴿**سواءٌ عليهم أ أنذرتهم أم لم تنذرهم لايؤمنون**﴾۔

اور منقطعہ وہ ہے جو اس کے بالکل برعکس ہو یعنی اس کا مابعد ماقبل سے ملا ہوا نہ ہو، جیسے **إنّها لإبلٌ أم شاةٌ**۔

جب ان دونوں کی تعریفیں آپ حضرات نے سمجھ لیں تو اب ان دونوں کے طریقہ استعمال بتا رہے ہیں وہ یہ کہ اُم متصلہ کے ساتھ ہمزہ استفہام کا ہونا ضروری ہے، یعنی جہاں اُم متصلہ ہوگا وہاں جملہ اولی کے شروع میں ہمزہ استفہام ہوگا، اور دوسرے جملے کے شروع میں اُم متصلہ ہوگا جیسے **أزيدٌ عندكَ أم عمروٌ؟**۔

صاحب کافیہ کی عبارت **يليها أحد المستويين والآخر الهمزة** کا

مطلب یہ ہوا کہ أحد المستويين میں سے ایک تو ہمزہ استفہام کے بعد ہوگا اور دوسرا اُم متصلہ کے بعد ہوگا، کمافي المثال المذکور، اور مستویین کہنے سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ہمزہ استفہام کے بعد جو کلمہ ہوگا اُم متصلہ کے بعد بھی وہی کلمہ ہوگا یعنی ہمزہ استفہام کے بعد اگر اسم ہو تو اُم متصلہ کے بعد بھی اسم ہی ہوگا، اور اگر وہاں فعل ہو تو یہاں بھی فعل ہوگا، اسی پر تفریع بیان کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ **ومن ثم لم یجز أرأیت زیدًا أم عمروًا؟** یعنی أرأیت زیدًا أم عمروًا کہنا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں ہمزہ استفہام کے بعد فعل ہے اور اُم متصلہ کے بعد اسم علم ہے، لہذا اس میں مذکورہ اصول قائم نہ رہنے کی وجہ سے یہ مثال ہی صحیح نہیں ہوگی۔

بعد ثبوت أحدهما لطلب التعیین: فرماتے ہیں کہ مذکورہ سوال متکلم مخاطب سے تب کرسکتا ہے جب اس کو ضرور اتنا معلوم ہو کہ ان دونوں میں سے لاعلی التعیین کسی ایک کے لئے حکم ثابت ہے، اور سوال کیا جارہا ہے اس بات کو معلوم کرنے کے لئے کہ متعینہ طور پر یہ حکم دونوں میں سے کس لئے ثابت ہے۔

دوسری بات: مذکورہ اصول پر ایک تفریعی صورت

ومن ثم کان جوابها بالتعیین دون نعم أو لا: اسی بات پر تفریعی صورت بیان فرمارہے ہیں کہ جب اُم متصلہ کے ذریعے مذکورہ طریقے سے سوال کیا جائے تو اس کا جواب أحد المستويين میں سے کسی ایک کی تعیین کے ساتھ ہوگا، نعم یا لا کے ساتھ جواب نہیں دیا جائے گا، کیونکہ سائل کو اتنا تو پہلے سے معلوم ہے کہ حکم ان دونوں میں سے کسی ایک کے لئے یقیناً ثابت ہے سوال صرف تعیین کا ہے لہذا اگر

جواب میں کسی ایک کو متعین کر کے بتایا جائے تب تو جواب صحیح ہوگا لیکن اگر نعم یالا کے ساتھ دیا جائے تو جواب سوال کے مطالق نہ ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوگا جیسے أرجلٌ في الدار ام امرأةٌ؟ کے جواب میں رجلٌ یاامرأةٌ ہی کہا جائے گا۔

تیسری بات: اُم منقطعہ کی تفصیل

والمنقطعة كبل والهمزة: اُم متصلہ کے بعد اب اُم منقطعہ کی تفصیل بتارہے ہیں، وہ یہ کہ جس طرح کلمہ بل کلام عرب میں اور کلمہ بلکہ ہمارے اردو میں ماقبل والے کلام سے اعراض کے لئے آتا ہے اور ہمزہ مابعد والے جملہ میں شک پیدا کرتا ہے اسی طرح اکیلا کلمہ اُم یہ دونوں کام کرتا ہے مثلاً آپ نے دور سے ایک چلتی ہوئی شکل وصورت کو دیکھا، تو آپ نے کہا کہ إنّها لإبلٌ، لگتا ہے یہ اونٹ آرہا ہے، پھر جب آپ بھی آگے بڑھتے گئے اور وہ بھی سامنے سے آتا رہا تو آپ کو یقین ہوا کہ یہ اونٹ تو نہیں ہے، لیکن پھر بھی شک ہورہا تھا کہ یہ بکری ہے یا کوئی اور جانور ہے، تو اسی شک میں آپ نے کہا کہ أم هي شاةٌ؟ بھائی! یہ بکری تو نہیں؟، دیکھئے یہاں ماقبل والی بات سے تو یکسر اعراض کیا گیا، اور پھر نئے سرے سے ایک سوال کیا کہ لگتی تو یہ بکری ہے لیکن یہ بھی عین ممکن ہے کہ کوئی اور چیز ہو، خلاصہ یہ کہ اُم منقطعہ کے ذریعے ماقبل سے اعراض اور مابعد میں شک پیدا ہوا۔

چوتھی بات: إما کی تفصیل

وإما قبل المعطوف عليه لازمةٌ مع إما جائزةٌ مع أو: حروف عاطفہ میں ایک إما بھی ہے، یہ دو چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ استعمال ہوتا ہے،

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ حرف عطف یا تو إما ہوگا یا کلمہ أو ہوگا، اگر إما ہو تو اس سے پہلے بھی ایک إما لانا واجب ہوگا جیسے جاء ني إما زيدٌ وإما عمروٌ، اور اگر حرف عطف أو ہو تو اس سے پہلے إما لے کر آنا اور نہ لانا دونوں جائز ہوں گے جیسے جاء ني زيدٌ أو عمروٌ، يا جاء ني إما زيدٌ أو عمروٌ۔

پانچویں بات: لا، بل اور لکن کی تفصیل

لا وبل ولكن لأحدهما معيناً: فرماتے ہیں کہ لا، بل اور لکن معطوف ومعطوف علیہ میں سے متعین طور پر کسی ایک کے لئے حکم کو ثابت کرتے ہیں، البتہ تینوں میں یہ فرق ہے کہ معطوف علیہ کے لئے جو حکم ثابت کیا جا رہا ہے لا میں معطوف سے اس حکم کی نفی مقصود ہوتی ہے، جیسے جاء ني زيدٌ لا عمروٌ یعنی میرے پاس زید تو آیا لیکن عمرو نہیں آیا۔

فائدہ: لا عاطفہ کے ذریعے صرف کلام موجب میں عطف ہوگا کلام منفی میں نہیں ہوگا، لہذا ما جاء زيدٌ ولا عمروٌ کہنا صحیح نہیں ہوگا، اور لا کے بعد عامل کا اظہار بھی جائز نہیں، لہذا جاء ني زيدٌ ولا جاء عمروٌ کہنا صحیح نہیں ہوگا، اور لا کے ذریعے اسم کا عطف اسم پر ہوتا ہے فعل کا فعل پر صحیح نہیں ہوتا، اور کلمہ غیر کے بعد جو لا آتا ہے وہ لا عاطفہ نہیں بلکہ وہ تاکید نفی کے لئے آتا ہے جیسے ﴿غير المغضوب عليهم ولا الضالين﴾۔ (خیر النحو ۴۰۷)۔

اور بل اضراب کے لئے آتا ہے، یعنی معطوف علیہ سے حکم لیکر معطوف کے لئے ثابت کرتا ہے، چاہے وہ نفیا ہو یا اثباتا، جیسے ما جاء ني بكرٌ بل خالدٌ أي:

بل ما جاء خالدٌ، دیکھئے اس میں عدم مجیئت کی نسبت اولاً معطوف علیہ کی طرف تھی، پھر اس سے اعراض کر کے اسی عدم مجیئت کو معطوف کی طرف پھیر دیا، یہ امام مبرد رحمہ اللہ کا قول ہے، جمہور علماء نحو فرماتے ہیں کہ کلام منفی میں بل معطوف کے لئے حکم ثابت کرتا ہے، لہٰذا مذکورہ مثال کا معنی ان کے ہاں اس طرح ہوگا ما جاء نی بکرٌ، بل جاءَ ني خالدٌ۔

اور اگر کلام مثبت میں ہو تو معطوف کے لئے حکم ثابت کرتا ہے، اور معطوف علیہ مسکوت عنہ کے درجہ میں ہوگا، جیسے جاء ني زيدٌ بل خالدٌ کا معنی ہوگا بل جاء خالدٌ۔

اور لٰـکـنَّ استدراک کے لئے آتا ہے یعنی کلام سابق سے جو وہم پیدا ہو رہا تھا اس کو دور کرنے کے لئے آتا ہے، صاحب کافیہ مزید اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ولكن لازمةٌ للنفي، یعنی اس سے قبل یا اس کے بعد نفی کا ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ یہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں میں مغائرت پیدا کرنے کے لئے آتا ہے، اور مغائرت ہوگی نفی سے، مثلاً اگر معطوف علیہ کے لئے کوئی حکم ثابت ہو تو معطوف سے اس کی نفی ہوگی، جیسے جاء ني زيدٌ لكن سعيد، أي: ما جاء سعيدٌ، اور اگر معطوف علیہ کلام منفی ہو تو یہ معطوف کے لئے حکم کو ثابت کرے گا؛ کیونکہ قاعدہ ہے کہ نفي النفي يفيد الإثبات، لہٰذا ماجاء زيدٌ لكن عمرو کا معنی ہوگا جاء ني عمرو. والله أعلم بالصواب وعلمه أتم وأكمل۔

درس (٦٨)

حروف تنبیہ ونداء وایجاب کا بیان

حروف التنبيه: ألا وأما وها، حروف النداء: يا أعمّها، وأيا وهيا للبعيد، وأي والهمزة للقريب، حروف الإيجاب: نعم، وبلى، وإي، وأجل، وجير، وإنّ، فنعم مقررة لما سبقها. وبلى مختصّة بإيجاب النفي، وإي للإثبات بعد الاستفهام، ويلزمها القسم. وأجل، وجير، وإنّ تصديق للمخبر.

ترجمه: حروف تنبیہ یہ ہیں، الا اور اما اور ھا، اور حروف ندا یہ ہیں یا عام اور ایا اور ھیا بعید کے لئے ای اور ہمزہ قریب کے لئے، حروف ایجاب یہ ہیں نعم اور بلی اور ای اور اجل اور جیر اور ان، پس نعم مضمون سابق کی تقریر کے لئے آتا ہے، اور بلی ایجاب نفی کے ساتھ خاص ہے، اور ای اثبات کے لئے آتا ہے استفہام کے بعد، اور قسم اسے لازم ہے، اور اجل اور جیر اور ان خبر دینے والے کی تصدیق کے لئے آتے ہیں۔

تشریح: آج کے درس میں ہم مختصر طور پر تین باتیں عرض کریں گے:

پہلی بات: حروف تنبیہ کی تفصیل

تنبیہ نبّہ ینبّہُ تنبیھًا باب تفعیل کا مصدر ہے بمعنی خبر دار کرنا، اور اصطلاح میں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ حروف جو مخاطب کو خبر دار اور چوکنا کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہوں؛ تا کہ اس سے کلام کا کوئی حصہ فوت نہ ہو جائے، اس غرض کے لئے صاحب

کافیہ فرماتے ہیں کہ اہل عرب تین کلمات استعمال کرتے ہیں ألا، أما، ہا، جس طرح ہمارے ہاں جب کوئی اہم اعلان کیا جاتا ہو تو اعلان کرنے والا سب سے پہلے لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے کہتا ہے، کہ حضرات! ایک ضروری اعلان سماعت فرمائیں، جب لوگ اس کی طرف خوب متوجہ ہو جاتے ہیں تو پھر وہ اعلان کرتا ہے، اسی طرح اہل عرب جب اپنے مخاطب سے کوئی اہم بات کرنا چاہتے ہیں تو بھی اس کو متوجہ کرنے کے لئے مذکورہ حروف میں سے کسی ایک کے ذریعے توجہ دلاتے ہیں، چنانچہ ان میں سے پہلے والے دونوں جملہ پر داخل ہوتے ہیں چاہے جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ جیسے ﴿ألا إنهم هم المفسدون ولكن لا يشعرون﴾، اور ہدایۃ النحو میں آپ حضرات نے ایک شعر پڑھا تھا:

أما والذي أبكى وأضحك والذي

أمات وأحيى والـذي أمره الآمر

اور جملہ فعلیہ کی مثال: أما لا تفعلُ اور ألا تضربُ۔

اور تیسرا حرف (ہا) جملہ اسمیہ اور مفرد پر داخل ہوتا ہے، جیسے ﴿هـا أنتم هـؤلاء﴾، اور مفردات کی مثال مثلاً اسماء اشارات ان سب کے شروع میں یہی ہاء تنبیہ استعمال ہوتی ہے۔

دوسری بات: حروف نداء کی تفصیل

صاحب کافیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حروف نداء کل پانچ ہیں: یا، أیا، ہیا، أي، اور ہمزہ مفتوحہ، ان میں سے یاء حرف نداء عام ہے قریب اور بعید و متوسط سب

کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور أیا وھیا منادی بعید کے لئے استعمال ہوتے ہیں، اور ہمزہ مفتوحہ منادی قریب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کما درستم في نحو میر وهداية النحو على نفس الأسلوب۔

تیسری بات: حروف ایجاب کی تفصیل

حروف الإيجاب: نعم وبلى وإي وأجل وجير وإنّ: حروف ایجاب کل چھ ہیں ان میں سے نعم کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ یہ اپنے ماقبل والے کلام کی تحقیق اور اس کو پختہ کرنے کے لئے آتا ہے، چاہے وہ کلام منفی ہو یا مثبت، استفہام ہو یا خبر، ہر حالت میں یہ اس کی تحقیق کرتا ہے، جیسے کلام منفی کی مثال: **أما جاءَ زيدٌ؟** جواب میں آپ نے کہا نعم!، تو اس کا معنی ہوگا **نعم ما جاء زيدٌ**، اور **قام زيدٌ** کے جواب میں کسی نے کہا نعم!، تو اس کا معنی ہوگا: **نعم قامَ زيدٌ**۔

صاحب حاشیہ نے لکھا ہے کہ نعم میں چار لغات ہیں: یعنی اس کو چار طرح سے پڑھنا جائز ہے، نَعَمْ، نَعِمْ، نِعِمْ، اور نَحَمْ۔

وبلى مختصةٌ بإيجاب النفي: حروف ایجاب میں سے دوسرا حرف بلی دو چیزوں کے جواب میں آتا ہے:

(۱) اس کلام کے جواب میں جس کی استفہاماً نفی کی گئی ہو، تو یہ اس کی نفی کو توڑ کر اس کو مثبت اور استفہام کو بھی توڑ کر اس کو کلام موجب بنا دیتا ہے جیسے عالم ارواح میں جب اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسانوں کی روحوں کو مخاطب کر کے پوچھا کہ ﴿ألستُ بربكم﴾ تو سب نے بیک زبان ہو کر جواب دیا

﴿بلی﴾ کیوں نہیں تو ہمارا رب ہے۔

(۲) اس کلام کے جواب میں جس کی خبر انفی کی گئی ہو، جیسے کسی نے کہا لم یقم زیدٌ، آپ نے جواب میں کہا: بلی، أي: قد قامَ زیدٌ، اب صاحب کافیہ کی عبارت کا مطلب یہ ہوجائے گا کہ بلی کلام منفی کو کلام موجب بنانے کے لئے خاص طور پر وضع کیا گیا ہے۔

وإي للإثبات بعد الاستفهام: تیسرا حرف (إي) ہے جو کہ جملہ استفہامیہ کے بعد اثبات کے لئے آتا ہے، یعنی ماقبل والے جملہ استفہامیہ کو جملہ مثبتہ بنادیتا ہے، بایں طور کہ اس کے ساتھ قسم بھی آتی ہے، اور وہ قسم یا تو لفظ اللہ کی ہوگی یا لفظ ربي کی یا لفظ لعمري کی جیسے کسی نے پوچھا: أقامَ زیدٌ؟ اس کے جواب میں آپ نے کہا: إي واللہ، یا إي وربي یا إي وعمري، یہی مطلب ہے صاحب کافیہ کے قول ویلزمها القسم کا۔

وأجل جیر وإنَّ تصدیقٌ للمخبِر: آخری تینوں کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ یہ خبر کی تصدیق کے لئے آتے ہیں چاہے وہ خبر مثبتہ ہو یا منفی جیسے کوئی کہے جاءَ سعیدٌ، آپ نے جواب میں أجل، جیرِ یا إنَّ کہا، تو اس کا مقصد یہ ہوگا کہ أصدقک في هذا الخبر، اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک اعرابی نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ مجھے فلاں چیز دیدیجئے، انہوں نے دینے سے معذرت کی، اس نے بددعا دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالی غارت کردے اس اونٹنی کو جو مجھے آپ کی طرف اٹھا کر لائی، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ إنَّ وراکبها یعنی ہاں اللہ تعالی اس پر سوار ہونے والے کو بھی غارت کردے۔ (غایۃ التحقیق ۲۹۱)۔

درس (٦٩)

حروف زائدہ کا بیان

حروف الزيادة: إن، وأن، وما، ولا، ومن، والباء، واللام. فإن مع ما النافية، وقلّت مع ما المصدريّة، ولمّا، وأن مع لمّا، وبين لو والقسم، وقلّت مع الكاف. وما مع إذا، ومتى، وأيّ، وأين، وإن شرطًا، وبعض حروف الجرّ، وقلّت مع المضاف، ولا مع الواو بعد النفي وأن المصدرية وقلّت قبل أقسم، وشذّت مع المضاف، ومن، والباء، واللام تقدّم ذكرها.

ترجمہ: حروف زیادة یہ ہیں ان اوران اور مااور لا اور من اور باءاور لام، پس ان ما نافیہ کے ساتھ زائد ہوتا ہے اکثر، اور کم آتا ہے (زائد ہوکر) ما مصدریہ کے ساتھ، اور لما کے ساتھ، اور ان (زائدہ ہوتا ہے) لما کے ساتھ، اور لو اور قسم کے درمیان (اکثر زائد ہوتا ہے)، قلت کے ساتھ زائد ہوتا ہے کاف کے ساتھ، اور ما اذا متی، ای این، ان کے ساتھ زائد ہوتا ہے، جب کہ یہ شرطیہ ہو، اور بعض حروف جر کے ساتھ بھی زائد ہوتا ہے، اور مضاف کے ساتھ بھی زائد ہوتا ہے قلت کے ساتھ، اور حرف لا واو کے ساتھ نفی کے بعد (زائد ہوتا ہے)، اور ان مصدریہ کے بعد بھی زائد ہوتا ہے، اور لفظ قسم سے پہلے بھی زائد ہوتا ہے، اور قلت کے ساتھ، اور شاذ ہے (لا کا زائد ہونا) مضاف کے ساتھ، اور من اور باء اور لام زائد ہوتے ہیں، ان کا ذکر گذر چکا ہے (حروف جر کی

بحث میں)۔

تشریح: بھائی! آج کے درس میں سات حروف زائدہ کی تفصیل بیان فرمائیں گے اس کو خوب ذہن نشین فرمائیں۔

پہلی بات: حروف زائدہ کی تعریف اور ان کی تفصیل

حروف زائدہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ حروف جن کے کلام میں لگانے یا اس کو حذف کرنے سے کوئی خرابی لازم نہ آتی ہو چنانچہ انہیں حروف میں سے اب ایک ایک کی تفصیل بیان فرما رہے ہیں:

فإنْ مع ما النافية: فرماتے ہیں کہ إنْ تین جگہ زائد ہوا کرتا ہے:

(۱) ما نافیہ کے بعد جیسے ما إن زيدٌ قائمٌ۔

(۲) ما مصدریہ کے بعد لیکن کلام عرب میں اس کا استعمال بہت کم ہے جیسے انتظر ما إن يجلس الأمير.

(۳) لما کے بعد جیسے لما إنْ قام زيدٌ قمتُ، لما کے بعد زائد ہونے کا استعمال بھی اہل عرب کے ہاں بہت کم ہے۔

دوسری بات: أن مفتوحہ کی تفصیل

وأن مع لما وبين لو والقسم: أنْ مفتوحہ کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ یہ لما حینیہ کے بعد زائد ہوتا ہے جیسے فرمان باری تعالی ہے ﴿فلما أن جاء البشير﴾ اس میں أن زائدہ ہے، نیز کلمہ لو اور قسم کے درمیان بھی یہ زائد ہوتا ہے، جیسے واللہ أن لو قامَ زيدٌ قمتُ۔

وقلتْ مع الكاف: کاف تشبیہ کے بعد بھی اَنْ زائدہ ہوتا ہے، لیکن اس کا استعمال کلام عرب میں بہت کم ہے، جیسے ایک شاعر نے کہا تھا:

ویومًا تــو افینا بوجــــهٍ مقسَّمٍ
کأنْ ظبیة تعطو إلی ناضر السَّلم

اس میں کأنْ میں اَنْ زائدہ ہے۔

تیسری بات: حروف زائدہ میں سے ما کی تحقیق

وما مع إذا ومتی وأيٍّ وأینَ وإنْ شرطًا: حروف زائدہ میں سے تیسرا حرف ما ہے، اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ تین مقامات میں زائد ہوتا ہے:

(۱) جب یہ إذا، متی، أيٍّ، أین اور إنْ کے بعد واقع ہو درآنحالیکہ یہ تمام حروف شرط کے معنی میں ہوں، جیسے بالترتیب سب کی مثالیں ملاحظہ ہوں: إذا ما تخرج أخرج، أي: إذا تخرج، اور متی ما تذهب أذهب، اور ﴿أیًّا ما تدعو فله الأسماء الحسنی﴾، اور ﴿أینما تکونوا یدرککم الموتُ﴾، اور ﴿فإما ترینَّ من البشر أحدًا﴾۔

(۲) وبعض حروف الجرِّ: حروف جارہ کے بعد: جیسے ﴿فبما رحمة من الله لنتَ لهم﴾، اور ﴿مما خطیئاتهم أغرقوا﴾ اور ﴿عما قلیل لیصبحنَّ نادمین﴾۔

(۳) وقلَّت مع المضاف: مضاف کے بعد بھی ما زائدہ ہوتا ہے جیسے ﴿أیما الأجلین قضیتُ فلا عدوان عليَّ﴾، لیکن اس کے متعلق علامہ ابن

حاجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قلّت یعنی اس کا استعمال کلام عرب میں بہت کم ہے۔

چوتھی بات: حروف زائدہ میں سے لا کی تحقیق

ولا مع بعد النفي: حروف زائدہ میں سے چوتھا حرف لا ہے، یہ چار مقامات میں زائدہ ہوتا ہے:

(۱) ایسے واو عاطفہ کے بعد جو حرف نفی کے بعد واقع ہو، جیسے **ما جاء ني زيدٌ و لا عمروٌ**، میں واو حرف نفی (ما) کے بعد واقع ہے، اور اس کے بعد یہی (لا) زائدہ ہے، اسی طرح ﴿**غير المغضوب عليهم و لا الضالين**﴾ میں واو عاطفہ غیر کے بعد واقع ہے، جو اگرچہ لفظی طور پر حرف نفی تو نہیں ہے لیکن معنی حرف نفی کا دے رہا ہے اور اس کے بعد یہی لا زائدہ ہے۔

نیز صاحب حاشیہ فرماتے ہیں کہ ایسے واو کے بعد بھی زائد ہوگا جو لائے ناہیہ کے بعد واقع ہو جیسے **لا تضربْ زيدًا و لا عمروًا**۔

(۲) **وأن المصدرية:** ایسے أنْ کے بعد جو حرف نفی کے بعد واقع ہو جیسے ﴿**ما منعک ألا تسجدَ إذ أمرتک**﴾ **أي: ما منعک أن لا تسجد إذ أمرتک**۔

(۳) **وقلّت قبل أقسم:** قسم سے پہلے ہو تو بھی زائدہ ہوگا جیسے ﴿**لا أقسم بيوم القيامة**﴾ اور ﴿**لا أقسم بهذا البلد**﴾، لیکن اس کے بارے میں فرمایا کہ قلّت یعنی قسم سے پہلے لا زائدہ لے کر آنا اہل عرب کے ہاں بہت کم

استعمال ہوتا ہے اگر چہ فصاحت کے خلاف نہیں ہے، ورنہ تو قرآن مجید میں اللہ تعالی ہرگز استعمال نہ فرماتے۔

(۴) وشذت مع المضاف: مضاف ومضاف الیہ کے درمیان اگر واقع ہو تو بھی زائد ہوگا جیسے کسی شاعر نے کہا تھا:

في بير لا حورٍ سري وما شعر

بافكه حتى إذا الصبح حشر

اس میں بیر مضاف اور حورٍ مضاف الیہ ہے، درمیان میں لا زائدہ ہے، لیکن اس پر قیاس کرتے ہوئے ہر مضاف ومضاف الیہ کے درمیان میں (لا) زائدہ لے کر آنا صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ اس کے بارے میں صاحب کافیہ نے خود فرمایا کہ وشذت یعنی ایسے مقام پر لا زائدہ لے کر آنا شاذ ہے، اور شاذ کے بارے میں قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ وہ اپنے حدود تک منحصر رہتا ہے اس پر کسی اور چیز کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

ومن والباء واللام تقدم ذكرها: فرماتے ہیں کہ حروف زائدہ میں سے مِنْ، باء، اور لام کا ذکر حروف جارہ کے بحث میں گذر چکا ہے، فلا نعيدها ههنا۔

درس (۷۰)

بعض حروف زائدہ کا بیان

حرفا التفسير: أي وأن، فأن مختصّة بما في معنى القول.

حـروف الـمـصـدر: مـا، وأن، وأنّ، فـالأوّلان للفعليّة، وأنّ للاسمية. حـروف التـخـصـيـص: هلّا، وألّا، ولـولا، ولـومـا، لهـا صدر الكلام، ويـلـزمهـا الفعل لفظًا أو تقديرًا. حرف التوقع: قد، وهي في المضارع للتقليل.

تـرجـمـہ: تفسیر کے دوحرف ہیں ای اوران اوران یہ خاص ہے اس کے ساتھ جو قول کے معنی میں ہواور حروف مصدر یہ یہ ہیں ما اوران اوران، پس پہلے دو جملہ فعلیہ کے لئے ہیں اوران جملہ اسمیہ کے لئے ہے، حروف تحضیض یہ ہیں ھلا، الا، لولا، لوما، ان کیلئے صدارت کلام ہے اور لازم ہے ان کو فعل لفظا یا تقدیرا، حرف توقع قد ہے اور یہ مضارع میں تقلیل کے لئے آتا ہے۔

تشـریح: آج کے درس میں تین قسم کے حروف زائدہ کا بیان ہوگا جن میں ہم چار باتیں کریں گے:

(۱) حروف تفسیر کا بیان۔

(۲) حروف مصدر کی تعریف۔

(۳) حروف تحضیض کا بیان۔

(۴) حرف توقع کی تفصیل۔

پہلی بات: حروف تفسیر کا بیان

أي و أنْ: عزیز طلبہ! بسا اوقات انسان بات کرتے کرتے اثناء کلام میں کوئی مشکل قسم کی اصطلاحات بھی استعمال کر لیتا ہے، انہیں مشکل اصطلاحات کو حل

کرنے کے لئے پھر تفسیر وتفصیل لے کر آتا ہے، اس تفسیر کے لئے صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ دوحرف استعمال ہوتے ہیں: أي اور أنْ، ان دونوں میں سے أي کے بارے میں صاحب کافیہ خاموش نظر آتے ہیں، لیکن آپ خوب سمجھ لیں کہ أي حرف تفسیر کے ذریعے مفردات ومرکبات دونوں کی تفسیر بیان کی جاتی ہے، جیسے مفرد کی مثال فرمان باری تعالی ہے ﴿واسئل القرية﴾ یعنی بستی سے پوچھو، تو طلبہ کرام حیران ہوگئے کہ بستی سے ہم کیسے پوچھیں گے، لہذا مفسرین کرام نے اس پریشانی کو حل کرنے کے لئے کہا کہ أي: أهل القرية یعنی بستی والوں سے پوچھو نہ کہ براہ راست بستی سے، اور مبہم جملہ کی مثال جیسے زيدٌ قُطع رزقُه، یعنی زید اس کا تو رزق ختم ہوگیا، اس پر بھی طلبہ حیران ہوگئے کہ رزق کا معاملہ تو اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے اور وحی آنا تو بند ہوگئی ہے تو کیسے کسی کو پتہ چلا کہ زید کی روزی بند ہوگئی لہذا اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہا گیا کہ أي: ماتَ، یعنی رزق کے منقطع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فوت ہوگیا، آپ نے دیکھا دونوں جگہ جب ابہام اور اجمال کی تفسیر وتوضیح کی ضرورت پڑی تو اس کے لئے أي حرف تفسیر استعمال میں لایا گیا۔

فأن مختصةٌ بما في معنى القول: دیکھو میرے بھائی! کلام عرب میں جتنے بھی کلمات ہیں معنی کے اعتبار سے ان کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وہ کلمات جو صراحۃً قال يقول کے باب اور مادے سے ہوں۔

(۲) وہ کلمات جو نہ تو صراحۃً قال يقول کے باب اور مادے سے ہوں اور نہ اس کے معنی میں ہوں۔

(۳) وہ کلمات جو صراحۃً اس مادے سے تو نہ ہوں لیکن معنی وہ قال يقول کا دے

رہے ہوں۔

لہذا اَن حرف تفسیر کے ذریعے آخری قسم یعنی وہ افعال جو قال یقول کے معنی میں ہوں ایسے افعال کے مفعول کی تفسیر کی جاتی ہے، جیسے امر، نداء، کتابت وغیرہا، جیسے فرمان باری تعالی ہے ﴿ونادیناہ أن یاإبراهیم﴾ اور کتبتُ إلیه أن قم، وأمرته أن اِذهبْ، اسی طرح قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وأوحینا إلی أم موسی أن أرضعیه﴾۔

دوسری بات: حروف مصدر کی تفصیل

حروف المصدر ما وأن وأنَّ: حروف مصدر یعنی وہ حروف جو فعل یا کسی بڑے جملے کو مصدر کے معنی میں کردیتے ہیں ایسے حروف کل تین ہیں: ما، اَنْ اور انَّ، ان میں سے پہلے دو کے بارے میں فرماتے ہیں کہ فالأولان للفعلیة یعنی ما اور اَن صرف جملہ فعلیہ پر داخل ہوتے ہیں اور ان کو مصدر کی تاویل میں کرلیتے ہیں جیسے قول باری تعالی ہے ﴿وضاقت علیهم الأرض بما رحبت﴾ أي: برحبها أو برحبانها، اسی طرح ہدایۃ النحو میں آپ حضرات نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا شعر پڑھا تھا کہ:

یسر المرء ما ذهب اللیالي

وکان ذهابهنَّ له ذهابًا

یعنی راتوں کا گذر جانا انسان کو خوش کرتا ہے حالانکہ ان راتوں کا گذرنا، خود اس انسان کا گذرنا ہے، یعنی ان کے گذرنے سے اس کی زندگی گذرتی چلی جاتی ہے،

یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ہمارے بعض ناداں اور ناواقف بھائی اپنا سالگرہ مناتے ہیں اور بڑی خوشیوں کا اس میں اظہار کرتے حالانکہ اگر اسی لفظ میں تھوڑی سی تبدیلی کی جائے تو عقلمند اس سے بڑی عبرت لے سکتے ہیں، اور وہ ہے سال گرا، یعنی میری زندگی سے ایک سال کا عرصہ گر گیا، غرض مذکورہ شعر میں ما ذھب اللیالي ذھاب اللیالي کے معنی میں ہے۔

أن مصدریہ کی مثال بھی قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ میں ہے ﴿فما کان جواب قومه إلا أن قالوا﴾ أي: إلا قولهم، یعنی أن مصدریہ نے قال فعل کو قول مصدر کے معنی میں کرلیا ہے۔

وأنّ للاسمیة: حروف مصدریہ میں سے تیسرا حرف أنّ مفتوحہ ہے اس کے متعلق علامہ ابن حاجب فرماتے ہیں کہ جملہ اسمیہ کو مصدر کی تاویل میں کرلیتا ہے، جیسے علمتُ أنّک قائمٌ، أي: علمتُ قیامکَ۔

تیسری بات: حروف تحضیض کا بیان

حروف التحضیض هلا وألا ولولا ولوما: عزیز طلبہ! حروف میں سے ایک قسم حروف تحضیض کی ہے حضض یحضض تحضیضًا باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے برانگیختہ کرنا اور ابھارنا، لہذا حروف تحضیض کا معنی یہ ہوگا کہ وہ حروف جو فعل مضارع پر داخل ہوکر اس کام پر برانگیختہ کرنے پر دلالت کرے جس کام کا معنی اس فعل مضارع میں پایا جاتا ہے، لہذا اہل عرب اس مقصد کے لئے چار حروف استعمال کرتے ہیں: هلا، ألّا، لولا، لوما۔

لها صدر الکلام: یہ حروف ہمیشہ کے لئے صدارت کلام میں آئیں گے؛ کیونکہ مقصد ان حروف سے مخاطب کو متنبہ کرنا ہوتا ہے کسی کام پر، تو پہلے اس کو متنبہ کریں گے پھر بعد میں کام بتائیں گے۔

ویلزمها الفعل لفظًا أو تقدیرًا: فرماتے ہیں کہ ان حروف کے لئے لازم اور ضروری ہے کہ یہ فعل پر ہی داخل ہوں؛ کیونکہ جیسا کہ گذر گیا کہ ان حروف کا مقصد مخاطب کو تنبیہ اور ترغیب دینی ہوتی ہے، اور ظاہر بات ہے کہ تنبیہ اور ترغیب کسی کام کے بارے میں دی جاتی ہے نہ کہ چیزوں کے بارے جیسے **هلا قرأت القرآنَ**، اور **هلا تتوبَ قبل موتکَ**، اور جہاں ہم دیکھیں کہ یہ اسم پر داخل ہو چکے ہوں تو صاحب کافیہ نے اس کے لئے ایک قید بڑھادی کہ **أو تقدیرًا** یعنی وہاں فعل مقدر ہوگا جیسے کسی مجاہد اور بہادر طالب علم نے دشمنان اسلام کا ایک علاقہ موت کے نیند سُلا دیا صرف ایک ہی خبیث رہ گیا تو دوسرے طالب علم نے اس سے پوچھا کہ جناب! **هلا شیبةَ، أي: هلا قتلتَ شیبةَ**۔

القصہ ان حروف کے بعد فعل ہی آئے گا، اگر کبھی اسم ہو تو وہ اصل میں فعل مقدر کا مفعول بہ بنے گا البتہ ان میں سے جو آخری حرف لولا ہے اس کے بارے میں آپ حضرات نے ہدایۃ النحو میں پڑھا تھا کہ اس کا ایک اور معنی بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہ امتناع ثانی کے لئے آتا ہے بوجہ وجود اول کے، اس وقت اس کے بعد دو جملے آئیں گے پہلا جملہ اسمیہ اور دوسرا فعلیہ ہوگا جیسے **لولا العلماء لهلک الناس**، یہی حروف کبھی ماضی پر بھی داخل ہوتے ہیں، اس وقت ان کو حروف تندیم کہا جاتا ہے، یعنی وہ حروف جن کے ذریعے اپنے مخاطب کو کسی کام کے نہ کرنے پر ملامت

کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے **هلا ضربتَ شيبةَ** وغیرہ۔

چوتھی بات: حرف توقع کی تفصیل

حرف التوقع قد، وهي في المضارع للتقليل: توقع کا معنی ہے امید، اور حرف توقع کا معنی ہے امید کا حرف، چونکہ اس حرف کے ذریعے اس بات کی خبر دی جاتی ہے جس کے موجود ہونے کی امید ہوتی ہے، اس لئے اس کو حرف توقع کہتے ہیں، اور وہ ہے (قد) یہ ماضی اور مضارع دونوں پر داخل ہوتا ہے، اور دونوں جگہ تحقیق کے معنی اس میں پائے جاتے ہیں، البتہ ماضی پر جب داخل ہو تو تحقیق کے ساتھ تقریب کے معانی بھی اس میں پائے جائیں گے جیسے **قد ركب الأمير**، اور ان دونوں معنوں کے ساتھ توقع کا معنی بھی پایا جاتا ہے، جیسے **قد قامت الصلاة**، دیکھئے اس میں تقریب، تحقیق، اور توقع تینوں معانی پائے جاتے ہیں، اور اگر مضارع پر داخل ہو تو تحقیق کے ساتھ ساتھ کبھی اس میں تقلیل کا معنی بھی پایا جاتا ہے جیسے **إن الكذوبَ قد يصدق**، اور **الجواد قد يبخل**، اور کبھی حرف تحقیق کا معنی اس میں پایا جاتا ہے، جیسے ﴿**قد نرى تقلب وجهكَ في السماء**﴾۔

فائدہ: قد ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے، اور اس فعل کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ متصرف ہو، مثبت ہو، عوامل ناصبہ اور جازمہ اور حرف تنفیس (سین اور سوف) سے خالی ہو، البتہ کبھی اس کا فعل محذوف بھی ہوتا ہے، جیسے شاعر کے قول میں ہے:

أفد الترحل غير أن ركابنا

لما تزل برحالنا وكأن قدن

أي: و كأن قد زالتْ۔ (تقریر کافیہ ۲/۱۹۱)۔

درس (۱۷)

حروف استفہام کا بیان

حرفا الاستفهام، الهمزة وهل، لهما صدر الكلام، تقول: أزيد قائم؟ وأقام زيدٌ؟ وكذلك هل والهمزة أعمّ تصرّفًا، تقول: أزيدًا ضربت؟ وأتضرب زيدًا وهو أخوك؟ وأ زيدٌ عندك أم عمرو؟ و﴿أثمّ إذا ما وقع، وأفمن كان، وأومن كان﴾۔

ترجمہ: حروف استفہام ہمزہ اور ہل ہیں، ان دونوں کے لئے صدارت کلام ہوتا ہے جیسے آپ کہو گے: أزيد قائم؟ وأقام زيدٌ؟ اور اسی طرح ہل اور ہمزہ تصرف کے اعتبار سے عام ہیں جیسے أزيدًا ضربت؟ وأتضرب زيدًا وهو أخوك؟ وأ زيدٌ عندك أم عمرو؟ و﴿أثمّ إذا ما وقع، وأفمن كان، وأومن كان﴾۔

تشریح: آج کے درس میں حروف استفہام کا بیان ہوگا:

پہلی بات: حروف استفہام کا بیان

حرفا الاستفهام الهمزة وهل: استفہام باب استفعال کا مصدر ہے اس کا لغوی معنی ہے طلب فہم، اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ نہ جاننے والے متکلم کا جاننے والے مخاطب سے کسی بات کے بارے میں معلوم کرنا، اس مقصد کے لئے کلام عرب میں دو حرف استعمال ہوتے ہیں، ہمزہ اور ہل، صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ لهما

صدر الکلام یعنی یہ دونوں ہمیشہ کے لئے صدارت کلام میں آتے ہیں اور جملہ اسمیہ اور فعلیہ دونوں پر داخل ہوتے ہیں جیسے جملہ اسمیہ کی مثال **أزیدٌ قائمٌ؟** اور فعلیہ کی مثال **أقامَ زیدٌ؟**۔

وکذلک ھل: یعنی ہل استفہامیہ بھی جملہ اسمیہ اور فعلیہ دونوں پر داخل ہوتا ہے جیسے **ھل زیدٌ قائمٌ؟**، اور **ھل قامَ زیدٌ؟** لیکن جملہ فعلیہ پر ان دونوں کا داخل ہونا اولی واکثر ہے؛ کیونکہ استفہام بنسبت اسماء کے افعال میں زیادہ ہوتا ہے۔

دوسری بات: ہمزہ اور ہل میں فرق

والھمزہ أعمُّ تصرُّفًا: یہاں سے علامہ ابن حاجب ہمزہ اور ہل کے درمیان فرق بیان فرمارہے ہیں چنانچہ دونوں کے درمیان کئی طریقوں سے فرق واضح فرمایا ہے، لیکن شروع میں سب کا خلاصہ یہ بیان کیا کہ **والھمزہ أعمُّ تصرُّفًا** یعنی ہمزہ کا مختلف مواقع استفہام میں داخل ہونا عام ہے بمقابلہ ہل کے، اس کے بعد صاحب کافیہ نے صرف ان مواقع کی مثالوں پر قناعت میں عافیت سمجھ کر جلد ہی مسئلہ حل فرمایا ہے اور ان مواقع کو بیان نہیں کیا، لیکن آپ حضرات پہلے ان مواقع کو بھی سمجھ لیں پھر ساتھ ہی ان کی مثالیں بھی ملاحظہ فرمائیں:

(۱) کلام کے اندر فعل کے ہوتے ہوئے اس پر ہمزہ تو داخل کیا جاسکتا ہے لیکن ہل داخل نہیں کیا جاسکتا؛ کیونکہ وہ یا تو جملہ فعلیہ پر داخل ہوگا یا ایسے جملہ اسمیہ پر جس کے دونوں جزء اسم ہوں، اگر صرف جزء اول اسم ہو اور ثانی فعل ہو تو اس پر صرف ہمزہ داخل ہوسکتا ہے جیسے **أزیدًا ضربتَ؟**۔

(۲) استفہام انکاری کے موقع پر بھی ہمزہ لایا جاسکتا ہے اور ہل نہیں جیسے أتضرب زیدًا وھو أخوکَ، یعنی کیا تم زید کو مارتے ہو حالانکہ وہ آپ کے بھائی ہے؟، اس کے بجائے ھل تضرب زیدًا وھو أخوک نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) أم متصلہ کے ساتھ بھی ہمزہ لانا تو جائز ہے ہل لانا جائز نہیں ہے جیسے أزیدٌ عندک أم عمروٌ؟ اس کے بجائے ھل زیدٌ عندک أم عمروٌ کہنا ناجائز ہے۔

(۴) حروف عاطفہ میں سے ثم، فاء، اور واو پر ہمزہ استفہام کا داخل کرنا تو صحیح ہے لیکن اس پر ہل داخل کرنا صحیح نہیں ہوگا، جیسے ثم کی مثال ﴿أثم إذا ما وقع آمنتم به﴾ اس کے بجائے ھل ثم إذا ما وقع آمنتم کہنا صحیح نہیں، اور فاء عاطفہ کی مثال ﴿أفمن كان على بينة من ربه﴾ اسی طرح واو کی مثال ﴿أو من كان ميتا فأحييناه﴾ اس کے بجائے ھل ومن کان میتا فأحییناه کہنا صحیح نہیں ہوگا۔

تیسری بات: ایک اہم فائدہ

صاحب کافیہ نے تو یہاں تک پہنچ کر خاموشی اختیار فرمائی ہیں لیکن صاحب ہدایۃ النحو نے یہاں پہنچ کر طلبہ کرام کو جگانے کے لئے ایک جملہ کہا ہے کہ وھھنا بحثٌ، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شائقینِ غُرر ودُررِ علمیہ کے لئے اس کی یہاں کچھ تھوڑی سی وضاحت سامنے آجائے چنانچہ بات یہ ہے کہ ہمزہ استفہام کا مذکورہ چار

مواقع میں استعمال ہونے اور کلمہ ہل کے استعمال نہ ہونے کی وجہ سے بعض حضرات نے ہمزہ کو اصل اور ہل کو اس تابع بتایا ہے، تو صاحب ہدایۃ النحو فرماتے ہیں کہ ان حضرات کے اس فیصلے میں ہمارے لئے کچھ سوچنے کی گنجائش باقی ہے، وہ یہ کہ چلو ہم نے یہ مان لیا کہ مذکورہ چار مواقع ہمزہ استفہام کے ساتھ خاص ہیں، اور ہل یہاں استعمال نہیں ہوسکتا لیکن جناب عالی ایسے بھی تو بعض مواقع ہیں جن میں ہل استعمال ہوسکتا ہے، اور ہمزہ استعمال نہیں ہوسکتا مثلاً:

(۱) حرف عطف کے بعد ہل تو آسکتا ہے ہمزہ نہیں آسکتا، جیسے فرمان باری تعالی ہے ﴿فهل أنتم منتهون﴾۔

(۲) اُم کے بعد ہل آسکتا ہے ہمزہ نہیں آسکتا، جیسے ﴿قل هل يستوي الأعمى والبصير أم هل تستوي الظلمات والنور﴾۔

(۳) ہل استفہامیہ نفی کا فائدہ دیتا ہے اور اس کے بعد إلا برائے اثبات لانا بھی جائز ہے جیسے ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ لیکن ہمزہ میں ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۴) وہ مبتداء جس کی خبر پر باء داخل ہو ایسے مبتداء پر ہل تو داخل ہوسکتا ہے ہمزہ داخل نہیں ہوسکتا جیسے هل زيدٌ بقائمٍ۔ (خیر النحو ۴۲۱)۔

یہ بھی چار مقامات ہیں جن میں ہل استعمال ہوسکتا ہے، ہمزہ استعمال نہیں ہوسکتا، تو اس اعتبار سے اس کو اصل قرار دینا چاہئے لہذا معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی ایک کو اصل اور دوسرے کو اس کا فرع قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ واللہ اُعلم بالصواب۔

درس (۷۲)

حروف شرط کا بیان

حروف الشرط: إن، ولو، وأمّا، لها صدر الكلام، فإن للاستقبال وإن دخل على الماضي، ولو عكسه، وتلزمان الفعل لفظًا أو تقديرًا، ومن ثمّ قيل: لو أنّک بالفتح؛ لأنه فاعل، وانطلقت بالفعل موضع منطلقٌ ليكون كالعوض، فإن كان جامدًا جاز لتعذره۔

ترجمہ: حروف شرط یہ ہیں إن اور لو اور أمّا اور ان کے لئے صدارت کلام ہے پس إن استقبال کے لئے ہے اگر چہ ماضی پر داخل ہو اور لو اس کے برعکس ہے اور یہ دونوں لازم ہیں فعل کو لفظا یا تقدیرا، اسی وجہ سے کہا گیا ہے لو أنک ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ؛ کیونکہ یہ فاعل ہے اور انطلقت فعل کے ساتھ مطلق کی جگہ، تا کہ یہ فعل ہو جائے عوض کی طرح پس اگر جامد ہے تو جائز ہے جامد کو خبر بنانا بوجہ اس کے متعذر ہونے کے (مشتق کو خبر لانا)۔

تشریح: آج کے درس میں صرف دو باتیں ہیں:

(۱) حروف شرط اور ان کا حکم۔

(۲) حروف شرط میں سے ہر ایک کی تفصیل۔

پہلی بات: حروف شرط اور ان کا حکم

وحروف الشرط إن ولو وأمّا: یعنی حرف شرط تین ہیں: إنْ لو اور

أمَّا، ان تینوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ لها صدر الكلام کہ یہ تینوں صدارت کلام چاہتے ہیں؛ اس لئے کہ کلام کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں، مثلاً خبریہ اور انشائیہ، پھر ان دونوں کی اپنی اپنی قسمیں اور جملہ شرطیہ، تو ان حروف کو صدارت کلام کا حق اس لئے حاصل ہے تاکہ کلام کی ابتداء ہی سے پتہ چل جائے کہ یہ کلام کس نوعیت کا ہے، مثلاً فرمان باری عز اسمہ ہے ﴿لو كان فيهما آلهة إلا الله لفسدتا﴾ جیسے ہی ہم اس کو پڑھیں گے یا سنیں گے تو فوراً پتہ چل جائے گا کہ ہاں بھائی یہ جملہ شرطیہ ہے، اور آپ نے دیکھا کہ لو حرف شرط دو جملوں پر داخل ہے اسی طرح ہر حرف شرط دو جملوں پر داخل ہوتا ہے پہلا جملہ شرط اور دوسرا جزاء کہلاتا ہے۔

دوسری بات: ہر ایک حرف کی تفصیل

فإن للاستقبال وإن دخل على الماضي: یعنی إنْ حرف شرط جس فعل پر داخل ہو وہ ہمیشہ کے لئے استقبال کے معنی میں ہوگا اگرچہ ماضی کے صیغہ پر ہی داخل ہوں، عزیز طلبہ! صاحب کافیہ کی ذہانت فطانت کمال اور الفاظ کے جول تول کو دیکھئے تو حیران ہو جاؤ گے کہ جس عبارت میں انہوں نے ہمیں یہ قاعدہ بتایا ہے، بالکل وہی عبارت اسی قاعدہ کے لئے مثال بھی بن رہی ہے، قاعدہ تو آپ حضرات سمجھ گئے اور عبارت کو دیکھئے وإن دخل على الماضي، اس میں کلمہ إنْ صیغہ ماضی پر داخل ہے اور استقبال کا معنی دے رہا ہے۔

ولو عكسه: فرماتے ہیں کہ لو جس صیغہ پر داخل ہو وہ ہمیشہ کے لئے ماضی کا معنی دے گا، اگرچہ وہ مستقبل کے صیغے پر ہی داخل ہو جیسے فرمان باری تعالی ہے،

﴿لو يطيعكم في كثير من الأمر لعنتم﴾۔

وتلزمان الفعل لفظًا أو تقديرًا: حروف شرط إنْ اورلو کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ ان کے بعد فعل کا ہونا لازم ہے، یعنی یہ دونوں جملہ فعلیہ پر ہی داخل ہوں گے چاہے وہ لفظاً ہو جیسے ﴿إن كان قميصه قد من دُبر فكذبت وهو من الصادقين﴾ اور ﴿لو يطيعكم في كثير من الأمر لعنتم﴾ تقدیرًا کی مثال ﴿وإن أحدٌ من المشركين استجارك فأجره﴾ أي: وإن استجارك أحدٌ من المشركين فأجره۔

مذکورہ اصول پر ایک تفریعی صورت

ومن ثم قيل: لو أنّك بالفتح لأنّه فاعلٌ: یہ مذکورہ اصول پر ایک تفریعی صورت بیان فرمارہے ہیں وہ یہ کہ ماقبل والے دروس میں آپ نے إنَّ مکسورہ کے مقامات ومواقع پڑھے تھے منجملہ ان کے یہ بھی تھا کہ جملہ کے شروع میں إنَّ آتا ہے، أنَّ نہیں آتا، لیکن اگر اس سے قبل کلمہ لو ہو تو ایسی صورت میں أنْ مفتوحہ ہوگا، اس لئے کہ لو کے بعد ہمیشہ فعل ہی آتا ہے جو یہاں اگر چہ نظر تو نہیں آتا لیکن وہ مقدر ہے جیسے ثبتَ وغیرہ، اور یہ أنّك قائمٌ وغیرہ اسی فعل مقدر کے لئے فاعل بنے گا، اور ماقبل میں آپ پڑھتے ہوئے آرہے ہو کہ فاعل کے موقع پر أنَّ مفتوحہ ہوگا، یہ تو ایک بات ہوگئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ وانطلقت بالفعل موضع منطلق: یعنی مبتداء کی خبر ہو یا حروف مشبہ بالفعل کی یا افعال ناقصہ وغیرہ کی خبر ہو تو عام طور پر تو اس کا مفرد

ہونا یعنی اسم کی صورت میں ہونا اصل ہے جیسے زیدٌ عالمٌ، إنّ زیدًا عالمٌ، کان زیدٌ قائمًا وغیرہ، لیکن اگر وہ أنّ حرف مشبہ بالفعل لوشرطیہ کے بعد ہو تو اس کی خبر بجائے مفرد یعنی اسم ہونے کے فعل کی صورت میں لے کر آئیں گے جیسے لو أنّک انطلقت اصل میں لو ثبتَ أنّک منطلقٌ تھا، پھر لو کے بعد فعل کو حذف کر دیا، تو لَوْ أنّک منطلقٌ بن گیا، پھر فعل محذوف کے عوض میں منطلقٌ کو بھی فعل سے بدل ڈالا؛ لیکون کالعوض کا یہی مطلب ہے، اور یہ اس لئے کرتے ہیں تا کہ خبر فعل محذوف کے مطابق ہو جائے، یہ تو اس صورت میں ہوگا جب خبر اسم مشتق کی صورت میں ہو، فإن کانَ جامدًا جاز لتعذُّرہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ اسم جامد کی صورت میں ہو تو پھر مجبوری کی صورت میں اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں گے جیسے لو أنّ زیدًا رجلٌ، اور ﴿ولو أنّ ما في الأرض من شجرة أقلام﴾ کیونکہ اس صورت میں اس کا مقابل وموافق کوئی فعل نہیں جس کو لایا جائے۔

درس (۷۳)

ایک اہم فائدہ اور أما کی تفصیل

وإذا تقدم القسم أول الكلام على الشرط، لزمه الماضي لفظًا أو معنًى، فيطابق، وكان الجواب للقسم لفظًا، مثل: والله إن أتيتني أو لم تأتني لأكرمتک. وإن توسّط بتقديم الشرط أوغيره، جاز أن يعتبر وأن يلغى، كقولک: أنا والله إن تأتيني آتک، وإن أتيتني والله

لآتينك، وتقدير القسم كاللفظ، مثل: ﴿لئن أخرجو لايخرجون، وإن أطعتموهم﴾. وأمّا للتفصيل، والتزم حذف فعلها، وعوّض بينها وبين فائها جزء مما في حيّزها مطلقًا، وقيل: هو معمول المحذوف مطلقًا، مثل: أمّا يوم الجمعة فزيد منطلق، وقيل: إن كان جائز التقديم، فمن الأول، وإلا فمن الثاني.

ترجمہ: یا جب مقدم ہو قسم اول کلام میں شرط پر، تو اس (شرط) کو لازم ہے ماضی لانا لفظا یا معنا، پس وہ (قسم) کے مطابق ہوگا، اور وہ جواب ہوگا قسم کے لئے لفظا جیسے واللہ إن أتيتني أو لم تأتني لأكرمتك اگر وہ (قسم) درمیان میں ہو شرط یا غیر شرط کے مقدم ہونے کی سبب تو اس وقت جائز ہے کہ (قسم یا شرط کا) اعتبار کیا جائے اور جائز ہے کہ لغو قرار دیا جائے جیسے تیرا قول أنا واللہ إن تاتني آتك وإن أتيتني واللہ لآتينك، اور قسم کے مقدر ہونے کا حکم ملفوظ کی طرح ہے جیسے ﴿لئن أخرجوا لايخرجون معهم وإن اطعتموهم﴾ اور (أما) تفصیل کے لئے آتا ہے، اور التزام کیا گیا ہے اس کے فعل کے حذف کرنے کا اور عوض میں لایا گیا ہے اس (أما) اور اس کی فاء کے درمیان وہ جزء جو اس کی حیز میں (فاء کے تحت) ہو مطلقا اور کہا گیا ہے کہ وہ معمول ہو فعل محذوف کا مطلقا جیسے أما يوم الجمعة فزيدٌ منطلقٌ، اور کہا گیا ہے کہ اگر تقدیم جائز ہو تو وہ قسم اول سے ہے اور اگر تقدیم جائز نہ ہو تو قسم ثانی سے ہے۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) حرف شرط کے متعلق ایک اہم فائدہ۔

(۲) حروف شرط میں سے اَما کی تفصیل۔

(۳) جزاء فاصل کا عامل۔

پہلی بات: حرف شرط کے متعلق ایک اہم فائدہ

وإذا تقدمَ القسم أول الكلام على الشرط لزمه الماضي لفظًا أو معنًى فيطابق: اس عبارت میں صاحب کافیہ ایک اصول بتا رہے ہیں وہ یہ کہ جب قسم کلام کے شروع میں آجائے، اور اس کے بعد حرف شرط ہو تو حرف شرط کے بعد والے فعل کا فعل ماضی ہونا ضروری ہے، چاہے وہ لفظا ہو یا معنی جیسے **والله إنْ أتيتني لأكرمتُكَ**، اور **والله إنْ لم تأتني لأهجرتكَ**، اس مثال میں حرف شرط کے بعد فعل اگرچہ مضارع ہے لیکن اس پر لم جازمہ داخل ہونے کی وجہ سے معنوی طور پر ماضی کا صیغہ شمار ہونے لگا۔

فيطابق وكان الجواب للقسم لفظًا: وجہ اس کی یہ ہے کہ جزاء کے شروع میں دو قسم کی چیزیں آگئی ہیں حرف شرط اور قسم، اور ہر ایک کا الگ الگ تقاضا ہے حرف شرط کا تقاضا یہ ہے کہ جزاء مجزوم ہو اور قسم کا تقاضا یہ ہے کہ جزاء حقیقت میں میرے لئے جواب قسم بن رہا ہے، جو کہ مجزوم نہیں ہوگا، جب دونوں کا تقابل ہوا تو ہم نے قسم کو بوجہ کثرت استعمال کے ترجیح دیدی، اور جواب قسم مجزوم نہیں رہا، تو شرط بھی ایسا فعل لائیں گے جو مجزوم نہ ہو اور وہ فعل ماضی ہے جو کسی بھی عامل کی وجہ سے متاثر نہیں ہوسکتا، اور ترکیبی اعتبار سے لفظی طور پر آخری جملہ کو جواب قسم بنائیں گے اور معنوی طور پر اس کو جزاء بنادیں گے تاکہ بیک وقت اس کا مجزوم اور غیر مجزوم ہونا لازم

نہ آئے جیسے واللہ إنْ أتیتني لأکرمتُکَ، اور واللہ إنْ لم تأتني لأھجرتکَ۔

وإن توسَّط بتقدیم الشرط أو غیرہ جاز أن یعتبر وأن یلغی: مذکورہ اصول اس وقت تھا جب قسم ابتدائے کلام میں تھی، لیکن شرط یا اور کسی چیز کے اس پر مقدم ہونے کی وجہ سے اگر وہ درمیان کلام میں آرہی ہو تو بعد والے جملے کو قسم کا اعتبار کرتے ہوئے جواب قسم بنانا بھی جائز ہے، لیکن اس وقت یہ خیال رہے کہ شرط کا ماضی ہونا ضروری ہوگا، جیسے إنْ آتیتني واللہ لآتینَّک، اور شرط کا اعتبار کرتے ہوئے قسم کو لغو قرار دیکر اس کو جزاء بنادیں گے، جیسے إنْ تأتني واللہ آتکَ، اسی طرح أنا واللہ إنْ تأتني آتکَ، اور إنْ أتیتني واللہ لآتینَّک۔

وتقدیر القسم کاللفظ: فرماتے ہیں کہ شرط سے پہلے قسم اگرچہ لفظاً مذکور نہ ہو لیکن مقدر ہو تو پھر بھی حکم کے اعتبار سے وہ لفظاً قسم کی طرح ہے یعنی اس کے بعد جواب قسم مجزوم نہیں ہوگا جیسے ﴿لئن أخرجوا لا یخرجون معھم﴾ ملاحظہ فرمائیں یہاں إنْ شرطیہ سے پہلے لام قسمیہ قسم کو متضمن ہے، اس لئے بعد میں لا یخرجون کو جزاء کی وجہ سے مجزوم نہیں بنایا، بلکہ جواب قسم بنایا، جو کہ مجزوم نہیں ہوتا، اس کی تقدیری عبارت اس طرح ہوگی واللہ لئن أخرجوا لا یخرجون معھم۔

اسی طرح ﴿وإن أطعتموھم إنَّکم لمشرکون﴾ یہاں بھی حرف شرط سے قبل قسم مقدر ہے جس کی وجہ سے ﴿إنکم لمشرکون﴾ کو ہم جواب قسم تو کہہ سکتے ہیں، جزاء شرط نہیں کہہ سکتے، اس لئے کہ اگر یہ جزاء ہوتی تو اس کے شروع میں ضرور فاء جزائیہ ہوتی، اس لئے کہ جزاء جب جملہ اسمیہ ہو تو اس پر فاء جزائیہ کا داخل

کرنا واجب ہوتا ہے۔

دوسری بات: حروف شرط میں أما کی تفصیل

وأما للتفصيل، والتُزم حذف فعلها: حروف شرط میں سے تیسرا اور آخری حرف أمّا ہے، یہ اس چیز کی تفصیل کے لئے آتا ہے، جس کو متکلم نے پہلے مجملا بیان کیا ہو جیسے **الناس سعيدٌ وشقيٌّ أما الذين سُعدوا ففي الجنة**، اور صاحب حاشیہ نے اس کی مثال دی ہے **جاء إخوتك: أما زيدٌ فأكرمته وأما بكرٌ فأهنته وأما خالدٌ فقد أعرضت عنه۔**

اور کبھی یہ استینا فیہ بھی ہوتا ہے، اس وقت ماقبل میں اس کا اجمال نہیں ہوتا، جیسے اکثر کتابوں کے شروع میں خطبوں کے اندر ہوتا ہے **أما بعد۔**

صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ أما شرطیہ کے بعد فعل کو یعنی فعل شرط کو حذف کرنا لازم ہے، اور جزاء اس کی جملہ اسمیہ ہوتی ہے، اس لئے اس پر فاء داخل کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

وعوّض بينها وبين فائها جزء مما في حيّزها مطلقًا: اور فعل شرط جو محذوف ہوتا ہے، اس کے عوض میں أما شرطیہ اور فاء جزائیہ کے درمیان اس کے تحت واقع ہونے والے جملہ جزائیہ کے ایک جزء کا لانا بھی ضروری ہوگا، تاکہ حرف شرط فاء جزائیہ پر داخل نہ ہو جیسے **أما زيدٌ فمنطلقٌ**، یہ اصل میں **مهما يكن من شيءٍ فزيدٌ منطلقٌ** تھا، اس میں **يكنُ** فعل شرط اور اس کے ساتھ متعلق ہونے والے **من شيءٍ** جار مجرور کو حذف کر کے **مهما فزيدٌ منطلقٌ** رہ گیا، پھر **مهما** کو أما کے ساتھ

تبدیل کر کے تو أما فزید منطلقٌ رہ گیا، پھر أما حرف شرط فاء جزائیہ پر داخل ہو رہا تھا اس لئے اس کو یہاں سے لے کر جزء ثانی پر داخل کیا تو أما زیدٌ فمنطلقٌ بن گیا۔

مطلقًا کا مطلب یہ ہے کہ جملہ شرطیہ کا وہ جزء جس کو أما اور فاء جزائیہ کے درمیان برائے فصل لایا جاتا ہے وہ چاہے عمدہ فی الکلام یعنی مبتداء ہو یا چاہے فضلہ فی الکلام یعنی ظرف ہو جیسے مبتداء کی مثال تو گذر گئی ظرف کی مثال أما یوم الجمعة فزیدٌ منطلقٌ۔

تیسری بات: جزاء فاصل کا عامل

دیکھو میرے عزیز! آپ حضرات نے أما شرطیہ اور فاء جزائیہ کے درمیان جو جزاء لاکر فاصل بنایا یہ کس عامل کا معمول ہوگا، تو امام سیبویہ کا مذہب یہ ہے جس کو صاحب کافیہ نے بھی اختیار فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ہمیشہ کے لئے جزاء کا جزء ہوگا۔

وقیل هو معمول المحذوف مطلقًا: امام مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ہمیشہ کے لئے شرط محذوف کا معمول ہوگا۔

وقیل: إن كان جائز التقديم فمن الأول وإلا فمن الثاني: یہ امام مازنی کا مذہب ہے وہ فرماتے ہیں کہ دیکھیں گے کہ فاء کے بعد والے اسم کو فاء پر مقدم کر سکتے ہیں یا نہیں (یعنی جہاں فاء جزائیہ کے بعد إنَّ حرف مشبہ بالفعل ہو) جیسے أما یوم الجمعة فإنَّ زیدًا منطلق، مقدم نہ کر سکنے کی صورت میں امام مبرد کی طرح شرط محذوف کا معمول ہوگا، اور مقدم کر سکنے کی صورت میں امام سیبویہ کی طرح یہ جزاء کا ایک جزء ہوگا جیسے أما یوم الجمعة فزیدٌ منطلقٌ، اس میں یوم الجمعة امام

مبرد کے ہاں فعل شرط محذوف کا معمول ہے، اس لئے ان کے ہاں اس کی تقدیری عبارت اس طرح ہوگی مهما يكن من شيء يوم الجمعة فزيدٌ منطلقٌ، تو مهما يكن نے يوم الجمعة میں عمل کیا ہے، اور امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ یہ جزاء ہے اس لئے ان کے ہاں اس کی تقدیری عبارت اس طرح ہوگی: مهما يكن من شيءٍ فزيدٌ منطلقٌ يوم الجمعة .(تقریر کافیہ ۲/۱۹۷)۔

لیکن ان سب میں سے صحیح تر مذہب امام سیبویہ کا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ ایک تو اس کو صاحب کافیہ نے ترجیح دے کر پہلے بیان فرمایا ہیں، اور وہ بھی اس انداز سے کہ اس کو صرف امام سیبویہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ اپنی عبارت (جزء مما في حيزها مطلقًا) چلا کر گویا کہ اس کو جمہور کا مذہب قرار دیدیا، اور آخری والے دو مذہبوں کو صیغہ تمریض یعنی قیل کے ساتھ ذکر فرمایا جس سے ان دونوں کی کمزوری کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

درس (۴۷)

حرف ردع اور تاء تانیث کا بیان

حروف الردع: كَلّا، وقد جاء بمعنى حقًا، تاء التانيث السّاكنة: تلحق الماضي لتأنيث المسند إليه، فأن كان ظاهرًا غير حقيقي فمخير، وأما إلحاق علامة التثنية والجمعين فضعيف۔

ترجمہ: حرف ردع کلا ہے اور کبھی حقًّا کے معنی میں بھی آتا ہے تائے تانیث ساکنہ لاحق ہوتی ہے ماضی کے آخر میں مسند الیہ کی مؤنث ہونے کی وجہ سے، پس اگر

وہ اسم ظاہر غیر حقیقی ہو تو اس وقت اختیار ہوگا (کہ علامت تانیث لائیں یا نہ لائیں) بہر حال علامت تثنیہ اور دونوں جمع (مذکر اور مؤنث) کی علامت کا لاحق کرنا (مسند الیہ کی حالت پر تنبیہ کرنے کے لئے) ضعیف ہے۔

تشریح: آج کے درس میں حرف ردع اور تاء تانیث کی تفصیل بیان ہوگی انشاء اللہ۔

پہلی بات: حرف ردع کی تحقیق

ردْع ردَع یــــردعُ باب فتح سے بمعنی روکنا اور جھڑک دینا اور ڈانٹنا، اور اصطلاح میں ردع اس حرف کو کہتے ہیں جس کو متکلم کے ما یتکلم به سے روکنے اور اس کو ڈانٹنے کے لئے وضع کیا گیا ہو جیسے فرمان باری تعالی ہے ﴿وأما إذا ما ابتلاه فقدر عليه رزقه فيقول ربي أهانن، كلا﴾ یعنی جب اللہ تعالی انسان کو آزماتا ہے اور اس پر اس کی روزی قدرے تنگ کر دیتا ہے، تو سامنے سے وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری اہانت کی، ہرگز ایسا نہ کہئے، یعنی اس کو مناسب نہیں کہ وہ اس طرح بات کرے، کیونکہ دنیا میں امتحانات تو اچھے اور نیک لوگوں پر آتے ہیں اور جو نافرمان ہوتے ہیں ان کو عام طور پر اللہ تعالی ڈھیل بھی دیدیتے ہے اور خوب فراوانی بھی عطاء کر دیتے ہے۔

کلا کا دوسرا معنی

وقد جاءَ بمعنى حقا: اصل معنی تو کلا کا وہی ردع ہی ہے، لیکن حقًّا کے معنی میں بھی آتا ہے، یعنی جملہ کے مضمون کو پختہ کرنے کے لئے آتا ہے جیسے فرمان باری تعالی ہے ﴿كلا سوف تعلمون﴾ یعنی حق بات یہ ہے کہ عنقریب تم لوگ

جان لوگے۔

باقی یہ بات آپ لوگوں نے ہدایۃ النحو میں پڑھی ہیں کہ جب یہ حقًا کے معنی میں ہوتو کیا یہ حرف ہی رہے گا یا اسم ہوگا، تو صاحب ہدایۃ النحو نے اس میں دو مذہب بیان فرمائے تھے ایک یہ کہ یہ اسم ہوگا لیکن کلا حرفیہ کے ساتھ صورت میں مشابہت کی وجہ سے مبنی ہوگا، اور دوسرا یہ کہ یہ حقًا کے معنی میں ہوکر بھی إنَّ حرف مشبہ بالفعل کی طرح حرف ہوگا؛ کیونکہ یہ بھی تحقیق کے لئے آتا ہے، اور کلا بمعنی حقًا بھی جیسے ﴿كلا إنَّ الإنسان ليطغى﴾، یعنی حقیقت بات یہ ہے کہ یقیناً انسان البتہ نافرمانی کرتا ہے۔

اور بعض جگہ اس کے مذکورہ دونوں معنی صحیح ہو سکتے ہیں مثلاً فرمان باری تعالی ہے ﴿ثم يطمع أن أزيد، كلا إنَّه كان لآياتنا عنيدًا﴾۔

دوسری بات: تاءتانیث کی تفصیل

صاحب کافیہ نے تاءتانیث کے ساتھ الساكنة کی قید بڑھا کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ تاءمتحرکہ مثلاً ضربتِ ہمارے اس بحث سے خارج ہے، تاءتانیث ساکنہ کی تعریف کرتے ہوئے خود صاحب کافیہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ تلحق الماضيَ لتأنيث المسند إليه یعنی تاءتانیث ساکنہ وہ تاء ہے جو فعل ماضی کے آخر میں لگی ہوئی ہو اس بات کو بتانے کے لئے کہ میرا ماقبل والے فعل کا مسند الیہ مؤنث ہے، خواہ وہ مسند الیہ فاعل ہو جیسے ضربتْ هندٌ، خواہ نائب فاعل ہو جیسے ضُربتْ هندٌ۔

فإن كان ظاهرًا غير حقيقي فمخيرٌ: فرماتے ہیں کہ اگر فعل کا فاعل اسم ظاہر مؤنث غیر حقیقی کی صورت میں ہو تو اس وقت فعل کا مذکر و مؤنث دونوں طرح

لانا جائز ہے، متکلم کو اختیار ہے، جس کو چاہے ذکر کرے جیسے طلع الشمس اور طلعت الشمس۔

جب تاء تانیث ساکنہ کی بات سامنے آگئی تو ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ جس طرح مسند الیہ کے مؤنث ہونے پر دلالت کرنے کے لئے تاء تانیث فعل کے آخر میں لاحق ہوتی ہے اسی طرح مسند الیہ کے تثنیہ یا جمع مذکر ومؤنث ہونے پر دلالت کرنے کے لئے الف علامت تثنیہ اور واو علامت جمع مذکر اور نون مفتوحہ علامت جمع مؤنث بھی فعل کے آخر میں لاحق کرنے چاہئے؟۔

تو صاحب کافیہ نے وأما إلحاق عِلامة التثنية والجمعَين فضعيفٌ فرما کر اس طرح کرنے کو ضعیف قرار دیا لہذا قاما الزيدان یا قاموا الزيدون یا قمنَ النساء کہنا ضعیف ہوگا؛ کیونکہ ایک تو ان کے فاعل یعنی الزیدان الزیدون اور النساء خود ہی تثنیہ اور جمع پر دلالت کرر ہے ہیں، اور دوسرا یہ کہ صورۃً فاعل کا تعدد لازم آئے گا اگرچہ حقیقت میں الف، واو، نون فاعل نہیں ہیں، بلکہ تاء تانیث کی طرح تثنیہ اور جمع کے علامات ہیں، تو صورۃً تعدد سے بھی بچتے ہوئے ان صیغوں کو علامات سے خالی چھوڑ کر سب کو مفرد لایا جائے گا، بخلاف واحدہ مؤنثہ غائبہ کے؛ کیونکہ تانیث کبھی لفظی ہوتی ہے، اور کبھی معنوی، تو معنوی کی صورت میں صرف فاعل اسم ظاہر سے اس کا مؤنث ہونا سمجھ میں نہیں آئے گا جب تک اس تانیث کی علامت تاء ساکنہ نہ لائی جائے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ ان حروف کے الحاق کو صاحب کافیہ نے ضعیف کیوں کہا، اس کو کلی طور پر نا جائز کیوں نہ کہا؛ کیونکہ اس صورت میں تو اضمار قبل الذکر لازم آرہا ہے؟۔

اس کا جواب آپ نے ہدایۃ النحو میں بھی پڑھا ہے اور اوپر بھی تھوڑی سی بات سامنے آئی، یہاں صراحۃً یہ ملاحظہ ہو کہ جناب عالی! یہاں اضمار قبل الذکر تب لازم آتا جب الف واو اور نون جمع مؤنث کو ہم ضمائر قرار دیدیتے، لیکن ہم نے تو کہہ دیا کہ یہ ضمائر نہیں ہیں بلکہ محض علامات ہیں تاکہ ابتدائے کلام ہی سے یہ بات واضح ہو کہ یہ بات دو بندوں کی ہورہی ہے یا زیادہ کی، اور زیادہ کی ہے تو مؤنث کی بات ہورہی ہے یا مذکر کی۔ واللہ أعلم بالصواب۔

درس (۷۵)

نون تنوین اور نون تاکید کا بیان

التنوين: نون ساكنة تتبع حركة الآخر لا لتأكيد الفعل. وهو للتمكن، والتنكير، والعوض، والمقابلة، والترنم. ويحذف من العلم موصوفًا بابن مضافًا إلى علم آخر. نون التاكيد: خفيفة ساكنة، ومشدّدة مفتوحة مع غير الألف، تختصّ بالفعل المستقبل في الأمر، والنهي، والاستفهام، والتمني، والعرض، والقسم. وقلّت في النفي،

ولزمت في مثبت القسم، وكثرت في مثل: إما تفعلنّ، وما قبلها مع ضمير المذكرين، مضموم، ومع المخاطبة مكسور، وفيما عدا ذلك مفتوح. وتقول في التثنية وجمع المؤنث: اضربانّ، واضربنانّ، ولاتدخلهما الخفيفة خلافًا ليونس.

ترجمہ: تنوین نون ساکنہ ہوتی ہے جو کلمے کے آخری حرکت کے تابع ہوتی ہے نہ کہ تاکید فعل کے لئے، اور وہ تنوین تمکن اور تنکیر اور عوض اور مقابلہ اور ترنم ہے، اور حذف کیا جاتا ہے تنوین کو اس علم سے جو لفظ ابنٌ کے ساتھ موصوف ہو جو دوسرے علم کی طرف مضاف ہو، نون تاکید خفیفہ ہمیشہ ساکنہ ہوتی ہے، اور نون مشددہ مفتوحہ ہوتی ہے (تثنیہ کا) الف کے علاوہ کے ساتھ، اور خاص ہوتی ہے فعل مستقبل کے ساتھ، امر اور نہی اور استفہام اور تمنی اور عرض اور قسم میں، اور نون تاکید کم استعمال ہوتی ہے نفی میں، اور نون تاکید کا ہونا لازم ہے جواب قسم مثبت میں، اور نون تاکید کثرت سے آتی ہے إمَّا تفعلنَّ کی مثل میں، اور اس (نون تاکید) کے ماقبل کا حال دونوں جمع مذکر کی ضمیر کے ساتھ مضموم ہوتا ہے، اور واحد مؤنث حاضر کے ساتھ مکسور ہوتا ہے، اور ان کے علاوہ میں مفتوح ہوتا ہے، اور تثنیہ و جمع مؤنث میں تو یوں کہے گا اضربانّ واضربنانّ، اور نہیں داخل ہوتی ان دونوں پر نون خفیفہ، یہ بات خلاف ہے یونس نحوی رحمہ اللہ کے۔

تشریح: آج کے درس میں پانچ باتیں ہیں:

(۱) نون تنوین کی تعریف۔

(۲) نون تنوین کی قسمیں۔

(۳) نون تاکید کا بیان۔

(۴) نون تاکید خفیفہ وثقیلہ کے مواقع۔

(۵) نون تاکید کے ماقبل والی حرکت کا بیان۔

پہلی بات: نون تنوین کی تعریف

التنوین: نون ساكنة تتبع حركة الآخر لا لتأكيد الفعل: عزیز طلبہ! حروف کی بحث میں آخری حرف یعنی تنوین آج بیان فرمارہے ہیں تنوین نوَّنَ ینوّنُ تنوینًا باب تفعیل کا مصدر ہے بمعنی دوزبر یا دوزیر یا دوپیش ولا ہونا، اور اصطلاحی معنی صاحب کافیہ بیان کرتے ہوئے لکھ رہے ہیں کہ تنوین وہ نون ساکن ہے جو کلمہ کے آخری حرف کی حرکت کے تابع ہو، اور فعل کی تاکید کے لئے نہ ہو، یعنی اگر آخری حرف پر زبر ہو تو تنوین دوزبر والی آئیگی اور اگر زیر ہو تو زیر والی اگر پیش ہو تو پیش والی آئیگی۔

دوسری بات: تنوین کی قسمیں

وهو للتمكن، والتنكير، والعوض، والمقابلة، والترنم: اس سے قبل نحو میر اور ہدایۃ النحو میں بھی آپ حضرات پڑھ چکے ہوں اور یہاں بھی صاحب کافیہ تنوین کی وہی پانچ قسمیں بیان فرمارہے ہیں، صاحب کافیہ نے صرف ان کے نام ذکر فرمائے ہیں آپ حضرات تازگی کے لئے ہر ایک کی تعریف بھی ملاحظہ فرمائیں:

(۱) **تنوین تمکن:** تنوین تمکن وہ تنوین ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ میرا مدخول اسمیت کے مقتضی یعنی منصرف ہونے میں پکا اور مضبوط ہے، اسی وجہ سے اس کو تنوین صرف بھی کہتے ہیں؛ کیونکہ یہ منصرف اور غیر منصرف کے

درمیان فرق بیان کرنے کے لئے لائی جاتی ہے جیسے زیدٌ، کتابٌ، اور فرسٌ وغیرہ۔

(۲) تنوین تنکیر: وہ تنوین ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ میر امدخول نکرہ ہے، یہ معرفہ اور نکرہ کے درمیان فرق بیان کرنے کے لئے لائی جاتی ہے، جیسے صَهٍ کا معنی ہے أسكتْ سكوتًا ما في وقتٍ مًا، یعنی آپ خاموش ہوجائیں کسی بھی وقت کچھ خاموشی کے ساتھ، اور جب صَهْ بغیر تنوین کے استعمال کریں گے تو اس کا معنی ہوگا أسكتْ السكوت الآنَ، یعنی آپ ابھی خاموش ہوجائیں۔

(۳) تنوین عوض: یہ وہ تنوین ہے جو مضاف الیہ کے عوض میں اسم مضاف کے آخر میں لائی گئی ہو جیسے حینئذٍ، ساعتئذٍ اصل میں حين إذا كان كذا اور ساعة إذا كان كذا تھا۔

(۴) تنوین مقابلہ: وہ تنوین ہے جو نونِ جمع مذکر سالم کے مقابلے میں جمع مؤنث سالم کے آخر میں آجائے جیسے مسلماتٍ یہ مسلمون کے نون کے مقابلے میں آئی ہے۔

(۵) تنوین ترنم: وہ تنوین ہے جو اشعار اور مصرعوں کے آخر میں تحسین صوت اور وزن کو برابر کرنے کے لئے لائی جاتی ہے جیسے:

أقلّ اللوم عاذلَ والعتابنْ

وقولي إن أصبتُ لقد أصابنْ

یہ بات آپ نے پڑھی ہے کہ پہلی چار قسمیں صرف اسم کے ساتھ خاص ہیں

فعل پر کبھی نہیں آسکتیں، لیکن آخری قسم کلمہ کی تینوں قسموں (اسم فعل حرف) پر داخل ہوسکتیں ہیں۔

ویُحذف من العلم موصوفًا بابنٍ مضافًا إلی علمٍ آخر: یہ ایک قاعدہ سمجھ لیں کہ لفظ ابـــنٌ جب علمین کے درمیان آجائے تو ہمیشہ کے لئے ماقبل کی صفت اور مابعد کے لئے مضاف واقع ہوگا، اب صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ اس سے پہلے والے علم پر اگر تنوین ہوتو کثرت استعمال کی وجہ سے برائے تخفیف اس تنوین کو حذف کردیا جاتا ہے، اسی طرح ابـــنٌ کے شروع میں سے ہمزہ اور آخر سے تنوین مضاف ہونے کی وجہ سے حذف کردیا جائے گا جیسے جاء ني زیدُبنُ عمروٍ۔

تیسری بات: نون تاکید کا بیان

نـون التـأکید خفیفةٌ ساکنةٌ ومشدَّدَةٌ مفتوحةٌ مع غیر الألف: نون تنوین کے بعد نون ساکن اور نون مشدد کو بیان فرمارہے ہیں، اور انہیں دونوں قسموں کو نون تاکید کہتے ہیں جو صرف اُفعال کے آخر میں لاحق ہوتی ہے انہیں افعال کو مؤکد کرنے کے لئے، چنانچہ صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ نون تاکید کی دو قسمیں ہیں:

(۱) نون تاکید خفیفہ: یہ نون ساکن ہوا کرتا ہے؛ کیونکہ یہ مبنی ہوتا ہے، اور مبنی میں اصل سکون ہوتا ہے، اس لئے یہ ساکن ہوگا، یہ فعل مضارع کے تین حاضر اور تین غائب اور دو متکلم کے صیغوں میں آتا ہے، مثلاً اضـــربـــنْ، اضـــربُـــنْ، اضربِنْ، لیضربَنْ، لیضربُنْ، لتضربَنْ، لأضربَنْ، لنضربَنْ، وقس علی هذه مجهولها، وصیغ النهي معلومًا ومجهولاً۔

(۲) نون تاکید ثقیلہ: اس کی تعریف صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ ومشددة مفتوحة مع غير الألف، یعنی نون تاکید ثقیلہ وہ نون مشددہ ہے جو کہ مفتوح ہو بشرطیکہ اس کے ساتھ الف تثنیہ اور الف فاصلہ نہ ہو، اور یہ مضارع کے تمام صیغوں کے ساتھ آتا ہے، جیسے اضربَنَّ، اضربُنَّ، اضربِنَّ اور اگر ان کے ساتھ الف ہو تو نون مشددہ مکسور ہوگا جیسے اضربانِّ اور اضربنانِّ۔

چوتھی بات: نون تاکید خفیفہ وثقیلہ کے مواضع

تختص بالفعل المستقبل في الأمر والنهي والاستفهام والتمني والعرض والقسم: صاحب کتاب نے یہاں نون تاکید خفیفہ وثقیلہ کے مواضع بیان فرمائے ہیں یعنی جن گردانوں میں یہ دونوں نون لاحق ہو سکتے ہیں وہ بیان کئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

فعل مستقبل، امر، نہی، استفہام، تمنی، عرض، قسم، جوازی طور پر ان سب کے آخر میں یہ لاحق ہوگا، کیونکہ ان سب میں طلب کا معنی پایا جاتا ہے، اور نون تاکید ان سب کے آخر میں آکر طلب کی تاکید کرے گا، جیسے لیضربنْ، لیضربُنَّ اور اضربنْ، اضربنَّ، لاتضربَنْ، لا تضربنَّ، هل تضربَنْ، هل تضربَنَّ، لیتک تضربَنْ، لیتک تضربنَّ، اور ألا تنزلنْ وألا تنزلنَّ بنا فتصیبَ خیراً، والله لأضربنَّ زیدًا وغیرہ۔

یا آسان الفاظ میں اس طرح کہدیں کہ یہ دونوں نون فعل مضارع اور اس کے اخوات کے آخر میں آئینگے۔

وقلت في النفي: فرماتے ہیں کہ نفی کے آخر میں نون تاکید کا آنا ضعیف ہے؛ کیونکہ نون تاکید آتا ہے، طلب کی تاکید کے لئے، اور نفی میں چونکہ تاکید کا معنی نہیں ہوتا، اس لئے اس کو قلیل الاستعمال قرار دیا، ناجائز اس لئے نہیں کہا کہ یہ صورت نہی کی طرح ہے، لہذا اس اعتبار سے اس کا لانا جائز ہے، لیکن اس میں طلب کا معنی نہیں ہوتا تو اس اعتبار سے قلیل الاستعمال ہے۔

ولزمت في مثبت القسم: فرماتے ہیں کہ جواب قسم اگر مثبت ہو تو اس میں نون تاکید کا لانا واجب ہوگا جیسے ﴿تاللہ لأكيدنَّ أصنامكم بعد أن تولوا مدبرين﴾۔

وكثرت في مثل إما تفعلنَّ: إما تفعلنَّ کے مثل کوئی ترکیب ہو تو وہاں اکثر طور پر نون تاکید لایا جاتا ہے، مثل کا مطلب یہ ہے کہ حرف شرط ہو اور اس کے ساتھ ما زائدہ آجائے جیسے ﴿إما ترينَّ من البشر أحدا﴾۔

پانچویں بات: نون تاکید کے ماقبل حرکت کا بیان

وما قبلها مع ضمير المذكرين مضمومٌ: نون تاکید کے ماقبل تینوں حرکتیں آتی ہیں، اس کو بیان کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جمع مذکر حاضر و غائب کے صیغوں میں اس کا ماقبل مضموم ہوگا جیسے لیضربُنَّ، لتضربُنَّ۔

ومع المخاطبة مكسورٌ: واحدہ مؤنثہ حاضرہ کے صیغے میں اس کا ماقبل مکسور ہوگا جیسے لتضربِنَّ۔

وفيما عدا ذلك مفتوحٌ: مذکورہ تین صیغوں کے علاوہ باقی صیغوں

میں نون تاکید کا ماقبل مفتوح ہوگا بشرطیکہ اس سے قبل الف تثنیہ یا الف جمع نہ ہو جیسے لیضربَنَّ لتضربَن وغیرہ۔

و تقول في التثنية وجمع المؤنث: چار تثنیہ اور دو جمع مؤنث کے صیغوں میں نون تاکید سے پہلے الف ہوتا ہے، تو اس کو برقرار رکھ کر اضربانّ اور اضربنانّ وغیرہ پڑھا جائے گا۔

ولا تدخلهما الخفيفة: فرماتے ہیں کہ جمہور علماء نحو وصرف کے ہاں تثنیہ اور جمع مؤنث کے صیغوں میں التقائے ساکنین علی غیر حدہ کی وجہ سے جب الف کو گرایا جائے گا، تو وہ وہی مفرد کا صیغہ بن جائے گا اس لئے فرمایا کہ ان کے ساتھ نون تاکید خفیفہ سرے سے ہی نہیں آسکتا۔

خلافًا ليونس: امام یونس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ صیغوں میں بھی نون تاکید خفیفہ لایا جاسکتا ہے؛ کیونکہ ان کے ہاں التقائے ساکنین علی غیر حدہ بھی جائز ہے۔

درس (۷۶)

نون تاکید کے متعلق چند اہم مسائل

وهما في غيرهما مع الضمير البارز كالمنفصل، فإن لم يكن فكالمتّصل، ومن ثمّ قيل: هل ترينّ، وترونّ، وترين، واغزونّ، واغزنّ، واغزنّ، والمخفّفة تحذف للسّاكن وفي الوقف، فيردّ ما

حذف، والمفتوح ما قبلها تقلب ألفًا فقط.

ترجمہ: اور یہ دونوں (نون ثقیلہ اور نون خفیفہ) ان دونوں (تثنیہ اور جمع مؤنث) کے علاوہ میں ضمیر بارز کے ساتھ منفصل کی طرح ہوتے ہیں، اگر وہ (ضمیر بارز) نہ ہو تو متصل کی طرح ہوتے ہیں، اسی وجہ سے کہا گیا ہے: **هل ترينّ** اور **تروُنّ** اور **ترِنّ** اور **اغزونّ** اور **اغزِنّ** اور **اغزُنّ**، اور نون خفیفہ حذف ہو جائے گا التقائے ساکنین کی وجہ سے، اور وقف کی حالت میں واپس آ جائے گا، جو حرف حذف کر دیا گیا، اور نون خفیفہ کا ماقبل مفتوح ہو تو الف سے بدل دیا جائے گا (وقف کی حالت میں)۔

تشریح: آج کے درس میں باتیں ہیں:

(۱) فعل معتل کے آخر میں نون تاکید کا حکم۔

(۲) مذکورہ اصول پر تفریعات۔

(۳) نون تاکید خفیفہ کے لئے ایک قاعدہ۔

پہلی بات: فعل معتل کے آخر میں نون تاکید کا حکم

وهما في غيرهما مع الضمير البارز كالمنفصل: صاحب کافیہ جب فعل صحیح کے آخر میں نون تاکید کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب فعل معتل کے آخر میں نون تاکید کی تفصیلات بیان فرما رہے ہیں، لیکن اس سے پہلے تمہیدی طور پر ایک دو باتیں ذہن نشین فرمائیں:

(۱) عبارت میں ہما ضمیر کا مرجع نون تاکید ثقیلہ اور خفیفہ ہیں اور غیرہما کے اندر ہما ضمیر کا مرجع تثنیہ اور جمع مؤنث کے صیغے ہیں۔

(۲) بعض صیغے ایسے ہوتے ہیں جن میں ضمیر فاعل ظاہر ہوتی ہے، اور بعض میں مستتر ہوتی ہے۔

اس تمہید کے بعد صاحب کافیہ کی عبارت کو دیکھئے وہ فرماتے ہیں کہ نون تاکید ثقیلہ وخفیفہ کا حکم تثنیہ اور جمع مؤنث کے صیغوں کے علاوہ ان صیغوں میں جن میں ضمیر فاعل ظاہر ہوتی ہے، کلمہ منفصلہ کی طرح ہے، مطلب یہ ہے کہ ان صیغوں کے ساتھ کسی کلمہ کے ملنے سے اگر حرف علت حذف ہوتا ہو تو نون تاکید کے لاحق ہونے سے بھی حذف ہوگا، اور اگر اس کے ملنے سے حذف نہ ہوتا ہو تو نون تاکید کے لاحق ہونے سے بھی حذف نہیں ہوگا جیسے اُغزُوْا سے اُغزُوا الکفارَ، اور اِرْمُوْا سے ارمُوا الغرضَ، دیکھئے ایک اور کلمہ کے ملانے سے اغزُوْا اور ارمُوا کے آخر میں واو حرف علت نہیں پڑھا جاتا، لہذا نون تاکید کے لاحق کرنے سے پڑھا بھی نہیں جائے گا اور مزید برآں کتابت سے بھی حذف کیا جائے گا، جیسے اغزُنَّ اور ارمُنَّ۔

اور اخشَوُ الرجلَ میں حذف نہیں ہوا ہے لہذا اخشَوُنَّ میں بھی حذف نہیں ہوگا۔

فإن لم یکن فکالمتصل: فرماتے ہیں کہ جن صیغوں میں ضمیر فاعل ضمیر مستتر ہو ان میں نون تاکید کی مثال کلمہ متصلہ کی طرح ہے، کلمہ متصلہ سے مراد یہاں الف تثنیہ ہے یعنی جس طرح الف تثنیہ سے پہلے معتل کا لام کلمہ یعنی حرف علت حذف نہیں ہوتا اور وہ مفتوح ہوتا ہے، اسی طرح نون تاکید سے پہلے بھی حذف شدہ حرف علت کو واپس لائینگے اور وہ مفتوح ہوگا، جیسے واحد مذکر مخاطب کا صیغہ اُغزُ تھا، جب اس کے آخر میں نون تاکید لگا تو اُغزُوَنَّ بن گیا، یعنی جس طرح تثنیہ بناتے وقت یہ واو واپس

آتا ہے، اسی طرح نون تاکید کے ساتھ بھی واپس آئے گا، اسی طرح ارمِ سے ارمِیَنَّ اور اخشَ سے اخشَیَنَّ۔ (تقریر کافیہ۲/۲۰۳)۔

دوسری بات: مذکورہ اصول پر تفریعات

ومن ثمّ قیل: هل ترینّ، وترونّ، وترین، واغزونّ، واغزنّ.

واغزنّ: علامہ ابن حاجبؒ نے مذکورہ اصول پر لف نشر غیر مرتب طریقے سے دو قسم کے صیغے بطور تفریع پیش فرمائے ہیں چنانچہ پہلے والے چار صیغوں کا تعلق مذکورہ اصول کے حصہ دوم کے ساتھ ہے، اس لئے ان کے آخر سے واو حرف علت کو حذف نہیں کیا گیا ہے، اور آخری دو صیغوں کا تعلق اس کے حصہ اول کے ساتھ ہے اس لئے اس کے آخر سے حرف علت کو حذف کر دیا گیا ہے۔

تیسری بات: نون تاکید خفیفہ کے لئے ایک قاعدہ

والمخففة تحذف للساکن وفي الوقف: فرماتے ہیں کہ نون تاکید خفیفہ کو دو حالتوں میں حذف کر دیا جاتا ہے، ایک التقائے ساکنین کے وقت اور دوسرا حالت وقف میں، پھر جب اس کو حذف کر دیا جائے، **تو فیردُّ ما حُذف** یعنی وہ حرف علت نون تاکید سے قبل موجود تھا پھر نون تاکید لگانے سے حذف ہوا تھا اب جب نون تاکید خود حذف ہوا تو وہ حذف شدہ حرف علت واپس لوٹ کر آجائے گا، کیونکہ جس علت سے وہ حذف ہوا تھا وہ علت اب نہیں رہی، جیسے اضرِبَنْ اور اضرِبُنْ سے جب التقائے ساکنین کے وقت نون تاکید حذف کریں گے اس کی مثال اضربي القومَ، اور اضربوا القومَ، اور حالت وقف کی مثال: اضرِبَنْ سے اضرِبي اور اضرِبُنْ سے اضرِبُوا۔

والمفتوح ما قبلها تقلب ألفا فقط: نون تاکید خفیفہ کے ماقبل اگر زبر ہو جیسے مفرد مذکر کے صیغے میں ہوتا ہے، اس کو حالت وقف میں صرف الف سے تبدیل کیا جائے گا، اس کے علاوہ حرف علت محذوف کے دوبارہ لانے کا جو مسئلہ ہے اس کا تعلق اس کے ساتھ نہیں ہے، اس

لئے کہ مفرد کا صیغہ اگر صحیح سے ہوتب تو اس کے آخر میں حرف علت ہوتا ہی نہیں اور اگر معتل سے ہو تو حرف علت اگر چہ ہوتا تو ہے لیکن اس کے ساتھ نون تاکید لگانے سے وہ حذف نہیں ہوتا، تو اس لئے علامہ ابن حاجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نون تاکید خفیفہ کا ماقبل اگر مفتوح ہو یعنی مفرد کا صیغہ ہو تو حالت وقف میں صرف اس کو الف سے بدلا جائے گا اور بس، جیسے اضربَنْ سے اضربا، اور اس کو الف سے بدلنے کی وجہ یہ ہے کہ نون تاکید خفیفہ کی مشابہت ہوتی ہے نون تنوین کے ساتھ، اور ظاہر بات ہے کہ جس طرح نون تنوین کو حالتِ وقف میں الف سے بدلا جاتا ہے اسی طرح اس کو بھی الف سے بدلا جائے گا لہذا اضربَنْ کو ایسا ہی اضربا پڑھا جائے گا جیسا کہ ﴿وکان اللہ علیمًا حکیمًا﴾ کو حالت وقف میں ﴿وکان اللہ علیمًا حکیمَا﴾ اور ﴿إنا أرسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرًا﴾ کو ﴿إنا أرسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرَا﴾ پڑھا جاتا ہے۔

وصلی اللہ علی النبي الأمّي وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا، اللھم صل وسلم علی محمد النبی الأمي وعلی آلہ وعترتہ بعدد کل معلوم لک، اللھم صل علی محمد ملأ السموات وملأ الأرض وملأ العرش العظیم، وصلی اللھم علی حبیبک کما تحب وترضی لہ إلی أبد الآبدین ودھر الداھرین بعدد أقطار الأمطار وذرات الرمال وأوراق الأشجار في کل حین وآنٍ مني ومن کل خلقک، یا رب العالمین.

ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم وتب علینا إنک أنت التواب الرحیم، ربنا قد جئتُ ببضاعۃ مزجاۃ فأوف لي الکیل وتصدق علي إنک تجزي المتصدقین.

أخوکم في اللہ
سید عبدالرشید بن مقصود ہاشمی
من أبناء
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن
واستاذ
مدرسہ ابن عباس گلستان جوہر کراچی پاکستان
۴ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ بروز جمعہ